تاریخ سیاستِ کشمیر

ایک تحقیقی مُطالعہ

جلد اوّل

ڈاکٹر آفاق عزیز

تاریخ سیاستِ کشمیر

ایک تحقیقی مُطالعہ

جلد اوّل

ڈاکٹر آفاق عزیز

نام کتاب .... تاریخ سیاستِ کشمیر: ایک تحقیق مُطالعہ

مصنف .... ڈاکٹر آفاق عزیز

سالِ اشاعت 2013ء

تعداد 1000

قیمت .... مبلغ 600 روپے

کمپیوٹر کمپوزنگ .... محمد یوسف میر (ولی دارالکتابت ٹینگن پانپور)

مطبوعہ .... کاروانِ تحقیق وثقافت، حیات پورہ، چاڈورہ کشمیر۔

کتاب ملنے کا پتہ:

☆ سکندر نیوز ایجنسی لال چوک سرینگر۔

☆ ڈاکٹر آفاق عزیز، سنٹر آف سنٹرل ایشین سٹیڈیز، کشمیر یونیورسٹی سرینگر۔

☆ کاروانِ تحقیق وثقافت، حیات پورہ، چاڈورہ کشمیر۔

☆ شیخ محمد حمزہ، غلام محمد نور محمد تاجران کتب، متصل گورنمنٹ پریس لالچوک سرینگر

فہرست

(۱)



پیش گفتار

تاریخ زمانۂ ماضی کا ریکارڈ ہے، یعنی دنیا کے کسی خطّے میں انسانوں نے جو کچھ کیا، کہا یا لکھا۔ تاریخ کہلاتا ہے۔ اور پھر جو کچھ ہم تک پہنچا، اُسی کی بدولت ہمیں قوموں کے رہن سہن، مذہب، کلچر اور عروج و زوال کے بارے میں آگہی ہوتی رہتی ہے۔ پس بجا طور کہا جاسکتا ہے کہ تاریخ عبرت و بصیرت حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ماضی میں خود غرض طاقتوں نے مختلف طریقوں سے تاریخ کو ہی تباہ کرنے کی کوششیں کیں۔ بہت خوب کہا گیا ہے کہ کسی قوم کو صفۂ ہستی سے مٹانا ہو تو اُس کی تاریخ کو مسخ کیا جائے۔ گذشتہ صدی میں بالکل یہی کچھ ہوا، جہاں ایک طرف اشتراکیت کے نشے میں چور بے دین طاقتوں نے تاریخ کو بزور بازو ''قتل'' کرنا چاہا، وہیں دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام کے خداؤں نے ''شیرین دواؤں میں زہر گھول کر'' اِسے پلانا شروع کردیا۔

جہاں تک سرزمین کشمیر کی تاریخ کا تعلق ہے، اس کا مطالعہ کرنے سے یہ بات صاف نظر آئے گی کہ یہی طاقتیں بالواسطہ یا بلا واسطہ طور یہاں بھی سرگرم عمل رہی ہیں۔ ماضی میں مُطلق العنان حکمرانوں نے من پسند تاریخیں لکھوائیں۔ سیاحوں، مورخوں، یہاں تک کہ خود بادشاہوں نے کشمیر کی تعریف میں یہاں تک کہا کہ قدرت نے اس کو بنانے میں کافی وقت صرف کیا ہے اور تمام تر نعمتوں کو اِس خطے میں جمع کر کے بہشت منظر بنادیا۔ مگر اہل کشمیر کے بارے میں یہ تاثر دیا گیا کہ یہ لوگ خوبصورت تو ہیں مگر خوب سیرت نہیں۔ ولیم مورکرافٹ، الیف نائٹ، فریڈرک ڈریو اور وان ہیوگل وغیرہ نے کشمیریوں کو ''خود غرض، جاہل، بے ایمان اور کذاب'' قرار دیا۔ کسی ملاّح سے دھوکہ کھا کر مورکرافٹ نے اُس کا نزلہ ساری قوم پر گرادیا۔ سر والٹر لارنس، جو یہاں برسوں خیمہ زن رہے، نے کشمیری قوم کے دفاع میں جو کچھ کہا وہ یہ ہے کہ جو نقائص یا کمزوریاں اِس قوم میں پائی جاتی ہیں، وہ اُن کی (ایک ہزار سالہ) سیاسی، سماجی اور اقتصادی غلامی کا نتیجہ ہیں۔ اِس طرح کی تردیدی اور تائیدی تحریریں کافی تعداد میں موجود ہیں، مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص خواہ وہ کوئی مورخ یا ماہر سماجیات ہی کیوں نہ ہو، کیا اُس کے لئے یہ ممکن ہے کہ کسی ملک میں چند ہفتے گذار کر وہاں کے حالات و واقعات اور کلچر کو مکمل طور پر سمجھ کر منصفانہ طور کچھ قلم بند کرے یا کوئی حتمی رائے قائم کرے۔ اگر جواب نفی میں ہے تو اِس طرح کی تمام تحریروں پر خود بخود

ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

آج جب ہم اکیسویں صدی کے آغاز میں کشمیر اور اہلِ کشمیر کو دیکھتے ہیں تو دفعتاً ماضی کی وہ ہستیاں یاد آتی ہیں جو کشمیر کو محبوب رکھتی تھیں اور وہ جو اہل کشمیر کو معیوب سمجھتی تھیں۔ حق تو یہ ہے کہ جنّت نظیر کشمیر اب ہر اعتبار سے جہنم نظیر بنتا چلا جارہا ہے۔ منظّم سازشوں کے تحت اِسکی ایک ایک خوٗبی رخصت ہوتی چلی جارہی ہے۔ اہل کشمیر کا حال دیکھتے ہی مور کرافٹ وغیرہ پھر یاد آتے ہیں۔ خودغرضی، جہالت، بے ایمانی اور کذب بیانی سچ پوچھئے تو یہ پریاں آج بھی جوان ہیں اور بڑے طمطراق کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ کل کا مفلوک الحال آج کا خوشحال بنا بیٹھا ہے۔ ''زمینیں بیچ بیچ کے موٹر گاڑیاں خریدنے والے'' کثرت میں پائے جاتے ہیں۔ تاجر اور ملازم پیشہ اور زیادہ دولت کمانے کی لالچ میں وطن عزیز کو چھوڑ چھوڑ کے بھاگے جارہے ہیں۔ بے روزگار نوجوان نشہ آور دوائیوں میں ڈوب رہے ہیں۔ رشوت ستانی، استحصال بالجبر، استیصال، منشیات، جنسی بے راہ روی غرض ہر طرح کی خرابی گھر کر چکی ہے۔ مغرب زدہ اتنے کہ مادری زبان پرائی ہوتی جارہی ہے، تحریک آزادی کے نام پر چلنے والی سیاسی اور مذہبی دُکانوں کی بھرمار کا نتیجہ اگر ہے تو صرف انتشار ہی انتشار ہے۔ ایسے حالات میں جبکہ کشمیریوں کی اکثریت مکروہات دُنیا کو گلے لگائے ہوئے ہے، بچے کُچے مخلص محب وطنوں کا حال کیا ہوسکتا ہے سوائے اسکے کہ

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کیساتھ\
پہنچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں!

مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ میرا تعلق بھی اس قوم سے ہے جس کا ذکر ہورہا ہے۔ مگر یہ سوچ کر مغموم ہوتا ہوں کہ ہم تشکر و تفکر اور خود احتسابی کے بجائے بے سود سیاسی بحث مباحثوں اور کھوکھلے نعروں میں تسلی و تشفی پاتے ہیں۔ وقتی جوش و خروش کو ''نوائے سروش'' سمجھتے ہیں۔ مگر کبھی سنجیدگی سے اس تلخ حقیقت پر لمحہ بھر کے لئے غور نہیں کرتے کہ ہم مغلوب بھی ہیں، مظلوم بھی ہیں اور بدنام بھی۔

یہ کتاب میری اسی ذہنی کشمکش اور جستجو کا ثمرہ ہے۔ ضمیر کی آواز پر قلم اُٹھانے کی جسارت کی۔ جانے کہاں کہاں کے کتب خانوں کو کھنگالا۔ محافظ خانوں اور مختلف دفتروں میں فائیلوں کو جھاڑ کر اُن کی ورق گردانی کی، اور ایسا مواد جمع کیا جو یا تو استعمال ہوا ہی نہیں ہے یا بہت کم ہوا ہے۔ مطالعہ کے دوران قارئین خود ہی محسوس کرینگے کہ ظاہری حُسنِ زبان و بیان سے زیادہ متن کی ترتیب و تہذیب کی طرف توجہ دی گئی ہے۔ اور جو کُچھ لکھا ہے، روایتی انداز سے قدرے ہٹ کر لکھنے اور ہر

مسئلہ کی تہہ میں جانے کی کوشش کی گئی ہے۔ خواہ وہ شہمیر، چک، مغل، افغان، سکھ یا ڈوگرہ حکمرانوں کی بیگار یا جاگیردارانہ نظام کے مظالم ہوں۔ کشمیر کی سیاسی بیداری کا زمانہ ہو یا ''نیو ورلڈ آڑر'' کا منصوبہ، قبائلی حملہ ہو یا پھر تقسیم ہند کے بعد پاکستان کا رول، کشمیر کو متنازعہ بنانے کی سازش یا کشمیر میں بھارتی افواج کا ورود، سانحہ ۵۳ء ہو یا ہندوپاک کے ناجنگ معاہدے غرض ہر موضوع پر مختلف زاویوں سے مدلل اور مُفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیو ورلڈ آڑر، قبائلی حملہ اور پاکستانی رول، بھارتی فوج کی آمد اور پھر سانحہ ۵۳ء ایسے واقعات تصور کئے جاتے ہیں جنہوں نے تاریخ کشمیر کو یک لخت بدل دیا، نئے اور مُستند حوالوں کی مدد سے ان پر ایک نئے انداز کے ساتھ بحث کی گئی ہے جس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اپنے مفادات کی خاطر عالمی طاقتوں نے آزاد اور خود مختار ملک (کشمیر) کو کس طرح ایک منصوبہ کے تحت بین الاقوامی مسئلہ بنا دیا۔ جو آگے چل کر ایک منظم سازش کے ذریعہ صرف ۲ ملکوں کے مابین محض ایک زمینی تنازعہ بن کے رہ گیا۔ جن میں سے ایک کشمیر کو ''ریوارڑ'' سمجھ کر سر پر لئے ہوئے ہے تو دوسرا اِسے ''چیک'' سمجھ کر جیب میں لئے پھر رہا ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دونوں ملکوں کے مورخین ملکی مفادات کے پیشِ نظر تاریخ کشمیر کو مسخ کر رہے ہیں۔ اسی راستے پر کشمیر کے فقتھ کالمی مصنفیں اور سیاست دان بھی گامزن ہیں نتیجتاً، کشمیری قوم ایسے گرداب میں پھنس گئی جہاں سے باہر آنے کے لئے اُنہیں اپنی تاریخ کو تحقیق و جستجو کی کسوٹی پر پرکھنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہا ہے تاکہ کھرا اور کھوٹا الگ ہو جائے۔ اہلِ کشمیر کی انفرادیت اور قومی تشخص کی بازیافت ممکن بنانے کی یہی ایک صورت ہے۔

بڑی ناسپاس گذارش ہوگئی اگر میں ان کتب خانوں اور اداروں کا شکریہ ادا نہ کروں جہاں سے میں نے وردست کتاب کے لئے قیمتی مواد حاصل کیا۔ اُن میں سردار رنبیر سنگھ لائبریری جموں، جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی، نہرو میموریل میوزیم تین مورتی بھون نئی دہلی، سنٹرل سیکرٹریٹ لائبیری نئی دہلی، نیشنل آرکائیوز دلی کے تیسرے منزل میں واقع پرائیویٹ سیکشن جہاں ۱۹۱۲ء لیکر ۱۹۶۰ء تک کے اخبارات اور کچھ قلمی نُسخے محفوظ ہیں، نیشنل آرکائیوز دلی کا قدیم ریکارڑ سیکشن، ریاست جموں وکشمیر کا شعبہ انفارمیشن سرینگر، علامہ اقبال لائبیری (کشمیر یونیورسٹی) اور سنٹر آف سنٹرل ایشن سٹیڈیز کشمیر یونیورسٹی قابل ذکر ہیں۔

میں صمیم قلب کے ساتھ اُن تمام بزرگوں اور دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے میری رہنمائی کی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ اِن میں خاص طور سے نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکریٹری شیخ نذیر اور معاون جنرل سیکریٹری ڈاکٹر شیخ مصطفٰے کمال، ریاست کے وزیر مالیات

عبدالرحیم راتھر، پروفیسر کلبھوشن وارِکو، مکھن لال کنولؔ، برج ناتھ بیتاب، پریم ناتھ شادؔ، جواہر لال سرورؔ، ظریف احمد ظریف، ابدال مہجورؔ، محی الدین ریشی، خورشید قریشی، اے آر بڑھانہ، محمد مقبول ساحل، محمد رفیع خان، ستیش وِمل، شیخ محمد حمزہ، علی محمد ڈار، عبدالرزاق ڈار، جاوید اقبال ڈار، جی این ساگر، محمد یوسف بٹ، ڈاکٹر رفیع الدین مخدومی، ڈاکٹر جی این خاکی، ڈاکٹر محمد افضل میر، ڈاکٹر طارق احمد راتھر، ڈاکٹر عرفان فاضلی، ڈاکٹر فاروق احمد میر، شوکت شفیع اور مختار احمد وانی شامل ہیں۔ بڑی ناانصافی ہوگی اگر میں اپنے بھتیجے کامران نبی کو بھول جاؤں۔ یہ میری مدد کو ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اللہ خوش وخرم رکھے۔

معروف صحافی ڈاکٹر شجاعت بخاری صاحب کا ممنون ومشکور ہوں کہ اُنھوں نے کتاب کے چند مضامین اپنے موقّر روزنامہ ''بلند کشمیر'' میں شایع کیے۔ اس طرح میری خوب حوصلہ افزائی فرمائی۔

اپنے رفقائے کار اور عزیز دوستوں یعنی ڈاکٹر شیخ طلال اور ڈاکٹر مشتاق احمد حلوائی کا ذکر اِس لئے ناگزیر ہے کہ ان دونوں کی مدد اور ''مداخلت'' کے بغیر کتاب کا طباعت کے مراحل سے گذرنا ناممکن تھا۔ دونوں نے ہر اعتبار سے کتاب پر بحث کی۔ ڈاکٹر طلال صاحب نے کتاب کا مسودہ اول تا آخر پڑھا اور جہاں تک ہوسکا اِسکی نوک لپک سنوارنے کا کام کیا۔ میں دونوں کا بے حد ممنوں ہوں۔

خود کو بڑی مشکل میں پاتا ہوں کہ اپنی شریک زندگی نیلوفر آرا کا شکریہ کیسے ادا کروں کہ گھر اور بچوں کی دیکھ بھال اپنے ذمہ لے کر اور دیگر مکروہات دنیا سے بری کر کے مجھے کتاب کی طرف بھرپور توجہ دینے کا موقعہ دیا۔ بلکہ خود دلچسپی لے کر میری تحریروں کو پڑھتی رہیں اور اپنے مفید مشوروں سے نوازتی رہیں۔ اللہ جزائے خیر دے۔ آمین

آخر میں اپنی بات یہ کہہ کر ختم کرتا ہوں کہ میری ''محنت ہائے عرقِ فشاں'' کا صلہ یہی ہوگا کہ قارئین اور خیر خواہ حضرات بروقت میری کوتاہیوں اور کمیوں کی نشاندہی کریں تا کہ کتاب کی اشاعت دوم میں اُن کو دور کیا جاسکے۔ انشاءاللہ

ڈاکٹر آفاق عزیز
حیات پورہ، جاڈورہ، وسطی کشمیر

۳۱ رجنوری ۲۰۱۳ء

سیاست کشمیر از ۱۳۰۰ء تا ۱۹۳۰ء

زمانہ گذرا جب کشمیر آزاد اور خود مختار ملک تھا۔ اپنا بادشاہ، اپنا سپہ سالار، اپنا جھنڈا، اپنا سکہ، اپنے امیر و وزیر، اپنی فوج غرض وہ سب کچھ اپنا تھا جو ایک آزاد حکومت کی پہچان تھی۔ یہاں کے سیاہ و سفید کے مالک کشمیری خود تھے جو میدان حرب و ضرب میں نمایاں کام انجام دیتے رہے۔ کشمیری قوم نے قدیم کال سے ہی اپنے سیاسی مخالفین کا جینا حرام کر دیا تھا۔ شبخون سمیت کئی جنگی حربوں کی بدولت کشمیریوں نے متعدد بار اہم کامیاباں حاصل کی ہیں۔ میدان کارزار میں دشمن کا فرار ہونا بھی محال ہوتا تھا۔ اسی ولولہ انگیز اور دلیرانہ کردار کے باعث کشمیری قوم کے چرچے تھے۔ اس مسلمہ حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہونا چاہئے کہ ماضی میں کشمیر کو تسخیر کرنا ''جوئے شیر'' لانے کے مترادف تھا۔ کشمیر کے پہلے بادشاہ آدگونند اول[1] سے لے کر راجہ بلدیو (۱۷۰۳۔۱۶۵۰ ق م) کی عہد حکومت تک ڈیڑھ ہزار سال کا عرصہ گذرا۔ آخری راجہ کے دور میں اوجین کے حکمران نے کشمیر پر حملہ کرنے کی جرأت کی۔ مگر راجہ بلدیو نے اُسکو ایسی دل دہلانے والی شکست دی جس کا غوغہ مدتوں ہوتا رہا[2]۔ اس کے بعد آئندہ ڈھائی ہزار برس تک کشمیر کی طرف کسی کو آنکھ اُٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ شواہد سے ثابت ہے کہ بیرونی طاقتوں نے کئی بار کشمیر پر چڑھائی کی لیکن ہمیشہ ناکام رہے۔ اس لئے دیارِ غیر کے حکمرانوں نے ملک کشمیر پر فوج کشی کے خواب دیکھنے ہی ترک کئے۔ البتہ گیارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں سلطان محمود غزنوی نے کشمیر کو فتح کرنے کی دو بار کوشش کی لیکن دونوں دفعہ شکست سے

۱۔ پنڈت کلہن نے آدگونند اول کا تخت جلوس ۲۴۴۸ ق م اور پروفیسر ولسن نے ۱۴۰۰ ق م مقرر کیا ہے۔ بعض مورخین ۱۷۱۰ ق م کے حق میں ہیں۔ چند مورخوں کا خیال ہے کہ وہ مہابھارت یدّ سے بیس برس پہلے تخت نشین ہوا جبکہ مکمل تاریخ کشمیر کے مولف منشی محمد الدین فوق نے ان کی تخت نشینی ۳۱۲۱ ق م۔ ۳۱۰۴ ق م کے درمیان مقرر کی ہے۔

۲۔ پنڈت کلہن، ۱۹۹۳ء، راج ترنگنی، مترجم و مرتب۔ ٹھاکر اچھر چند شاہپور، جلد اول، سرینگر، ص ۷۹۔۸۰۔

دوچار ہوئے۔

تاریخ کشمیر کا درخشندہ پہلو یہ ہے کہ ایام گزشتہ سے چودھویں صدی کی دوسری دہائی تک کشمیر پر ۲۱ خاندانوں نے حکومت کی جن میں ۱۸ خاندان مقامی اور کشمیر الانسل تھے۔ ملکی تاریخ کا تاریکی دور سہدیو سے شروع ہوتا ہے۔ جب کشمیر کی سیاسی عمرانیات کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ ۱۳۰۱ء میں سہدیو کی تخت نشینی کے ساتھ ہی غیر ملکی لوگ وقفہ وقفہ سے واردِ کشمیر ہونے لگے جس میں عبدالرحمٰن بُلبُل، شہمیر، رینچن اور چک قبیلے کے لوگ قابلِ ذکر ہیں۔ اول الذّکر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ترکستان سے لشکر ذوالقدر خان کے ہمراہ یہاں پہنچے تھے۔ شہمیر ۱۳۱۳ء میں تلاش معاش کے سلسلے میں اپنے قبیلے کے ہمراہ واردِ کشمیر ہوکر وقت کے راجہ سہدیو کے دربار میں حاضر ہوا اور اپنے لئے ماہانہ وظیفہ مقرر کروانے میں کامیابی حاصل کی[۳]۔ وہ راجہ کے اتنے قریب ہوگئے کہ اُس نے بارہ مولہ کے نزدیک پرگنۂ کروہن کا دارودیر گاؤں بطور جاگیر عطا کیا[۴]۔ اپنے قبیلے اور اہل وعیال کو وہاں بسا کر خود راجہ کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہنے کو ترجیح دی۔ شہمیر کے متعلق عام رائے ہے کہ وہ کنر سوات کا رہنے والا تھا جو پاکستان کے موجودہ ضلع ہزارہ میں واقع ہے۔ تاریخ کشمیر کے مولف عنصر صابری شہمیر کے آبائی وطن کو مضافات کابل قرار دیتے ہیں۔ چونکہ اس بستی کے حدود وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے گئے اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ شہمیر بہ وقت ہجرت موجودہ پاکستان سے تعلق رکھتا تھا یا ملک افغانستان سے۔ لیکن اکثریت کی رائے ہے کہ وہ مؤخر الذکر ملک کا باشندہ تھا[۵]۔ اِدھر شہمیر راجہ کا زیادہ سے زیادہ قُرب حاصل کرنے کی کوشش میں تھا اور اِدھر لداخ کا مقامی راجہ بلتیوں کے ہاتھوں اقتدار کی جنگ میں مارا گیا اور اس کا لڑکا رینچن جان بچاتے ہوئے اپنے سینکڑوں

3.Jonaraja, 1986.The Rajtarangni of Jonaraja. tr. J.C. Dutta, Delhi, P.15.

۴ تاریخ حسن، ص ۱۴۳۔

۵ آر کے پارمو نے اپنی کتاب "ہسٹری آف مسلم رول ان کشمیر" میں شہمیر کو ایرانی نسل لکھا ہے۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق شہمیر پانڈو نسل سے تھا جبکہ موجز التواریخ اور "کشمیر سلاطین کے عہد میں" شہمیر کو نژاد ترک ٹھہرایا گیا ہے۔

وفادار سپاہیوں سمیت بحیثیت پناہ گزیں داخل کشمیر ہوا۶۔ سہدیو نے کشمیریت کی لاج رکھتے ہوئے اُس کو پرگنہ لار کے قلعہ میں پناہ دی اور فوری طور وظیفہ مقرر کیا۔

کچھ مدت کے بعد ایک آوارہ گرد منگول حملہ آور زلچو نے ساٹھ ہزار سے زائد ڈاکوؤں، قاتلوں اور لٹیروں کے ہمراہ شاہراہ ابریشم (موجودہ جہلم ویلی روڑ) سے کشمیر پر اتنا زوردار حملہ کیا کہ امن واستحکام درہم برہم ہو گیا۔ حملہ اس قدر شدید تھا کہ لوگ گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پورے کشمیر میں لوٹ مار کا بازار گرم ہوا۔ سہدیو (۱۳۰۱۔۱۳۱۹ء) نے زلچو کا مقابلہ کرنے کے بجائے اسکو رشوت دے کر قابو کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ پست ہمت ہوکر راجہ کشتواڑ کی طرف بھاگ گیا۔ ملک کے فوجی سربراہ رام چندر نے ہنگامی طور راج پاٹ خود سنبھالا اور فوری طور فوج اور عوام کو متحد کیا۔ جب زلچو کے خوف سے امراء وغیرہ بھاگ رہے تھے ۷ تو موقع کا فائدہ اُٹھا کر رینچن نے لوگوں پر ظلم ڈھانا شروع کیا۔ ہر چند رام چندر نے زلچو اور رینچن کو کشمیریوں کے قتل عام سے بہت حد تک روکے رکھا لیکن اس کے باوجود زلچو کا ظلم وجبر آٹھ مہینے تک جاری رہا۔ کافی دولت سمیٹنے اور ہزاروں کشمیری مرد و زن اور بچوں کو تُرکستان کے بازاروں میں بیچنے کے لئے قیدی بنا کر جب منگول ڈاکو لامر پہاڑ کی وادی جو پرگنہ دیوسر ضلع کولگام میں واقع ہے، سے گذر رہا تھا تو اچانک برفانی طوفان کے نیچے دب گیا۸۔ اس طرح ہزاروں کشمیری قیدیوں کی ہلاکت سے ملک ماتم کدہ میں تبدیل ہوا۔ زلچو کی

---

۶ فوق لکھتے ہیں کہ ''رینچن چچا کی مخالفت سے مغلوب اور آوارہ ہوکر کشمیر آ گیا۔ چونکہ رام چندر کے جدامجد مول چند کی حکومت عرصہ دراز تک ملک تبت پر تھی، سابقہ رابطہ اتحاد کے باعث رینچن رام چندر سے معاونت کا طلبگار رہا۔ کچھ عرصہ تک موضع گگنہ گیر میں رام چندر کے پاس بیٹھا رہا۔ آخر اس نے اُسے راجہ سہدیو کی خدمت میں پیش کیا، جس نے بکمال عالی حوصلگی خزانہ شاہی سے اس کے لئے معقول وظیفہ مقرر کر دیا اور کسی آئندہ موقعہ پر امداد دینے کا وعدہ کیا''۔ رینچن کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ وہ انسانوں کا بیوپاری تھا۔ اس کاروبار کی منڈی وسط ایشیاء تک پھیلی ہوئی تھی۔

۷ آثار وقرائن اور مختلف تواریخی شہادتوں کا تجزیاتی موازنہ کرنے کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ زلچو نے تقریباً ۱۳۱۹ء میں حملہ کیا ہوگا۔

8. Mohan Lal Koul, 1994, Kashmir past and Present, New Delhi, P.6

موت نے رینچن کے حوصلے بلند کئے اور وہ فوراً پرگنہ لار سے نکل کر ملحقہ علاقوں میں کھُل کر خوف ودہشت پھیلانے لگا۔ بقول جونراج:

"رینچن لوگوں پر اس طرح جھپٹ پڑا جس طرح چیل اُن پرندوں کے بچوں پر جھپٹ پڑتی ہے جو گھونسلے سے باہر پھینک دئے جاتے ہیں۔ اسی قدر تیزی کے ساتھ رینچن کی فوج نے کشمیر کی مظلوم اور بے سہارا قوم کو اپنی گرفت میں لے لیا" ۹

رام چندر نے رینچن کے اس رویہ کو احسان فراموشی اور وشواس گھات سے تعبیر کیا۔ ان کے مابین پہلے سے ہی موجود اختلافات میں اور شدت آگئی۔ رینچن جانتا تھا کہ رام چندر کا کھلم کھلا مقابلہ کرنے کی صلاحیت اس میں موجود نہیں ہے۔ اس نے حکمت عملی سے کام لیا اور شہمیر کو خفیہ طور ہم خیال بنا کر تخت کشمیر پر قابض ہونے کی سعی کی۔ ادھر رام چندر نے بہانہ بنا کر رینچن کو پرگنہ لار سے جلانے کا کوئلہ لانے کو کہا تا کہ اس کا اندرون جانچنے کا موقعہ مل سکے۔ رینچن کی نیت بدل گئی اور اس نے رام چندر کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ موقعہ غنیمت جان کر رینچن نے کوئلوں میں جنگی ہتھیار چھپا کر اندرکوٹ پہنچائے جہاں ان دنوں رام چندر ٹھہرا تھا ۱۰۔ رینچن نے کوئلوں کو ایک حجرہ میں مقفل کیا اور دربار میں حاضر ہوکر دادِ تحسین حاصل کی۔ رات کا کھانا رام چندر کے ساتھ کھایا۔ دیر تک گفت وشنید جاری رہی۔ رات کے دو ڈھائی پہر گذرے تھے کہ رینچن نے موقعہ پا کر بوریوں سے ہتھیار نکال دئے اور خواب غفلت میں رام چندر کا قتل کردیا۔ قلعہ میں آناً فاناً سراسیمگی اور افراتفری پھیل گئی۔ رینچن اور اس کے وفادار سپاہیوں کے سامنے جو بھی آیا، قتل ہوا۔ رام

9. The Rajtarangni of Jonaraja, 1986, tr. J.C. Dutt, Delhi, P. 15-20

۱۰۔ جونراج رقمطراز ہے کہ "لار قلعہ میں وہ ہر روز اپنے چند بھوٹہ ساتھیوں کو کپڑے بیچنے کے بہانے سے بھیجتا رہا اور اس طرح سے جب وہ لار میں داخل ہوئے تو رینچن نے ان ہتھیاروں کو رام چندر کا خون شہد کی طرح پلا دیا (ص ۱۷۔۱۹)۔ جونراج کے بقول رام چندر کے قتل کا واقعہ قلعہ لار میں پیش آیا جبکہ موجز التواریخ اور مکمل تاریخ کشمیر کے مطابق اندرکوٹ قلعہ میں یہ حادثہ وقوع پذیر ہوا۔ واقعات کشمیر (ص ۶۵۱) کے مطابق رینچن نے تبتیوں کی مدد سے رام چندر کا قتل کیا۔ ہر چند رینچن کی نیت ابتداء سے ہی ٹھیک نہیں تھی۔

چندر کے بیٹے کو معہ اہل و عیال قید کر دیا گیا۔ رینچن نے راتوں رات سرینگر کا رُخ کیا اور خود سلطان بن بیٹھا۔ شہمیر کو بھی سرینگر پہنچنے کی اطلاع دی گئی۔ رینچن نے شہمیر کو مختار کل بنا کر تمام معاملات سے نمٹنے کی ہدایت دی۔ اور خود مقتول کی بیٹی کوٹہ رانی کے ساتھ جبراً شادی کی۔ جبکہ اس کے بھائی راون چندر کو قید سے رہا کر کے لار اور تبت بطور جاگیر عطا کیا۔ اس طرح ملک کشمیر کی آزادی کا سورج رام چندر کے قتل کے ساتھ ہی غروب ہوا اور ملک عملاً غیروں کے ہاتھوں میں چلا گیا[11]۔ یہ خونین واقعہ سال ۱۳۲۰ء میں ۵ اور ۶ ر جون کی درمیانی رات کو پیش آیا۔ اس طرح ۶ ر جون تا دم تحریر کشمیر کی آزادی اور خود مختاری کی آخری رات تھی[12]۔ ابھی لوگوں کے دلوں سے نہ ہی منگول حملہ آور کی وحشت انگیزی ختم ہو چکی تھی اور نہ ہی ان کے دئے ہوئے گھاؤ۔ سوختہ بستیوں سے دھواں جاری تھا۔ لوگ گوناگوں مسائل اور مصائب سے دو چار تھے۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے کہ راجہ سہدیو کا ملک چھوڑ کر بھاگنا، رینچن کے ہاتھوں رام چندر کا خونِ ناحق اور راج پاٹ پر غیروں کا قبضہ، جیسے واقعات نے لوگوں کے دلوں میں خوف، دہشت و نفرت، بددلی، بدظنی اور عدم دلچسپی کو جنم دیا۔ جس کے باعث عام لوگ سیاسی معاملات سے لاتعلق ہو گئے یہاں تک کہ رینچن کے خلاف کوئی فیصلہ کن بغاوت بھی نہیں ہوئی۔ عوام کی سرد مہری کی ایک وجہ یہ تھی کہ سہدیو نے برہمنوں سمیت عام لوگوں پر نہ

---

[11] رام چندر کا قتل نہ صرف ایک راجہ اور سپہ سالار کا قتل تھا بلکہ کشمیر کی آزادی اور خود مختاری پر شبخون بھی۔ معلوم ہے کہ رینچن کو تقریباً چھ سال تک حکومت کشمیر نے پناہ دے رکھی تھی اور تمام سہولیات، مراعات اور آرام و آسائش فراہم کی تھیں۔ سہدیو اور رام چند نے رینچن کو بیٹے کی طرح پالا لیکن آخر وہ نمک حرامی کا ثبوت دے کر پورے کشمیری قوم کی نظروں میں احسان فراموش اور موقعہ پرست ثابت ہوا۔

[12] راقم نے ۶ ر جون کی تاریخ راج ترنگنی (جونراج) واقعات کشمیر، تاریخ حسن، مکمل تاریخ کشمیر، کنگڈم آف کشمیر، کشمیر سلاطین کے عہد میں، ''کشیر'' اور تاریخ کشمیر کے مطالعہ اور تجزیہ سے اخز کیا ہے۔ ان کتابوں میں رینچن کے تخت جلوس اور موت کے متعلق مختلف اوقات درج کئے گئے ہیں۔ البتہ جونراج کی تاریخ مذکورہ واقعہ کی تقریباً نزدیک ہونے کے لحاظ سے معتبر مانی جاتی ہے جس کے مطابق رینچن نے تین سال، ایک ماہ اور انیس دن حکومت کی ہے۔ اس حوالے سے واقعات کشمیر (۶۳۱-۶۷۵) کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

صرف بھاری ٹیکس عاید کرر کھے تھے بلکہ وہ برہمنوں سے جرمانہ بھی وصول کرتا تھا۱۳۔
لیکن اس سب کے باوجود ۶رجون کو بعض کشمیریوں جن میں نائیک، بھٹ، لون اور ڈانگر شامل ہیں، نے رینچن کے خلاف زبردست مذاحمت کی۔ حالانکہ رینچن نے رام چندر کا قتل کرنے سے پہلے ہی ان قبیلوں کے لوگوں خاص کر لون طبقے میں مخفی تدبیروں سے پھوٹ ڈال دی تھی۱۴۔ لیکن تمام تر تدابیر کے باوجود مقامی سرداروں نے اپنے علاقوں میں آزادی کا اعلان کیا۔ کچھ مدت کے بعد رینچن نے ان سرداروں کو آپس میں لڑا کر زیر کر دیا۔

رینچن پہلا حکمران تھا جو عبدالرحمٰن بلبل سے متاثر ہوکر مسلمان بنا اور اپنا نام صدرالدین رکھا۔ اس نے بلبل صاحب کے لئے عالی کدل کے مقام پر ویتھ کے دائیں کنارے ایک عالیشان خانقاہ اور عقیدت مندوں کی خاطر لنگر خانہ قائم کیا۔ جس کے اخراجات پرگنہ ناگام چاڑورہ کے چند دیہات سے پر کئے جاتے تھے جو مغل دور تک لنگر خانہ کے لئے وقف تھے۔

اب جبکہ کشمیریوں کے زخم بھرنے لگے اور معاشی حالات میں قدرے سُدھار آنے لگا تو لوگ پھر سے حکومت اور سیاسی معاملات میں دلچسپی لینے لگے جس کا مظاہرہ رینچن کی موت کے فوراً بعد دیکھنے کو ملتا ہے۔ جب عوام اور امراء نے اقتدار کی منتقلی کے وقت راج پاٹ کے بنیادی وارث کشمیری نژاد ادھیان دیو (برادر سہدیو) کا ساتھ دیا جس نے ۱۳۲۳ء سے ۱۳۳۸ء تک حکومت کی۔ ادھیاں دیو کے فوت ہونے کے بعد اگرچہ رام چندر کی بیٹی اور ادھیان دیو کی بیوی نے تخت سنبھالا لیکن وہ پچاس دنوں سے زیادہ حکومت نہ کر سکی۔ وجہ یہ تھی کہ شہمیر نے مخفی طور امراء اور وزراء کو ورغلا کر سرکار کے خلاف اُکسایا۔ چونکہ شہمیر گذشتہ ۱۴برسوں سے راج پاٹ کے ساتھ وابستہ تھا اور اِس کی ہر خوبی اور خامی سے واقف تھا اس لئے ایک مضبوط لابی بنانے میں کامیاب ہوا۱۵ کہ کوٹہ رانی کو اقتدار سے دور رکھا

---

13. The Rajtarangni of Jounraja, 1986 tr. J.C. Dutt, Delhi, P. 16.
۱۴۔ محمد اعظم دیدمری، ۲۰۰۱، واقعات کشمیر سرینگر، ص، ۶۹۸۔

جائے۔ اگرچہ موقع پرست لوگوں نے اُسے تعاون دینے کی کافی کوشش کی تاہم خودمختار کشمیر کے حامیوں، سہدیو اور رام چندر کے طرفداروں اور خصوصی طور لون ذات کے لوگوں نے علم بغاوت بلند کرکے پورے ملک میں شورش برپا کی۔ شہمیر نے دھوکہ بازی سے ۱۳۳۹ء میں حکومت پر قبضہ کرکے سب سے پہلے لون قبیلے کے لوگوں کو امور سلطنت سے بے دخل کردیا۔ ان کے بدلے ماگرے اور چک ذات کے لوگوں کو حکومت میں شامل کیا۔ اس طرح شہمیر بھی رینچن کی پالسی پر گامزن ہوا۔ وہ کشمیریوں میں پھوٹ ڈال کر حکومت کرنے لگا۔ البتہ رعایا کی بہبودی اور آسائش کے لئے بہت سے اقدام اُٹھائے اور مالیہ سرکار دسویں حصے کے بجائے پانچواں حصہ مقرر کردیا[۱۵]۔ شہمیر کے جانشین ۲۲۱ سال تک کشمیر پر قابض رہے[۱۶]۔ اس مدت کے دوران کشمیر میں بہت سی انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ مثلاً وسط ایشیاء سے مسلمانوں کی خاصی تعداد ہجرت کرکے وارد کشمیر ہوئی[۱۷]۔ یہاں کے لوگ شیومت اور بُدھ مت سے منحرف ہوگئے اور ملک کشمیر کی بیشتر آبادی اسلام کے دائرہ میں آگئی۔ اگرچہ شہمیری دور امن وسکون سے گذرا اور لوگوں کو بہت حد تک راحت نصیب ہوئی لیکن بعض مورخین سکندر شاہ کو تنگ نظر اور متعصب مسلمان حکمران قرار دیتے ہیں۔ اس کے دور میں ہندو مسلم تضاد انتہا درجہ تک پہنچ گیا اور ہندوؤں پر جزئیہ اور ان کے مردے جلانے پر ٹیکس عاید کیا گیا۔ زین العابدین بڈشاہ کے زمانہ میں حکومت اندرونی خلفشار کی وجہ سے کمزور

۱۵۔ محمد الدین فوق، ص ۳۱۴۔

۱۶۔ ۲۲۱ سالوں کے دوران سترہ بادشاہ گذرے جس میں شمس الدین شاہ، جمشید شاہ، علاوالدین شاہ، شہاب الدین شاہ، قطب الدین شاہ، سکندر شاہ، علی شاہ، زین العابدین شاہ، حیدر شاہ، حسن شاہ، محمد شاہ، فتح شاہ، ابراہیم شاہ، نازک شاہ، شمس الدین شاہ، اسماعیل شاہ اور حبیب شاہ شامل تھے۔ محمد شاہ پانچ بار کشمیر کا بادشاہ بنا جبکہ فتح شاہ کو تین بار حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اسی طرح ابراہیم شاہ، نازک شاہ اور اسماعیل شاہ دو دو بار بادشاہ بنے۔

۱۷۔ کئی تواریخوں میں درج ہے کہ تیمور کے ظلم وجبر کی وجہ سے وسط ایشیاء کے سات سو مسلمان میر سید علی ہمدانیؒ کی سربراہی میں کشمیر پہنچے۔ حکومت وقت نے ان سبھوں کی مالی معاونت کی۔ مسلمانوں کی اس جماعت میں کاریگر، عالم اور دانشور بھی شامل تھے۔ اسی زمانے میں سرکار نے دین اسلام کی اشاعت کے لئے مدرسے کھولے۔ اسی دور میں فارسی زبان وادب نے اپنا سفر بھی شروع کرکے عروج بھی پایا۔ یہ دور اقتصادی لحاظ سے ترقی پذیر تھا۔ کاغذ اور شیشہ گری کی صنعت، مہریں بنانا اور فن خطاطی جیسے بہت سے کارخانے دور بڈشاہی میں قائم ہوئے۔

ہونے لگی۔ یہاں تک کہ ۱۵۵۴ء میں خاندان شہمیر کی حکمرانی ہی ختم ہوگئی اور حکومت ایک بار پھر غیر کشمیریوں یعنی قبیلہ چکاں کے ہاتھ آگئی۔ یہ لوگ راجہ سہدیو کے زمانے میں بادشاہی چاکروں میں شامل ہوگئے تھے۔ بڈشاہ کے عہد تک نسل درنسل مردوزن چاکری اور خدمت گذاری پر معمور تھے۔ حیدر شاہ اور حسن شاہ کے بعد جب خاندان شہمیر روبزوال ہونے لگا تو چکوں کے ارادوں میں جہاں استحکام پیدا ہوا، وہی انہوں نے نظام حکومت میں مشیروں کا رتبہ پایا۔ حتیٰ کہ نازک شاہ کے زمانے میں چکوں نے شہمیری خاندان کے پوتوں اور پوتیوں کے ساتھ قریبی تعلقات پیدا کئے تھے یہاں تک کہ ازدواجی رشتوں میں بھی منسلک ہوگئے۔

چکوں کے دو قبیلے تھے۔ ایک قبیلہ لنگر چک کی سربراہی میں اپنے وطن دردستان سے نکل کر ۱۳۰۷ء میں راجہ سہدیو کی خدمت میں حاضر ہوا اور موضع ترہگام میں سکونت کا شرف حاصل کیا۔ دوسرا گروہ شمس چک کی سربراہی میں گلگت سے آیا اور کپوارہ میں زندگی بسر کرنے لگا۔ چکوں کے کشمیری نژاد ہونے پر مورخین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بہارستان شاہی کا مؤلف ان کو کشمیری گردانتا ہے۔ لیکن بیشتر مورخوں کا خیال ہے کہ یہ لوگ غیر ملکی تھے۔ واقعات کشمیر میں چک قبیلے کو خالص غیر کشمیری قرار دیا گیا ہے[۱۸]۔ اسی رائے پر حسن اور فوق بھی متفق ہیں۔ شہمیریوں اور چکوں کے درمیان گرچہ خوشگوار تعلقات بھی رہے لیکن اقتدار کی لالچ نے دشمنی میں کوئی کمی آنے نہیں دی۔ چکوں کے آپسی تعلقات بھی اچھے نہیں تھے۔ وہ اکثر ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ بدنظمی اور بدامنی عروج پر تھی۔ شہمیری خاندان کا آخری حکمران حبیب شاہ (۱۵۵۷۔۱۵۶۰ء) اپنے بھانجے کاجی چک کے ہاتھوں تختِ شاہی سے محروم ہوا۔ کاجی چک خاندان چکان کا پہلا بادشاہ کہلایا جس نے عوام کو راحت پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ کپوارہ اور ترہگامی چکوں کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی برسوں تک جاری رہی۔ دوسری طرف مقامی قوتیں بھی چکوں کو اپنی اپنی منشاء کے مطابق استعمال کرتے تھے۔ یہ

۱۸؎ محمد اعظم دیدمری، [illegible]، واقعات کشمیر، ص ۴۴۷۔

ستم ظریفی نہیں تو اور کیا کہ خود دیارِ غیر میں پناہ گزینوں کی حیثیت سے آنے والے چکان [19] اپنی چاپلوسی اور سازشوں کی بدولت کشمیر الانسل اور مقامی باشندوں کو پس پشت ڈال کر مُلکِ کشمیر کے حکمران بن بیٹھے اور بہ وقت ضرورت حکومت پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی خاطر مقامی باشندوں کے خلاف بدیشی امداد حاصل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ اس حوالے سے ایک کشمیری مصنف رقمطراز ہے:

> ''کشمیر میں صدیوں سے یہی اصول رہا ہے کہ جب لوگ آپس میں لڑتے لڑتے نڈھال ہو جاتے ....تو وہ پڑوسیوں سے مدد طلب کرتے رہتے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ آج کچھ لوگ بھارت کے وفادار ہیں اور کچھ پاکستان کے ''تابعدار'' اور ''کشمیر'' کا خیر خواہ دور دور تک خال خال ہی کوئی نظر آتا ہے'' [20]۔

کشمیری امراء اور ذی حس لوگ اپنی کھوئی ہوئی آزادی اور حکومت کی خاطر اپنے آخری حکمران رام چندر کی موت سے ہی برسر پیکار تھے۔ یہ امرا غیر کشمیریوں خاص کر رنچن اور شہمیر یوں کے خلاف نہ صرف نالاں تھے بلکہ ان کو اقتدار سے دور رکھنے کے

---

[19] چکوں کے دونوں دھڑے آپسمیں رشتہ دار تھے جو بعد میں ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ چکوں نے اقتدار کی رسہ کشی میں لوگوں کو مذہبی بنیادوں پر تقسیم کیا۔ عالمی تاریخ ایسے واقعات سے پُر ہے کہ خود غرض، موقعہ پرست اور ناعاقبت اندیش حکمران، سیاستدان، عالم اور خصوصاً مولوی حضرات مذہب کو حصول مقصد کے لئے ہمیشہ ہتھیار کے طور استعمال کرتے آئے ہیں۔ مذہب ایک مضبوط ہتھیار ہے جو کوئی بھی انسان کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بروئے کار لا سکتا ہے اور لوگ اُس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اس نقش وقدم پر قبیلہ چکان کے بیشتر حکمران چل پڑے تھے۔ جس میں خاص طور حسین چک کا نام قابلِ ذکر ہے۔ اُس نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کی خاطر مذہبی جنون اور فرقہ پرستی کے ایسے بیج بوئے جو شیعہ سنی فسادات کے موجد بنے۔ چکان شیعہ میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو باہر سے آئے اور یہاں سکونت اختیار کرنے کے بعد شیعہ بن گئے۔ دوسرے وہ جو نسلاً کشمیری تھے۔ اور چک دور میں ہی شیعہ فرقہ سے منسلک ہو گئے۔ ان میں بھٹ، میر، نائیک اور ڈار وغیرہ شامل ہیں۔

[20] غلام احمد میر، ۲۰۰۷ء، میں نے کشمیر جلتے دیکھا، ص ۳۳۔

لئے جدوجہد بھی کی۔ البتہ دورِ چکان میں غیر ملکیوں کے خلاف زبردست مزاحمتی تحریک چلی۔

اگرچہ چکانِ شیعہ اس مزاحمتی تحریک جس کو وہ افراتفری اور سازشی ماحول سے تعبیر کرتے تھے، کو جنم دینے کا مرتکب سُنی چکوں کو ٹھہراتے تھے اور سُنی چکوں کے نزدیک اس کی ذمہ داری چکانِ شیعہ، پر عاید کی جاتی تھی لیکن سچ تو یہ ہے کہ ملک کشمیر کو تباہ و برباد کرنے میں نہ صرف چکوں کے یہ دونوں گروہ مُلوث تھے بلکہ شہمیری خاندان کے لوگ بھی اس میں برابر کے شریک تھے۔ مورخین اس دور کے بارے میں لکھتے ہیں کہ چکان اور کشمیریوں کے درمیان مقامی اور غیر مقامی ہونے کا ماحول پایا جاتا تھا۔ مثلاً

"کاجی چک کی روز بروز بڑھتی ہوئی قوت سے کشمیری امراء کے حوصلے پست ہو گئے......"[۲۱]

اس جنگ و جدل اور فتنہ انگیز ماحول کے پانچ بڑے فریق تھے۔ ایک شہمیری خاندان کے وہ امراء جنہوں نے چکوں کی بے وفائی اور دوغلی پالیسی کے باعث اقتدار کھو دیا تھا۔ دوسرا فریق چکانِ شیعہ سے تعلق رکھتا تھا جس نے حکومت پر قبضہ جمانے کے لئے ہر طرح کی سازشیں رچائیں۔ تیسرا گروہ سنی چکوں پر مشتمل تھا جو اقتدار کی خاطر ہمیشہ کچھ بھی کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ چوتھا فریق اُن سیدوں کا تھا جو اپنا الوسیدھا کرنے کے لئے سبھی گروہوں کو آپسمیں لڑاتے تھے۔ یہ چاروں فریق بہر حال غیر ملکی تھے جو بوئے قومیت سے عاری تو تھے ہی لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اپنے وطن سے ہجرت کرنے کے بعد کشمیر کو اپنا مستقل مسکن بنانے کے باوصف کبھی بھی حب الوطنی کا مظاہرہ نہیں کیا ہے بلکہ اقتدار کی رسہ کشی میں ہمیشہ کشمیریوں کا استحصال کرتے آئے ہیں۔ اقتدار سے دور رکھنے کی خاطر ان غیر کشمیریوں نے دیش باسیوں کے خلاف کبھی مذہب کا سہارا لیا، کبھی فرقہ واریت کو ہتھیار بنایا اور کبھی فقہی تنازعات سے اپنا الوسیدھا کیا۔ جہاں تک پانچویں فریق کا تعلق ہے وہ کشمیر کا پُشتنی باشندہ تھا جو وطن عزیز کی کھوئی ہوئی

---

[۲۱] بہارستان شاہی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۰۹۔

آزادی اور خود مختاری کے لئے ان چاروں جماعتوں کے خلاف لڑ رہا تھا۔ کشمیریوں میں بھٹ، نائیک، ڈانگر، لون، ماگرے اور رینہ وغیرہ قبیلوں پر اکثر و بیشتر ظلم ستم جاری رہے۔ پکڑ دھکڑ اور فرضی مقدمات اور غلط الزامات سے ان لوگوں کو ہمیشہ تنگ کیا جارہا تھا۔ شاید اس لئے کہ یہ لوگ شہمیری اور چکان کو غاصب اور جابر تصور کرتے تھے۔ چک دور میں ملک کشمیر نہ صرف میدان جنگ بن چکا تھا بلکہ اقتدار کی لڑائی میں، سرکاری و غیر سرکاری املاک خاکستر ہوتی رہیں۔ اس خانہ جنگی میں سب سے زیادہ متاثر اگر چہ عام کشمیری ہو رہا تھا لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس فتنہ و فساد کا سب سے زیادہ فائدہ ہندوستان پر حکومت کرنے والے مغلوں کو ملا جن کے ہاتھوں حکومت چکان زوال پذیر ہوگئی[۲۲]

کشمیر پر مغلوں کا قبضہ

ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی مغل حکمرانوں میں خاص طور سے

---

۲۲ پیرس جیروس لاہور سے چھپنے والے ہفت روزہ ''نصرت'' کے کشمیر نمبر ۱۹۴۰ء کے صفحہ ۴۹ پر لکھتے ہیں کہ ''چک خاندان نے مُلک کو اتنا برباد کیا کہ یہ سو سال پیچھے چلا گیا''۔ اس خاندان کے غازی چک، حسین چک، علی چک، لوہر چک، یوسف چک اور یعقوب چک نے کشمیر پر حکومت کی ہے۔ دو برادران غازی چک اور حسین چک کے درمیان تخت شاہی کو حاصل کرنے کے لئے ۱۵۶۳ء میں لڑائی چھڑ گئی۔ معززین کی مداخلت سے طرفین میں صلح کرائی گئی۔ اول الذکر بدستور بادشاہ بنا رہا۔ اسکے بعد اُس کا بھائی علی شاہ تخت نشین ہوا۔ جس نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے اور کشمیریوں کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنی بھتیجی کو مغل دربار میں بھیج دیا۔ علی شاہ کی وفات کے بعد جب اُس کا بیٹا یوسف شاہ چک مُلک کی گدی سنبھالنے کی تیاری کر رہا تھا تو اُدھر علی شاہ کے بھائی ابدال چک نے حکومت پر قبضہ کرنے کیلئے حملہ کیا جہاں اُسے وزیر سید مُبارک خان بیہقی کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ یوسف شاہ چک تخت نشین ہوتے ہی امورِ مملکت میں لاپروائی برتنے لگا۔ جسکی وجہ سے دشمنوں نے سر اُٹھانا شروع کیا۔ ان حالات سے بد دل ہو کر ایک وزیر مبارک خان مستعفی ہوگیا۔ اسکی جگہ محمد بھٹ کو وزیر بنایا گیا۔ جس نے اراکین سلطنت کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے وہ باغی ہوگئے۔ اِدھر باغی ارکان مبارک خان سے مل گئے اور یوسف شاہ چک کو حکومت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ درین اثناء مُبارک خان کے خلاف کشمیری امراء نے فوراً بغاوت کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اقتدار حسین چک کے بھتیجے لوہر چک کے ہاتھ آ گیا۔ اس طرح یہ جھگڑا جاری رہا اور مغلوں کو مداخلت کرنے کا سنہری موقع مل گیا۔

شہنشاہ اکبر کی نظریں کشمیر پر لگی تھیں ۲۳۔ اکبر نے کشمیر میں جاسوسیت کا جال پھیلا دیا۔ مذہبی منافرت پھیلانے اور شیعہ سنی فسادات کو بھڑکانے ۲۴ کے لئے بہت سے آدمیوں کو خفیہ طور کشمیر روانہ کیا۔ جنہوں نے خاموشی سے یہاں کی ڈگمگاتی مذہبی رواداری کا شیرازہ مزید بکھیرنے میں کلیدی رول ادا کیا۔ کبھی ایلچیوں کو بھیجا گیا کہ مغلوں کی بالادستی قبول کی جائے۔ کبھی جنگی رعب وداب سے انہیں ڈرایا گیا اور بعضے مل بیٹھکر معاملات کو سلجھانے کا ڈھونگ رچایا گیا۔ لیکن کشمیری حکمران ایک دوسرے سے اتنا دور ہو چکے تھے جہاں سے صلح کی میز تک واپس آنا ناممکن تھا۔ کیونکہ شیعہ سنی لڑائی، شہمیری اور چکوں کے درمیان اقتدار کی جنگ، کشمیریوں اور غیر کشمیریوں کی آپسی چپقلش اپنے انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

اقتدار پرستی کی اس منحوس سیاست نے ملک کشمیر میں مغلوں کی مداخلت کے لئے بہت پہلے یعنی شہمیری دور کے آخری برسوں سے ہی راہ ہموار کرنا شروع کی تھی۔ چنانچہ مغلوں نے کشمیر پر متعدد حملے کئے۔ پہلا حملہ اس وقت ہوا جب شہمیری خاندان کے محمد شاہ نے ۱۵۲۴ء کو کشمیری امراء خاص کر علی ملک، لوہر ماگرے، ابدال ماگرے اور ریگی چک کی مدد سے کاجی چک کو وزرات سے برطرف کیا اور وہ نوشہرہ کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوا۔ موخرالذکر ابھی نوشہرہ پہنچنے ہی والے تھے کہ ان کا سامنا ظہیرالدین بابر کی لشکر سے ہوا جس کی سربراہی تو چک بیگ اور شیخ علی بیگ کر رہے تھے ۲۵۔ اس جنگ میں بابری فوج کو سخت ہزیمت اُٹھانا پڑی جس میں کئی مغل سردار کام آئے۔ کاجی چک کے اس بہادرانہ کارنامے کی اطلاع جب محمد شاہ کو ملی تو اسے کاجی چک کے ساتھ کئے گئے سلوک پر پشتاوا ہوا۔ اس نے فوراً اسے اپنی وزرات میں شامل کیا۔ کچھ ہی مدت کے بعد ان میں

---

23. Abu-l-Fazl, 1989, The Akbar Nama (tr. H. Beveridge), Vol. III, New Delhi, P. 817.

۲۴ حسین چک کے سفیر یعقوب میر کشمیری، مرزا مقیم اصفہانی اور سید حسینی جو تحائف وسوغات لیکر شہنشاہ اکبر کی خدمت میں گئے تھے، کو بادشاہ کے حکم سے اس لئے قتل کیا گیا تا کہ کشمیر میں مذہبی فسادات کی آڑ میں مداخلت کا موقعہ ملے۔

۲۵ ظہیرالدین بابر کو اس حملے کے لئے سلطان محمد شاہ کے بھتیجے سکندر شاہ نے آمادہ کیا تھا جو اپنے باپ فتح شاہ کو تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔

پھر ناچاکی پیدا ہوئی اور اس بار کاجی چک نے محمد شاہ کو برطرف کر دیا اور اس کے بیٹے ابراہیم شاہ کو برائے نام بادشاہ بنایا۔ یہ حرکت سنی عوام اور کشمیری امراء کو ناگوار گذری جنہوں نے ابدال ماگرے کی قیادت میں ظہیر الدین بابر کو کشمیر پر پھر سے فوج کشی کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ اس نے ۱۵۲۸ء میں شیخ علی بیگ اور محمد خان کی سربراہی میں اٹھائیس ہزار فوجیوں کو کشمیر میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ طرفین میں خونریز جنگ ہوئی جس میں مغل سپاہیوں کے ساتھ ساتھ کاجی چک کے نامور سپاہی سہہ چک، مسیح چک اور تازی چک بھی مارے گئے۔ ۱۵۳۱ء میں ہمایوں کے بھائی مرزا کامران نے محرم بیگ اور شیخ علی بیگ کی سربراہی میں تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ کشمیر پر ایک اور حملہ کیا۔ اس لڑائی میں ابدال ماگرے اور کاجی چک وغیرہ ایک ہو کر مغل افواج کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۵۳۲ء میں کاشغر کے سید خاندان نے اپنے بیٹے سکندر خان کو مرزا حیدر دوغلت کی سربراہی میں ۲۷ ر ہزار لشکر کے ساتھ کشمیر پر لداخ کے راستے سے حملہ کرایا۔ اس جنگ میں شیعہ سنی ایک ہو کر دشمن کو شکست دینے میں کامیاب ہوئے۔ کچھ مدت کے بعد ابدال ماگرے اور راورریگی چک نے مرزا حیدر دوغلت کو کشمیر پر پھر ایک بار حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اس بار کاجی چک بغیر مقابلے کے نوشہرہ بھاگ گیا اور مرزا نے بغیر کسی مزاحمت کے ملک کشمیر کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ ادھر شیر شاہ سوری نے کاجی چک کی استدعا پر دس ہزار فوجی روانہ کئے۔ طرفین میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ مرزا کی فوج کاجی پر بھاری پڑی اور وہ پونچھ کی طرف بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ یہ واقعہ ۱۵۴۱ء میں پیش آیا۔ مرزا نے کشمیر پر دس سال تک حکومت کی۔ اس دوران اس نے سنیوں کے کچھ امراء اور مولوی صاحبان اپنے ساتھ ملائے اور یہاں کے شیعہ فرقہ پر انتہائی مظالم ڈھائے[۲۶]۔

مرزا کے ساتھیوں عیدی رینہ، حاجی بانڈے اور حسین ماگرے نے بادشاہ کی سفاکیت اور بربریت کے خلاف آواز اُٹھائی اور اُس کو خانپور کے مقام پر شبخون کے

---

۲۶ تاریخ رشیدی، ص ۴۳۶۔

دوران ہلاک کیا۔ ۱۵۶۰ء میں جلال الدین اکبر کے حکم سے قرۂ بہادر (دوغلتی کا بھانجا) کی سربراہی میں بارہ ہزار فوجیوں نے کشمیر پر دھاوا بول دیا۔ لیکن شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ جس کی وجہ سے اکبر بہت افسردہ ہوا۔ اس نے اپنے جاسوسانہ نظام کو از سرِنو منظم کیا۔ سراغ رسانوں نے اکبر کو کشمیر کی صورت حال سے پوری طرح آگاہ کیا۔ موقع پاتے ہی اکبر نے ۱۵۸۶ء میں فیصلہ کُن حملے کا حکم دیا۔ حملے کی باگ ڈور سپاہ سالار محمد قاسم کے ہاتھوں میں تھی، جس کی راہنمائی شیخ یعقوب صرفی کرر ہے تھے۔ خونریز لڑائی کے بعد بالآخر مغل فوج ۱۶/اکتوبر کو سرینگر میں داخل ہوگئی ۲۷۔ اس کے ساتھ ہی شہمیریوں اور چکوں کی حکومت اپنے اختتام کو پہنچ گئی اور ملک ایک بار پھر غیروں کے ہاتھوں میں آگیا۔ اس طرح شہمیر سے لے کر چکوں تک اگر چہ کشمیر ایک خودمختار ملک رہا ہے۔ لیکن اس کے حکمران بہر حال غیر کشمیری تھے اور اگر ان شاہی خاندانوں کو صدیوں تک کشمیر میں آباد رہنے کی وجہ سے کشمیر الاصل قرار دیا جائے تو پھر یہ بات مغلوں، افغانوں، سکھوں اور ڈوگروں پر بھی صادق آتی ہے ۲۸۔ کشمیر پر قبضہ کرنے کے دوران جلال الدین اکبر کو زبردست جانی نقصان اُٹھانا پڑا۔ کشمیر پر قبضہ کرنا اُس کے لئے ''جوئے شیر'' لانے سے کم نہ تھا۔ جس دلیری اور بہادری سے کشمیریوں نے اس کا مقابلہ کیا ،اس کی مثال کئی اور مِلنا محال ہے۔ شاید اسی لئے انہوں نے کہا تھا کہ ''کشمیر بہشتت لیکن پُراز دوزخیاں'' ۲۹۔

کشمیریوں کی بدقسمتی دیکھیئے کہ مغل دور شروع ہوتے ہی اُن کی بہو، بیٹیوں کی خرید فروخت شروع ہوگئی۔ عنصر صابری مجالس المومنین کے صفحہ ۱۵ کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی کتاب تاریخ کشمیر......اسلامی دور میں، کے صفحہ ۳۰۶ پر رقمطراز ہے کہ

''مغلوں نے پورے کشمیر کو لونڈیوں کی تجارت کی منڈی میں تبدیل کردیا تھا۔ ہر مغل سردار خوبصورت کشمیری لڑکیوں کو بطور بیوی یاداشتہ منتخب

۲۷۔ اکبرنامہ، جلد سوم، ص ۵۰۶۔ ملک حیدر چاڈورہ، ص ۱۹۸۔
۲۸۔ غلام احمد میر، ۲۰۰۷، میں نے کشمیر کو جلتے دیکھا، ص ۳۷۔
۲۹۔ شیرازہ، جلد ۴۴، ص ۲۵۱۔

کرلیتا۔ پشاور سے لکھنو تک ان کی خرید وفروخت کے مراکز قائم کئے گئے تھے۔ ۱۵۸۷ء میں ایک کشمیری دوشیزہ کو دو سو روپے میں خریدا جاسکتا تھا"۔

مغل حکمرانوں نے کشمیریوں پر بھاری ٹیکس عاید کئے۔ بیگار اور جاگیردارانہ نظام کو بڑھاوا دیا۔ کسی قسم کا ہتھیار رکھنے پر پابندی عاید کی۔ کشمیریوں کیلئے فوجی نوکری ممنوع قرار دی۔ مذہبی منافرت پھیلانے اور تعصب کو ہوا دینے سے بھی وہ باز نہیں رہے۔ نصیر الدین شاہ کے گورنر دیندار خان کے دور میں کشمیری پنڈتوں کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش کی گئی ۳۰۔ غیر مسلموں کے مکانات جلانے کے احکامات صادر کئے گئے۔ ایک حکم نامہ کے ذریعہ پنڈتوں کے دستار باندھنے، گھوڑسواری کرنے اور ماتھا ٹیکنے پر پابندی عاید کی گئی ۳۱۔ مغلوں نے ۱۶۷ سال تک کشمیر پر حکومت کی۔ ان برسوں میں کشمیریوں نے مغل حکمرانوں کے خلاف کئی بار بغاوت کرنے کی کوشش کی۔ سب سے بڑی بغاوت ۱۶۱۸ء میں ہوئی جب احمد سلطان نامی ایک شخص نے گاؤں گاؤں جاکر لوگوں کو ملک کی آزادی اور عزت وناموس کے لئے اُٹھ کھڑا ہونے کی تحریک دی۔ احمد سلطان نے لوگوں کو مغل بادشاہوں کی عیاشیوں اور ظلم وجبر کی داستانیں سُنا کر جوش دلایا۔ چنانچہ ۱۶۱۹ء کے موسم بہار میں جب شہنشاہ جہانگیر نے مغل روڈ کے راستے کشمیر آنے کی خواہش ظاہر کی تو یہ اطلاع احمد سلطان تک پہنچ گئی۔ چنانچہ جب جہانگیر درہ پیر پنچال کے پاس پہنچے تو احمد سلطان چالیس ہزار کشمیریوں کے ہمراہ مقابلے کے لئے سامنے آکھڑا ہوا۔ موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے شہنشاہ جہانگیر نے لڑنے یا آگے بڑھنے کے بجائے لاہور واپس جانا مناسب سمجھا ۳۲۔ چنانچہ کشمیر کو آزاد کرنے کی یہ کوشش بھی بارآور ثابت نہیں ہوئی۔ لیکن تاریخ کشمیر میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اصلی کشمیریوں نے بیرونی حملہ آوروں کو کبھی بھی دل سے قبول نہیں کیا ہے۔ مختصر یہ کہ مغل

30.S.Anoop Singh Sodhi, 2007, Kashmir and the Sikhs- An insight, Srinagar, PP.22

31. Ibid, P.22

۳۲ شیرازہ، مغل اور کشمیر نمبر، ص ۹۹۔

حکمرانی کے آخری برسوں میں مغل سرداروں، صوبیداروں اور دیگر امراء نے کشمیر میں استحصال اور لوٹ کھسوٹ کو جاری رکھا۔ جسے آخری مغل گورنر اور کشمیری امراء کے درمیان موجود خلیج اور بڑھ گئی۔ جس کا فائدہ اُٹھا کر میر مُقیم کنٹھ اور خواجہ ظہیر الدین دیدمری نے کچھ آدمیوں کو احمد شاہ کے پاس بھیج کر کشمیر پر حملے کی دعوت دی۔ شوپیاں کے مقام پر پندرہ روز تک لڑائی جاری رہی۔ آخر کار مغل صوبیدار کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور کشمیر افغانوں کے ہاتھ آگیا۔ پہلا افغان گورنر عبداللہ خان عقسی مقرر ہوا جس نے کشمیریوں کے خون اور آنسوؤں پر سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اور اُن سے لاکھوں روپئے وصول کئے۔ صرف چھ مہینے کے دوران گورنر موصوف نے وحشیانہ طریقہ سے ایک کروڑ کی رقم کشمیریوں سے اینٹھ لی۔ جس کے باعث تمام ملکی اور غیر ملکی تاجر اور کاروباری لوگ کشمیر چھوڑ کر بھاگ گئے ۳۳۔ گورنر موصوف نے کشمیری آرٹ کے خزینے تک لوٹ لئے یہاں تک کہ مغل باغات پر بھی ہاتھ صاف کئے اور ان کی بارہ دریوں کو بیش قیمت احجاز سے محروم کیا۔ اسی طرح گورنر عظیم خان نے کشمیریوں سے تاوان، بیگار، نذرانہ اور ٹیکس کی صورت میں دو کروڑ روپیہ جمع کئے۔ اعداد وشمار کے مطابق کشمیر واحد صوبہ تھا جہاں سے افغانوں کو سب سے زیادہ آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ وہ کشمیر کے جاگیرداروں اور سرکاری عہدہ داروں سے ''زرِ نیاز''، تاجروں اور ساہوکاروں سے ''زرِ اشخاص''، کاشتکاروں سے ''زرِ جُب'' وصول کرتے تھے۔ جبکہ پنڈتوں پر ''زرِ دود'' اور شالبافوں پر ''داغ شال'' جیسے ٹیکس عاید تھے۔ گورنر حاجی کریم داد خان نے کئی ذی عزت ہندوؤں کو ایک گاؤ خانے میں بند کر دیا۔ خشک گوبر میں آگ لگائی گئی۔ کچھ لمحوں کے بعد ہی ہندو چیخنے لگے لیکن گورنر صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ایک مورخ رقمطراز ہے:

"The Haji refused to let them out of the cow-shed until they submitted and agreed to pay an annual levy of 50,000 rupees as smoke tax" ۳۴

---

33. G.M.D. Sofi, 1974, Kasheer, Srinagar, p.309.

34. Mohan Lal Koul, 1994, **Kashmir: Past and Present**, New Delhi, p. 43.

ورمُل اور مظفرآباد کے درمیان واقع زمین کو کاشت کرنے کے لئے لوگوں سے سالانہ چھ لاکھ روپیہ وصول کئے جاتے تھے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ جس قدر بھی ممکن ہو سکے، کشمیریوں کا خون نچوڑ کر نقد و جنس جائداد وصول کیا جائے۔ غیر مسلموں کو جزیہ ادا کرنے اور پنڈتوں کو داڑھیاں بڑھانے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔ ٹیکہ لگانے، دستار باندھنے اور جوتا پہننے پر پابندی عاید تھی۔ پنڈتوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر بوریوں میں بند کر کے جھیل ڈل میں پھینکنے کے واقعات آئے دن پیش آتے تھے۔ برہمنوں کو ڈبونے کے لئے چمڑے کی تھیلیوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ گورنر کریم داد خان پنڈتوں کو کمرے میں بند کر کے دھنوئیں سے ہلاک کرتے تھے ۳۵۔ پنڈتوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے بارے میں تاریخ میں درج ہے کہ:

> ''پٹھان فوجی کشمیریوں کی پیٹھ پر سواری کیا کرتے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ پٹھانوں کے تشدد کا خاص نشانہ کشمیری پنڈت اور شیعہ برادری کے لوگ ہوتے تھے۔ وہ اپنے پھیرن اور ملبوسات سلواتے وقت ان کے دونوں جانب بغلوں کے نیچے دو جیبیں سلواتے تھے تاکہ افغان سپاہی ان کی پیٹھ پر سواری کرتے وقت ان جیبوں کو ''رقاب'' کے طور استعمال کر سکیں'' ۳۶۔

شیعہ مسلمانوں کو بھی پانی میں ڈبو دیا جاتا تھا ۳۷۔ عورتوں کی عزت بالکل غیر محفوظ تھی۔ افغانوں سے بچنے کے لئے کشمیری لوگ اپنی بہو بیٹیوں کو یا تو ناک کاٹ دیتے تھے یا بال۔ بسا اوقات یہ دونوں طریقے استعمال میں لاکر عورتوں کی شکل و صورت بگاڑ دی جاتی تھی ۳۸۔ اگرچہ کشمیر کی خوبصورت عورتوں کی خرید و فروخت مغل دور سے پہلے بھی ہوتی تھی لیکن ۱۵۸۶ء کے بعد اس میں باقاعدگی آگئی جبکہ پٹھان دور میں اس کاروبار کی

---

35. G.M.D. Sofi, p.66.

۳۶۔ غلام احمد میر، ص ۱۴۱۔

37. Walter Lawrance, p. 279.

38. Ibid, p.279.

بدترین حد تک حوصلہ افزائی ہوئی۔ مختصر یہ کہ افغان حکومت کے ۶۷ برسوں کے دوران کشمیریوں پر اس قدر ظلم کئے گئے کہ گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے ۳۹۔

جب مظالم حد سے بڑھ گئے تو پنڈت رہنما بیر بل در نے افغانوں کو کشمیر سے بھگانے کے لئے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے نہ صرف فوجی مداخلت کی گذارش کی بلکہ تاوان جنگ ادا کرنے کی پیشکش بھی کی۔ مہاراجہ نے تیس ہزار افواج کی مدد سے ۱۵/ جون ۱۸۱۹ء میں کشمیر پر قبضہ کیا۔ فتح کشمیر کا جشن رنجیت سنگھ نے لاہور میں منایا اور تین دن تک چراغاں کیا۔ دربار لاہور نے دیوان موتی رام کو کشمیر کا پہلا گورنر مقرر کیا۔ حکومت سنبھالتے ہی اس نے اذان اور نماز پر پابندی عاید کی۔ جامع مسجد سرینگر پر تالا لگایا گیا پتھر مسجد کو گودام کے طور استعمال کرنے کے احکامات صادر کئے گئے ۴۰۔ بیشتر مساجد ''نزولات'' میں شامل کی گئیں۔ گاؤ کشی ممنوع قرار دی گئی۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کا پورا قبیلہ یا تو قتل کیا جاتا یا پھر قصوروار کی کھال اتاری جاتی۔ اس کے علاوہ مُجرم کا مکان یا تو گرایا جاتا یا اسے نیلام کیا جاتا۔ صاف کپڑے پہننے پر ٹیکس عاید ہوتا۔ اگر کوئی سکھ کسی ہندو کو قتل کر دیتا تو قاتل سے بیس روپیہ بطور جرمانہ وصول کئے جاتے تھے۔ جس میں چار روپیہ مقتول کے گھر والوں کو اور سولہ روپیہ سرکاری خزانہ میں جمع کئے جاتے تھے۔ مسلمان کسی سکھ کے ہاتھوں مارا جاتا تو مقتول کے وارثوں کو صرف دو روپے دیئے جاتے تھے ۴۱۔ سکھ دور میں زبردست قحط سالی ہوئی جسے وبائی بیماریاں پھوٹ پڑیں۔ لوگ ہجرت کے لئے مجبور ہو گئے۔ ہجرت کی وجہ سے جب کشمیر خالی ہونے لگا تو سکھ حکمرانوں نے اس کو روکنے کے لئے پاسپورٹ کا طریقہ رائج کیا۔

۱۸۳۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ فوت ہوئے۔ اس کے جانشینوں میں اقتدار کی کشمکش شروع ہوئی۔ رنجیت سنگھی فوج اور انگریزوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی جس میں سکھ فوج کو شکست ہوئی۔ چونکہ کشمیر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت کا حصہ تھا۔ اس

---

39. D.N. Dhar, p.68.

40. Mushtaqur Rahman, p.12.

41. Younghusband, p.161.

لئے انگریز کشمیر پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنانے لگے۔ شکست خوردہ سکھوں کو انگریزوں کی خدمت میں تاوان جنگ ادا کرنے کی سکت نہیں تھی اسلئے انگریزوں نے جنگی تاوان وصول کرنے کے لئے سکھوں کے زیر نگین ملک کشمیر کو جموں کے ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کو ۹ر مارچ ۱۸۴۶ء میں ۷۵ لاکھ روپیہ میں فروخت کر دیا۔ اگر چہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے آخری گورنر شیخ امام الدین نے امرتسر معاہدہ کو تسلیم کرنے کے بجائے جنگ کو ترجیح دی لیکن انگریزوں کی بھرپور فوجی امداد سے گلاب سنگھ کشمیر پر قابض ہو گیا۔ یہ کشمیریوں کی بدقسمتی تھی کہ ۱۸۴۶ء میں انگریز فوج پنجاب کی سرحدوں سے آگے دریائے جہلم تک نہ بڑھ سکی۔ اگر ایسا ہو گیا ہوتا تو وادی کشمیر کو فروخت کرنے کی نوبت ہی نہ آتی ۴۲۔

گلاب سنگھ نے حکومت سنبھالی تو کشمیر پر ظلم ستم کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اُس نے مسلمانوں کو محض تفریح کے لئے قتل کرنا شروع کیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ کشمیری مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانا چاہتا تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے ۱۸۵۰ء میں بنارس کے برہمنوں سے اس سلسلہ میں اجازت طلب کرنے کی کوشش بھی کی تھی مگر ناکام ہوا۔ اس دور میں مسلمان ملازمین نہ ہونے کے برابر تھے۔ ایک طرف وہ فرقہ پرستوں کے شکار تھے اور دوسری طرف ناخواندگی کے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار گلاب سنگھ قیدیوں کی مشقت سے تیار ہو رہے پُل کا معائنہ کرنے گئے جہاں راجہ کو ایک قیدی کی کاریگری پسند آئی۔ یہ سن کر قیدی اپنی رہائی کے خاطر راجہ کے پاؤں پڑا۔ یہ پوچھے جانے پر کہ کس جرم میں جیل کاٹ رہے ہو۔ تو جواب ملا کہ اُس نے ایک عورت کو زیورات پر ہاتھ صاف کرنے کی خاطر مار ڈالا ہے۔ گلاب سنگھ کو بہت غصہ آیا۔ اس نے قیدی کے جسم کو چار ٹکڑے کرائے اور لوگوں کی عبرت کے لئے اپنی سلطنت کے چاروں اطراف میں بھیج دیے ۴۳۔

گلاب سنگھی مظالم کی دل دہلانے والی ایک اور مثال یہ ہے کہ کسی جلاد کو قیدیوں کی کھال اُدھیڑنے کا کام سونپا گیا۔ ذرا سا تامُل کرنے پر راجہ نے اس کی زبردست سرزنش کی۔ اُس نے فوراً قیدیوں کی چمڑی اُتاری۔ یہ کھالیں بھوسہ سے بھر دی گئیں اور سڑک پر رکھی

42. Lord Birdwood, PP.27-28.

43. Josef Korbel, PP. 14-15.

گئیں تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔اس ظالمانہ ماحول کا نظارہ کرنے کے لئے راجہ نے اپنے بیٹے رنبیر سنگھ کو بُلا کر ذہن نشین کرایا کہ حکومت کیسے کی جاتی ہے۔ جب رنبیر سنگھ نے حکومت سنبھالی تو کشمیریوں پر حد سے زیادہ ٹیکس عاید کئے۔گھوڑا فروخت کرنے پر پچاس فیصدی ٹیکس لاگو کیا گیا۔ ملاحوں، لوہاروں، قصابوں، نانبائیوں اور طوائفوں پر بھاری ٹیکس عائد کئے گئے۔ٹیکسوں سے حاصل شدہ 95% آمدنی مہاراجہ کی عیاشی پر خرچ کی جاتی تھی۔عوامی کاموں کے لئے بہت کم رقومات واگذار کئے جاتے تھے۔اسی طرح کے مظالم پرتاپ سنگھ اور ہری سنگھ کی دور حکومت میں بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔(مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے کتاب ہٰذا کا باب ''کشمیر چھوڑ دو تحریک کے محرکات'')۔حاصل کلام یہ ہے کہ کشمیر کی طویل تاریخ میں تقریباً دس سو سال ایسے گذرے ہیں جن میں کشمیریوں پر ظلم و جبر کے بادل چھائے رہے۔ایک پاکستانی محقق کے بقول ساڑھے چار ہزار سال کی معلومہ تاریخ میں کشمیر 87% عرصہ میں آزاد اور 13% وقت میں غلام رہا ہے[۴۴]۔رینچن شاہ سے لیکر مہاراجہ ہری سنگھ تک کشمیر کے سبھی حکمران غیر کشمیر تھے[۴۵]۔ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ گذشتہ ساڑھے سات سو برس کے دوران کشمیریوں نے کسی نہ کسی طریقہ سے آزادی کی جنگ جاری رکھی ہے۔مگر یہ بھی سچ ہے کہ بعض کشمیری اِن غیر ملکی حکمرانوں کی غلامی میں مزے کی زندگی گذارتے رہے۔اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔



بہ اوُسس نہٕ ییٚتھے ، اوُسس وقتٕ اکہِ با اختیار
دِن گواہی میانہِ کنہِ یم پرأنی کنہِ دیوار میأنی
(غلام احمد مہجور)

---

۴۴ زاہد چودھری، ص ۱۱۵۔
۴۵ غلام احمد میر، ص ۳۷۔

ریڈنگ روم سے نیشنل کانفرنس تک

ڈوگرہ راج کے دوران ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف ۱۹۳۰ء میں چند اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں نے فتح کدل[۱] سرینگر میں ''ریڈنگ روم'' پارٹی کی بنیاد ڈالی۔ محمد رجب بھٹ صدر اور شیخ محمد عبداللہ سیکریٹری بنائے گئے۔ پارٹی کا چرچہ ہوتے ہی پنجاب کی مذہبی انجمنیں خاص کر جماعت احمدیہ کشمیر کی جدوجہد میں کافی دلچسپی لینے لگی۔ یہاں تک کہ وہ اخلاقی، سیاسی اور مالی امداد بھی کرتی رہی۔ اردو اور کشمیری زبانوں میں پمفلٹ شائع کئے۔ ''سن رائز'' اور ''الفضل'' اخبار میں مضامین لکھے[۲]۔ اسی طرح ''پان اسلامک'' تحریک کے ایک بڑے راہنما امام جامع مسجد کلکتہ آزاد سبحانی خفیہ طور سرینگر آگئے اور ریڈنگ روم پارٹی کو اپنی حمایت کا یقین دلایا[۳]۔ امام کی واپسی پر ڈوگرہ سرکار کو جب اس کا علم ہوا تو ریڈنگ روم پارٹی پر نگرانی شروع کردی گئی۔ پارٹی نے کشمیریوں پر ہو رہے مظالم کے خلاف اور بنیادی حقوق کی حصولیابی کے لئے عوامی تحریک کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں ۲۱ر جون ۱۹۳۱ء کو پارٹی کا ایک اہم جلسہ خانقاہ معلیٰ میں منعقد ہوا۔ جہاں اُن نمائندوں کا تعارف کرایا گیا جن کو ریڈنگ روم پارٹی نے بہ اتفاق رائے مطالبات لیکر مہاراجہ سے ملنے کے لئے چُنا تھا۔ جن میں غلام احمد عشائی، شیخ محمد عبداللہ، میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ، میر واعظ احمد اللہ ہمدانی، سید حسن شاہ جلالی اور سعدالدین شال شامل تھے۔ اس موقع پر شیخ محمد عبداللہ نے کشمیری پنڈتوں سے اپیل کی کہ وہ بھی قومی

۱۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مولوی بشیر احمد، مفتی جلال الدین، حکیم علی، پیرزادہ ماسٹر غلام رسول، حکیم مرتضیٰ وغیرہ شامل تھے۔ فتح کدل کے سید علی اکبر محلہ میں ایک ریڈنگ روم نیم خستہ حجرے میں قائم کیا گیا۔ اس کے ایک حصہ میں محمد سکندر نامی پوسٹ ماسٹر سکونت کرتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ریڈنگ روم کو زینہ کدل اور پھر فتح کدل کے مفتی جلال الدین کے مکان میں منتقل کیا گیا۔ جہاں کشمیر کے سیاسی، اقتصادی اور مذہبی مسائل اُبھارے جاتے تھے۔

2. G.H. Khan , 1980 , Freedom Movement in Kashmir, New Delhi , P-200.

۳۔ رشید تاثیر، ۱۹۶۸ء تاریخ حریت کشمیر، جلد اول، سرینگر، ص ۷۸۔

حقوق کی بحالی کے لئے مسلمانوں کا ساتھ دیں[۴]۔ جلسہ کے اختتام پر عبدالقدیر نامی ایک غیر ملکی شخص نے ڈرامائی انداز میں یہ کہکر لوگوں کے جذبات اُبھارے کہ مطالبات پیش کرنے سے نہ کوئی مسئلہ حل ہوسکتا ہے اور نہ ظلم و جبر کا خاتمہ ممکن ہے۔ بہتر ہے کہ لوگ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوکر ظلم کے خلاف صف آراء ہوں۔ اگر چہ مشین گن دستیاب نہیں ہیں، پتھر اور اینٹوں سے راج محل کو مسمار کیا جاسکتا ہے[۵]۔ اگلے روز عبدالقدیر گرفتار ہوئے اور ساتھ ہی اُس پر مقدمہ چلایا گیا۔ مقدمہ کی پہلی سماعت ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کو سنٹرل جیل سرینگر میں ہوئی۔ عدالتی کاروائی سُننے کے لئے عوام نے جیل پر دھاوا بولدیا۔ ہجوم کو منتشر کرنے کے تمام حربے ناکام ہونے پر پولیس نے گولی چلائی۔ جسے کئی لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔ جان بحق ہونے والوں کی تعداد میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق دس[۶] جبکہ بقیہ ماخذ مرنے والوں کی تعداد اکیس بتاتے ہیں[۷]۔ پورے شہر میں افراتفری پھیل گئی۔ ہندو مسلم فسادات کو بھی ہوا دینے کی کوشش کی گئی مگر شیخ محمد عبداللہ نے جگہ جگہ جاکر لوگوں سے تلقین کی کہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ ہر حال میں برادرانہ سلوک کریں۔ کیونکہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح غلامانہ زندگی بسر کررہے ہیں[۸]۔ لیکن چند فرقہ پرست عناصر نے سرینگر میں کئی جگہوں پر ہندوؤں کی دکانیں لوٹ لی اور اس طرح تحریک کشمیر کو آغاز میں ہی مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی گئی[۹]۔ غیر ملکی ہندو پریس نے اس جدوجہد کو ہندوؤں کے خلاف قرار دیا[۱۰]۔ جس سے پنجاب کے ہندو مُشتعل ہوئے۔ انہوں نے کشمیری مسلمانوں اور رہنماؤں کے خلاف جلسے منعقد کئے اور جلوس نکالے۔ وہ مندرجہ ذیل اشتعال انگیز نعرے لگا رہے تھے۔

---

۴ مولوی محمد شاہ سعادت، ۱۹۴۷ء، تاریخ کشمیر کی روزانہ ڈائیری ۱۸۸۵ء۔ ۱۹۴۷ء، سرینگر، ص ۲۰۰۔
۵ رشید تاثیر، ۱۹۶۸ء، تاریخ حریت کشمیر، جلد اول، سرینگر، ص ۹۶۔ غلام حسن خان، ص ۱۳۰۔
۶ ہفتہ وار آئینہ، سرینگر، ۳۰ر اکتوبر، ۱۹۷۱ء۔
۷ تاریخ کشمیر کی روزانہ ڈائیری، ص ۲۰۳۔
۸ مذکورہ، ص ۲۰۲۔
۹ مذکورہ، ص ۲۰۵۔
۱۰ ملک فضل حسین، ۱۹۸۰ء، کشمیر اور ڈوگرہ راج، سرینگر، ص ۳۰۔

"ایجی ٹیٹروں کو تباہ کردو۔ عبداللہ کو تباہ کردو۔ ارجن کی طرح دشمن کے کلیجے میں تیر مارو۔ بندہ بیراگی کی طرح دشمن سے انتقام لو۔ وغیرہ وغیرہ......"[۱۱]۔

کشمیری پنڈتوں کے خیال میں ان فسادات کے پیچھے وزیراعظم کشمیر مسٹر ویکفیلڈ کا ہاتھ تھا۔ جس سے مسلمانوں کا طرفدار مانا جاتا تھا[۱۲]۔ ۱۳ر جولائی کے خونین واقعات کے دو ڈھائی مہینے بعد پنجاب کی "مجلس احرار اسلام ہند" کے رضاکار کشمیری مسلمانوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کرنے کے لئے جوق در جوق کشمیر میں داخل ہونے لگے[۱۳]۔ مگر رجعت پسندی کے باعث ریڈنگ روم پارٹی کی متوقع حمایت سے محروم رہے۔ مجلس احرار نے شیخ محمد عبداللہ پر الزام لگایا کہ انہوں نے یہ سب احمدیوں کو خوش کرنے کے لئے کیا۔ یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ مجلس احرار اور احمدی پہلے ہی سے ایک دوسرے کے خلاف صف آراء تھے[۱۴]۔

۱۹۳۲ء میں ریڈنگ روم پارٹی نے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ شیخ محمد عبداللہ کو صدر، شیخ عبدالحمید کو نائب صدر اور چودھری غلام عباس خان کو جنرل سیکریٹری مقرر کیا گیا[۱۵]۔ موخر الذکر اور اللہ رکھا ساغر نے تنظیم کی جنرل کونسل کے لئے یہ کہہ کر جموں سے زیادہ ممبران شامل کرنے پر زور دیا کہ سیاسی طور جموں کے لوگ کشمیریوں کے مقابلے میں نہ صرف زیادہ بالغ نظر اور ہشیار ہیں بلکہ وہ دعویٰ کر رہے تھے کہ کشمیر میں بیداری کی لہر انہوں نے ہی پیدا کی۔ تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ اگر وہ یہ دعویٰ کرتے کہ کشمیر میں پان اسلامک ماحول کو انہوں نے متعارف کرایا تو زیادہ بہتر رہتا[۱۶]۔ مسلم کانفرنس میں حنفی، شافعی، مرزائی اور اہل حدیث مسلکوں کے ساتھ ساتھ قوم پرست

۱۱۔ مذکورہ، ص ۳۰۰۔

12. G.H. Khan , p-135

۱۳۔ جانباز مرزا، ۱۹۷۵ء، کاروان احرار، جلد اول، لاہور، ص ۱۵۹۔

14. G.H. Khan , PP, 205-210

۱۵۔ ظہور احمد، ۱۹۴۹ء، کشمیر کی کہانی، لاہور، ص ۲۲۳۔

16. The Indian Nation , Nov. 16, 1931, Patna

ذہنیت کے لوگ بھی شامل تھے۔میڈیا ایجوکیشن کشمیر یونیورسٹی کے فاروق احمد لون کے بقول وہابی، احمدی، دیوبندی، حنفی اور اہلحدیث فرقہ سے وابستہ لوگوں کے باعث مسلم کانفرنس میں پہلے ہی تفرقہ پڑھ چُکا تھا۱۷۔

نظریاتی کھچڑی کی یہ تنظیم چار ماہ کے اندر اندر رسہ کشی کی شکار ہوئی۔ اہلِ سنت و اہل حدیث کا جھگڑا پہلے سے زوروں پر تھا۔ مرزائیت تو فساد کی جڑ تھی۔ مولویوں کو ساتھ لے کے چلنا منتظمین کے لئے کچھ زیادہ ہی مشکل تھا۔ مولوی احمد اللہ ہمدانی اور مولوی محمد یوسف شاہ کے درمیان زبردست رقابت تھی۔ تنظیم کے کسی کاغذ پر دستخط کرتے وقت یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے دستخط کے نیچے اپنا دستخط کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔

ڈوگرہ سرکار بھی تنظیم میں پھوٹ ڈالنے کی بھرپور کوشش کررہی تھی۔ مہاراجہ ہری سنگھ پر حکومت برطانیہ کا دباؤ تھا کہ وہ کشمیریوں کے تئیں روا رکھی گئی ظالمانہ پالیسی سے اجتناب کرے۔ جس کا جواب مہاراجہ نے یہ دیا کہ مسلم کانفرنس کے لوگ عوام میں نہ صرف بے چینی پھیلاتے ہیں۔ بلکہ انہیں گمراہ بھی کر رہے ہیں۱۸۔

ہندوستان کے غیر مسلم اس جدوجہد کو پان اسلامک قرار دیتے رہے۔ اُن کے خیال میں اس جدوجہد کا منبع احمدیوں کی سرپرستی میں قائم کی گئی آل انڈیا کشمیری مُسلم کانفرنس تھی جسکے ایک جلسے میں ۱۹ نواب آف ڈھاکہ نے کہا تھا کہ کشمیری مسلمانوں کے لئے یہ شرم کی بات ہے کہ اکثریت میں ہونے کے باوجود اُن پر ہندو اقلیت حکومت کرے۲۰۔ اِس سے قبل کشمیر کے دیہی علاقوں میں قادیانیوں نے اپنے ورکر بھیجے۔ اُنہوں نے مسلمانوں کو پیسہ دے کر ورغلانا شروع کیا تھا۲۱۔ اسی طرح اس جدوجہد میں متعصب

---

17. Greater Kashmir , December 11, 2007

۱۸۔ طارق فیض پراچہ، ۲۰۰۵، کشمیر......ان کہی کہانی، مظفر آباد، ص ۲۷۰

۱۹۔ یہ جلسہ دسمبر ۱۹۳۰ء میں پارٹی کے صدر نواب آف ڈھاکہ کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔

20. The Indian Nation , Nov. 16, 1931, Patna

۲۱۔ ملک فضل حسین، ص ۲۶۸۔

ہندوؤں کو بالشویکوں کا ہاتھ بھی نظر آرہا تھا ۲۲۔ بعض انگریز سیاستدان اور پارلیمنٹ ممبران بھی اُن کے ہم خیال تھے ۲۳۔ ہندو فرقہ پرست ملک میں فرقہ وارانہ فسادات بھڑکانے میں مصروف تھے تاکہ مسلمانوں کی توجہ کشمیر سے ہٹ جائے ۲۴۔ اسی طرح بیشتر بیرونی اخبارات ہندوؤں کے جذبات بڑھکا کر مسلمانوں کے خلاف اُکسانے میں لگے ہوئے تھے چنانچہ ایک اخبار رقمطراز ہے:

"ہندوستان کے ہندو اگر اس ہندو ریاست کو بچانا چاہتے ہیں تو اُنہیں آرام طلبی کو چھوڑ کر جدوجہد کرنی ہوگی۔ ورنہ بعد میں جموں و کشمیر کے ہندوؤں کے لئے آنسوں بہانا بے سود ہوگا۔ وقت ہے جاگو، سنبھلو اور راکھشسوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہندو سلطنت کو بچاؤ" ۲۵۔

غرض مسلمانانِ کشمیر کے خلاف ہر سطح پر زبردست پروپیگنڈا شروع کیا گیا۔ فرقہ پرست ہندو اخباروں نے مسلم کانفرنس کی شبیہ کو مجروح کر دیا۔ جس کے ردِ عمل میں مسلم کانفرنس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی ۲۶۔ پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں کہ جب انہوں نے جولائی ۱۹۳۲ء میں شیخ محمد عبداللہ سے پہلی ملاقات کی تو انہوں نے (شیخ محمد عبداللہ) اٹل فیصلہ لیا تھا کہ کشمیر کی جدوجہد غیر مذہبی، ترقی پسندانہ اور جمہوری سطور پر چلائی جائے گی ۲۷۔

۱۹۳۳ء کی ابتداء میں مسلم کانفرنس کے راہنماؤں میں بھی اختلاف پیدا ہوا۔ مولوی محمد یوسف شاہ نے خانقاہ نقشبندیہ میں وعظ کے دوران شیخ محمد عبداللہ پر قادیانی ہونے کا

۲۲۔ مذکورہ، ص ۲۹۵۔

23. Ian Copland, 1981, **Islam and Political Mobilization in Kashmir**, 1931-34, "Pacific Affairs", Vl. 54, No.2, Summer, Australia, P-233

۲۴۔ ملک فضل حسین، ص ۳۰۔

۲۵۔ ملاپ، ۱۳/۱۰/اکتوبر ۱۹۳۱ - ملک فضل حسین، ص ۳۰۔

26. P.N. Bazaz, 1954, **The History of the Struggle for Freedom in Kashmir**, New Delhi, P.140

27. Ibid, P.164

الزام عاید کیا۔ جس پر نماز سے پہلے ہی ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ فریقین نے کانگڑیوں کا بھر پور استعمال کیا۔ سید محمود آزاد لکھتے ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ کی بے پناہ عوامی مقبولیت مولوی محمد یوسف شاہ کو برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اس لئے وہ مسلم کانفرنس سے الگ ہو گئے ۲۸۔ کہا جاتا ہے کہ دونوں راہنماؤں کے درمیان نفاق پیدا کرنے کا سہرا وزیر اعظم ہری کرشن کول کے سر ہے۔ جس نے میر واعظ کے دل میں یہ بدگمانی پیدا کی تھی کہ شیخ صاحب کے ہوتے ہوئے میر واعظ خاندان کی روایتی قیادت خطرے میں پڑ سکتی ہے ۲۹۔ اس تنازعہ نے اُس وقت شدت اختیار کی جب ۴/ اپریل ۱۹۳۳ء میں عید الفطر کے موقع پر مولوی احمد اللہ ہمدانی جو شیخ صاحب کے طرفدار تھے اور مولوی محمد یوسف شاہ کے حامیوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ڈنڈوں اور کانگڑیوں کا خوب استعمال ہوا۔ درجنوں لوگ زخمی ہو گئے۔ یہیں سے شیر بکرا فتنہ پیدا ہوا۔ اسکے ساتھ ہی مولوی محمد یوسف شاہ نے ایک علٰحدہ تنظیم ''آزاد مسلم کانفرنس'' کی بنیاد بھی ڈالی ۳۰۔

۱۹۳۴ء میں شیخ محمد عبداللہ نے پنجاب کا دورہ کیا جہاں اُن دنوں ہندو مسلم فسادات ہو رہے تھے۔ اُنہوں نے ان فسادات کی ذمہ داری پنجاب کے فرقہ پرست ہندو لیڈروں پر عاید کرتے ہوئے یہ بات صاف کر دی کہ اُنہیں کشمیر کے داخلی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لاہور میں ایک پریس کانفرنس کے دوران شیخ صاحب نے کہا تھا کہ کشمیر جا کر وہ ایک نئی تنظیم تشکیل دینے کی کوشش کرینگے جو بلالحاظ مذہب وملت، رنگ و نسل کام کرے گی ۳۱۔ دراصل شیخ صاحب کو ان کے کئی احباب جن میں مجلس احرار پنجاب کے مولانا مظہر علی اظہر، سید عطاء اللہ شاہ اور اخبار زمیندار کے مالک و مدیر مولانا ظفر علی خان شامل تھے، نے مشورہ دیا تھا کہ ریاست کے ہندوؤں اور سکھوں کو ساتھ لے کر ''ذمہ دارانہ نظام حکومت'' کیلئے تحریک چلائیے ۳۲۔ مئی ۱۹۳۵ء

۲۸۔ سید محمد آزاد، ۱۹۷۰ء، تاریخ کشمیر...... زمانہ قدیم سے ۱۹۴۷ء تک، راولپنڈی، ص ۶۹۹۔
۲۹۔ مذکورہ، ص ۶۴۸۔
۳۰۔ رشید تاثیر، جلد اول، ص ۲۹۱۔
۳۱۔ سید محمود آزاد، ص ۲۷۶۔
۳۲۔ طارق فیض پراچہ، ص ۲۷۱۔

میں فرقہ پرستی کا مقابلہ کرنے کے لئے شیخ صاحب نے شیتل ناتھ مندر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک مشترکہ جلسہ بُلایا تا کہ ہندو مسلم اتحاد کی راہ ہموار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عناصر بھی خاموش ہو جائیں جو کشمیریوں کی نا اتفاقی سے فائدہ اُٹھا رہے تھے۳۳۔ اس جلسے میں جیالال کلم اور کشپ بندھو نے بھی تقریریں کیں۔ ۳ راگست ۱۹۳۵ء کو حضوری باغ سرینگر میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے ''ہمدرد'' اخبار کا اجراء کیا۔ اس موقع پر شیخ محمد عبداللہ، جیالال کلم اور کنیا سنگھ وغیرہ نے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۳۴۔ اخبار ''ہمدرد'' نے 'ذمہ دارانہ نظام حکومت' نمبر نکال کر تحریک میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اخبار کے ہر صفحہ پر ایک اژدہا کی تصویر بنی تھی۔ جس کا سر مہاراجہ ہری سنگھ سے مشابہ تھا جو مظلوم عوام کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے تھا۳۵۔ ۲۴ رجون ۱۹۳۸ء کو شیخ محمد عبداللہ نے آرم پورہ نوا کدل میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے نہ صرف ذمہ دارانہ نظام حکومت پر زور دیا بلکہ یہ اعلان بھی کیا کہ نیشنل ازم کے سوا مُلک کی خدمت نہیں ہو سکتی ہے۳۶۔

۵ راگست ۱۹۳۸ء کا دن تاریخ کشمیر میں زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ جب پہلی مرتبہ سرینگر میں ہندو، مسلم اور سکھ ایک ساتھ جمع ہوئے اور ''ذمہ دارانہ نظام حکومت'' کے قیام کے لئے ایک تاریخی جلوس نکالا۔ اس طرح حُب الوطنی، قوم پرستی اور اتحاد کا ایسا مظاہرہ کیا گیا جو اُس کے بعد دیکھنا کبھی نصیب نہ ہوا۳۷۔ اس عظیم الشان جلوس نے جہاں ایک طرف ڈوگرہ سرکار کے ہوش اڑا دئے وہیں ہندو فرقہ پرست بھی بھوکھلا گئے۔ اس حوالہ سے غیر مسلم کشمیریوں نے دانشمندی کا ثبوت دیکر اپنی رائے کا اظہار یوں کیا کہ:

> ''سیاست میں مذہب کی بناء پر برہمنوں کا جدا جدا رہنا انتہائی بیوقوفی اور غیر دانشمندانہ فعل ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سب بلا تمیز مذہب وملت اور بلا

۳۳۔ تاریخ کشمیر کی روزانہ ڈائیری، ص ۷۸۰۔
۳۴۔ مذکورہ، ص ۷۸۲۔
۳۵۔ طارق فیض پراچہ، ص ۱۷۲۔
۳۶۔ تاریخ کشمیر کی روزانہ ڈائیری، ص ۸۰۶۔
۳۷۔ رشید تاثیر، جلد اول، ص ۳۶۸.

تفریق رنگ وخون زنجیر غلامی کوٹکڑے کرنے کے لئے مل کر زور لگائیں" ۳۸۔

اس شاندار جلوس اور فرقہ وارانہ بھائی چارے کو دیکھ کر سرکار نے گرفتاریوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا۔ شیخ محمد عبداللہ، چودھری غلام عباس خان، بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مولانا محمد سید مسعودی، سردار بدھ سنگھ، پنڈت جیالال کلم، پنڈت پریم ناتھ بزاز، آنند صراف، دُرگاہ پرشاد در، کاشی ناتھ کارِہلو اور شیام لال صراف وغیرہ سب گرفتار کئے گئے۔ ساٹھ غیر مسلموں سمیت کل ایک ہزار افراد گرفتار ہوئے ۳۹۔ چھ مہینے کے بعد جب ان قیدیوں کی رہائی عمل میں آئی تو ہندو مسلم اتحاد کے پیش نظر مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ چنانچہ ۱۰؍جون ۱۹۳۹ء کو آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے ایک خصوصی اجلاس میں ۳ کے مقابلے میں ۱۷۵ ووٹوں کی بھاری اکثریت سے تنظیم کا نام آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس رکھا گیا ۴۰۔

فکر وخیال اور اشتراکی سوچ کا یہ نیا پلیٹ فارم کئی شخصیات خاص کر پریم ناتھ بزاز اور چودھری، غلام عباس پر گراں گذرا۔ بزاز نے شیخ محمد عبداللہ پر فرقہ پرستی اور تنگ نظری کا الزام لگایا اور تنظیم سے الگ ہوگئے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ۲۴؍اپریل ۱۹۴۰ء کو عید میلادالنبیؐ کے موقع پر شیخ صاحب نے اسلام کو بمثل سورج قرار دیا تھا اور بقیہ تمام مذاہب کو ستاروں کی مانند ۴۱۔ جس سے پریم ناتھ بزاز نے یہ اخذ کیا کہ سورج طلوع ہوتے ہی ستارے غائب ہوجاتے ہیں۔ اور ان کی کوئی افادیت نہیں رہتی۔ انہوں نے شیخ محمد عبداللہ سے اس کی وضاحت چاہی تو موخرالذکر نے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ جو کچھ کہا گیا تھا، صحیح کہا گیا تھا اور وہ اس بات کو بار بار کہیں گے۔ کیوں کہ وہ ہر معاملے میں اول و آخر مسلمان ہیں۔ چودھری غلام عباس خان کا الزام تھا کہ شیخ محمد عبداللہ دل سے کبھی سیکولر یا قوم پرست تھے ہی نہیں ۴۲۔

۳۸۔ مذکورہ، ص ۳۲۹۔

39. M.Y. Saraf, Vol. 1, p-527.
40. G.H. Khan , PP-385-386.
41.P.N. Bazaz, 1954, The History of Struggle for Freedom in Kashmir, New Delhi, P-180.

۴۲۔ چودھری غلام عباس، ۲۰۰۱ء، کشمکش، سرینگر، ص ۱۹۱۔۲۱۹۔

بلکہ کانگریس کو خوش کرنے کے لئے انہوں نے قوم پرستی کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ آخر شیخ محمد عبداللہ کس طرح کے انسان تھے۔ اس کا جواب ایک پاکستانی مورخ مرزا شفیق حسین اِن الفاظ میں دیتے ہیں:

"شیخ محمد عبداللہ ایک سچے مسلمان کی طرح میدان سیاست میں رہنا چاہتے تھے۔ ان پر فرقہ پرستی یا تنگ نظری کا الزام محض جھوٹ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ صاحب کی پرورش ایک ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں مذہبی روایات کی بڑی پاسداری کی جاتی تھی اور اس کا اثر ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر ہمیشہ حاوی رہا"[۴۳]۔

شیخ صاحب بخوبی آگاہ تھے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکسان مظالم کا سامنا ہے۔ لہٰذا سوال ہندو اور مسلمان کا نہیں بلکہ ظالم اور مظلوم کا تھا۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے:

"کشمیر کے ہندوؤ، سکھو اور مسلمانو! اگر تمہیں ظلم کے خلاف لڑنا ہے تو آؤ اور میرے قافلے میں شامل ہو جاؤ"[۴۴]۔

شیخ محمد عبداللہ ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔ وہ ریاست جموں و کشمیر کے تمام باشندوں کو ایک قوم تصور کرتے تھے اور بلاتفریق اُن کے مصائب کا یکسان طور پر ازالہ چاہتے تھے۔ وہ سیکولرازم کو لادینیت نہیں بلکہ اسلامی رواداری سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں حقیقی سیکولرازم اقلیت اور اکثریت کے حقوق کی نگہداشت کا نام ہے اور فخر سے کہتے تھے کہ ریاست کی اکثریت نے کبھی بھی فرقہ پرستی کی آڑ میں اقلیت کے حقوق کو پامال کرنے کی کوشش نہیں کی ہے[۴۵]۔



---

۴۳ مرزا شفیق حسین، ۱۹۹۱ء، کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد ۱۹۳۱۔۱۹۳۹ء، سرینگر، ص ۳۴۔
۴۴ "شبستان" ۱۹۶۸ء، شیخ عبداللہ، دوست یا دشمن (تاریخی انٹرویو)، نئی دہلی، ص ۶۵۔
۴۵ کلیم اختر، ۱۹۶۳ء، شیر کشمیر، شیخ محمد عبداللہ، تاریخ حریت کشمیر کے آئینے میں، لاہور، ص ۲۹۲۔

شیخ محمد عبداللہ اور محمد علی جناح کے تعلقات

محمد علی جناح ۱۹۳۶ء میں جب پہلی بار بحیثیتِ سیاح کشمیر آئے تھے تو مسلم کانفرنس نے انہیں عید میلاد النبیؐ کے جلسہ میں ایک نشست کی صدارت پیش کی۔ تقریر کے دوران جناح صاحب نے کہا کہ ''ریاست میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت کی وجہ سے مسلمان لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف غیر مسلموں کی تالیف قلوب کریں بلکہ اُن کو سیاسی گاڑی کا ایک پہیہ سمجھ کر اپنے ساتھ چلائیں''[۱]۔

اس تقریر میں جناح صاحب کی تجویز کہ کشمیری ہندو اور مسلمان ایک ہو کر چلیں، نہ صرف حوصلہ افزا تھی بلکہ اُس خطاب کی صحیح ترجمانی بھی جسمیں بلبل ہند سروجنی نائیڈو نے انہیں ''ہندو مسلم اتحاد کی علامت'' قرار دیا تھا[۲]۔

اگر چہ جناح صاحب کے یہ الفاظ عام لوگوں کے نقطۂ نظر سے خاص اہمیت کے حامل نہیں تھے۔ لیکن یہ تقریر سُن کر شیخ محمد عبداللہ انتہائی خوش ہوئے۔ شاید اس لئے کہ وہ ابتدا سے ہی سیکولر خیالات کے حامی تھے جس کی عکاسی جناح صاحب کی تقریر سے بخوبی ہوتی ہے۔

> "My highest desire is that the peoples of this country should fight for the libration of their motherland without distinction of caste, creed or community. Let Hindus and Muslims , by shedding their tears and misunderstanding of eachother , launch such a movement"[۳]

جناح کے اس بیان سے شیر کشمیر کے ارادے اور مضبوط ہو گئے۔ ایسے ہی خیالات

---

۱ رشید تاثیر، جلد۔ اول، ص ۳۷۴۔

۲ کانجی دوآرکاداس، ۱۹۷۰ء، محمد علی جناح، دلی، ص ۱۳۰۔

3. The Tribune, 5 F b. 1934, Lahore.

کا اظہار پنڈت جواہر لال نہرو نے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ۱۹۳۷ء میں اپنی پہلی ملاقات کے دوران کیا تھا ۴۔ ۱۹۳۹ء میں شیخ صاحب نے ریاست جموں و کشمیر کی یگانیت، ہندو مسلم اتحاد اور کشمیری تشخص کی بازیافت کے لئے ڈوگرہ راج کے خلاف جدوجہد میں سُرعت لانے کی غرض سے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدل دیا۔ ملک اور بیرون ملک میں جہاں اس فیصلے کی بڑے پیمانے پر سراہنا کی گئی۔ وہیں یہ فیصلہ بعض لوگوں اور تنظیموں خاص کر مسلم لیگ کو ناگوار گذرا۔ جنہوں نے نیشنل کانفرنس اور شیخ محمد عبداللہ کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ جس کے ردعمل میں ایک پاکستانی سکالر یوں رقمطراز ہیں:

"Shaikh Abdullah's move was not as 'secularist' and 'anti-Muslim' as jinnah and the Muslim league made it out to be" 5

مسلم لیگ کے رہنما ہمیشہ اس کوشش میں رہے کہ کسی نہ کسی طرح نیشنل کانفرنس کی پوزیشن غیر مُستحکم ہوجائے۔ یہ کوشش اُس وقت رنگ لائی جب ۱۹۴۱ء میں چودھری غلام عباس خان ۶ نیشنل کانفرنس سے الگ ہوگئے اور آل انڈیا مُسلم لیگ کی حمایت سے مسلم کانفرنس دوبارہ تشکیل دی۔ جسکی حمایت میں مولوی محمد یوسف شاہ پیش پیش رہے۔ اس تنظیم کا کچھ اثر کشمیر کے مقابلے میں جموں، پونچھ اور میرپور میں دیکھنے کو ملا۔

یہ بات صاف ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کے خیالات اشترا کی نوعیت کے تھے اور اُن کی سوچ کانگریسی سوچ سے مطابقت رکھتی تھی۔ جبکہ چودھری صاحب اور میرواعظ مسلم لیگی خیالات کے پیرو کر بن گئے تھے۔ درایں اثناء برصغیر کے حالات میں تیزی سے بدلاؤ آرہا تھا اور کشمیر کی ہر چھوٹی بڑی سیاسی پارٹی ایک دوسرے پر سبقت لینے کی کوشش میں لگی تھیں۔ ہر جماعت کا ایجنڈا جُدا تھا۔ اتحاد و اتفاق کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی تھی۔ شیخ

---

۴ شیخ محمد عبداللہ، ۱۹۸۶ء، آتش چنار، سرینگر، ص ۲۲۸۔

5. Kalim Siddiqi, 1972, Conflict, Crisis and War in Pakistan, London, p-113.

۶ چودھری غلام عباس جالندھر میں پیدا ہوئے۔ وہ ریاست کے پُشتی باشندہ نہیں تھے۔ پنجابی اس کی مادری زبان تھی۔ محمد علی جناح نے شیخ محمد عبداللہ کی اہمیت کم کرنے کے لئے عباس کو کشمیری سیکھنے کی تلقین کی۔ تاہم نہ وہ شیخ صاحب کا متبادل بن سکا اور نہ ہی اُس نے کشمیری سیکھی (Schefied,p.23).

محمد عبداللہ نے اس تشویش ناک صورتحال کا گہرائی سے جائزہ لیا۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اتحاد و اتفاق قائم کرانے میں محمد علی جناح اہم کردار ادا کر سکتے ہیں ۷۔ اس مقصد سے اُنہوں نے اپریل ۱۹۴۴ء میں مولانا محمد سعید مسعودی کے ذریعہ محمد علی جناح کے نام ایک خیر سگالی مکتوب روانہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اتحاد کی تلاش میں چودھری غلام عباس بھی جناح صاحب سے ملنے دہلی گئے ۸۔ کچھ دنوں کے بعد محمد علی جناح نے شیخ محمد عبداللہ کو دہلی آنے کی دعوت دی۔ شیخ صاحب بخشی غلام محمد کو ساتھ لیکر دہلی روانہ ہوئے۔ ان دنوں محمد علی جناح اورنگ زیب روڑ پر رہتے تھے۔ جہاں ان رہنماؤں کے درمیان دو گھنٹے تک بات چیت چلتی رہی۔ بحث کے دوراں شیخ محمد عبداللہ نے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں مدغم کرنے کی وکالت کی جبکہ جناح صاحب نے نیشنل کانفرنس کی دکان بند کرانے پر زور دیا۔ مؤخرالذکر کا ایسا مشورہ شاید اس لئے سامنے آگیا کہ نیشنل کانفرنس نہ صرف اشتراکی نظریہ کی قائل تھی بلکہ اُن کے خیالات کانگریسی قوم پرستوں کے ہوبہو تھے۔ یہاں یہ بتاتے چلنا ضروری ہے کہ کانگریس کی دورُخی پالیسی نے ہی جناح صاحب کو اپنا راستہ بدلنے اور دوقومی نظریہ اپنانے پر مجبور کیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کانگریسی زعماء پر بھروسہ کرنا احمقوں کی دنیا میں رہنے کے مترادف ہے۔ اس تجربہ کی بنا پر محمد علی جناح نے شیخ عبداللہ کو ہندو ذہنیت سے دور رہنے کی یوں صلاح دی:

> ''میں آپ کے باپ کے مانند ہوں۔ اور میں نے سیاست میں اپنے بال سفید کئے ہیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ ہندو پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ کبھی آپ کے دوست نہیں بن سکتے۔ میں نے زندگی بھر اُن کو اپنانے کی کوشش کی۔ لیکن مجھے اُن کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ وقت آئے گا جب آپ کو میری بات یاد آئے گی اور آپ افسوس کریں گے'' ۹۔

7.Satish Vashishth, 1968, Sheikh Abdullah Then and Now, New Delhi, P.33.

۸۔ بشیر احمد قریشی، ۱۹۸۵ء، قائد کشمیر، راولاکوٹ، ص ۳۶۔
۹۔ شیخ محمد عبداللہ، ۱۹۸۶ء، آتش چنار، سرینگر، ص ۳۰۹۔۳۱۰۔

اس سب کے باوجود دونوں قائدین کے درمیان کوئی فوری اتفاق نہ ہوسکا۔ بڑی مشکل سے طے ہوا کہ چودھری غلام عباس کی معاونت سے مُسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کے ممبران کی ایک فہرست ترتیب دی جائے جو جناح صاحب کی نگرانی میں فیصلہ کرے گی کہ کشمیر کے لوگ اپنی تحریک مذہبی بنیادوں پر چلانا چاہتے ہیں یا قوم پرستی کے سہارے۔ اس پسِ منظر میں مئی ۱۹۴۴ء میں محمد علی جناح نے نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کی دعوت پر کشمیر کا دورہ کیا۔ ۱۰ رمئی کو جناح صاحب جموں سے سرینگر پہنچے۔ پرتاپ پارک میں نیشنل کانفرنس نے اُن کا شاہانہ اور فقید المثال استقبال کیا۔ جناح صاحب لوگوں سے یوں مخاطب ہوئے:

"آپ نے جس طرح میرا استقبال کیا ہے۔ اس پر کسی بادشاہ کو بھی فخر ہوسکتا ہے۔ یہ استقبال میری ذات کا نہیں بلکہ بحثیت صدر آل انڈیا مسلم لیگ برِاعظم ہند کے دس کروڑ مسلمانوں کا کیا گیا ہے" ۱۰۔

یہ تقریر مسلم لیگی اصولوں کی ہو بہو ترجمانی تھی۔ ادھر نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے کارکنان آس لگائے بیٹھے تھے کہ جناح صاحب وعدہ کے مطابق دونوں تنظیموں کا مشترکہ اجلاس بُلا کر فیصلہ لینے میں کامیاب ہوجائیں گے، آیا کشمیری لوگوں کی ترجمانی نیشنل کانفرنس کرے گی یا مسلم کانفرنس۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ تاہم محمد علی جناح درجنوں وفود سے ملے اور اُن کے خیالات جاننے کی کوشش کی۔ اگرچہ نیشنل کانفرنس کے زعماء نے "دہلی ملاقات" کی طرف کئی بار جناح صاحب کی توجہ مبذول کرائی لیکن بات ہمیشہ احسن طریقہ سے ٹال دی گئی۔ چودھری غلام عباس نے حسب وعدہ رہنماؤں کی فہرست تو تیار کر لی تھی لیکن مولوی محمد یوسف شاہ کے بغیر سبھوں نے شیخ عبداللہ کے حق میں رائے دی تھی ۱۱۔ محمد علی جناح نے عام لوگوں کی رائے جاننے کی کوشش کی۔ چنانچہ جلسوں اور جلوسوں کا اہتمام کیا گیا جن میں دوقومی نظریہ، مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کے رول کی وضاحت کی گئی۔ جس کا مدعا و مقصد لوگوں کو مسلم کانفرنس کے نزدیک لانا اور نیشنل کانفرنس

۱۰۔ بشیر احمد قریشی، ۱۹۸۵ء، قائد کشمیر، راولاکوٹ، ص ۳۷۔
۱۱۔ شیخ محمد عبداللہ، ۱۹۸۶ء، آتش چنار، سرینگر، ص ۳۱۳۔

سے دور کرنا تھا۔ لیگ کے قائد نے ۱۷ر جون ۱۹۴۴ء میں نوہٹہ کے ایک جلسے میں کہا تھا:

''میں مسلمانان کشمیر سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مسلم کانفرنس کے جھنڈے تلے اپنے واحد لیڈر چودھری غلام عباس کی قیادت میں منظم ہو جائیں۔ میں چودھری صاحب اور اسلامیان کشمیر کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلم لیگ اور دس کروڑ اسلامیان ہند آپ کی پشت پر ہیں'' [۱۲]۔

ایک اطلاع کے مطابق جناح صاحب نے دعویٰ کیا کہ ان سے ملنے والے 99% لوگوں نے اقرار کیا ہے کہ مسلم کانفرنس ان کی نمایندہ تنظیم ہے [۱۳]۔ ایسے ہی خیالات کا اظہار لوگوں نے مشن کے اختتام پر بھی کیا۔ بلکہ بقول جناح صاحب ہر کسی نے چودھری غلام عباس کو اپنا لیڈر تسلیم کیا [۱۴]۔ ان دعووں میں یقیناً سچائی تھی۔ کیونکہ جو لوگ جناح صاحب سے ملتے تھے ان کی اکثریت مسلم کانفرنسیوں کی تھی جن کا تعلق ہر لحاظ سے صرف جامع مسجد کے گرد و نواح سے تھا۔ کیونکہ سرینگر کے ان چند محلوں کے سوا مسلم کانفرنس کا کہیں وجود ہی نہ تھا۔

قائد اعظم نے کئی جلسوں میں نیشنل کانفرنس پر تابڑ توڑ حملے کئے اور اُسے چند غنڈوں کا ٹولہ قرار دیا [۱۵]۔ جبکہ شیخ صاحب کو ایک غلط کار سیاست دان ٹھہرایا [۱۶]۔ اسکے ردِعمل میں نیشنل کانفرنس نے جوابی جلسوں کا سلسلہ شروع کیا۔ جن میں دو قومی نظریہ کو خوب لتاڑا گیا۔ ایک جلسے میں شیخ صاحب نے جناح صاحب کو وارننگ دیتے ہوئے کہا:

"If Jinnah does not give up the habit of interfering in our politics, it will be difficult for him to go

---

۱۲۔ بشیر احمد قریشی، ۱۹۸۵ء، قائد کشمیر، راولاکوٹ، ص ۱۴۱۔

13. Jyati Bhushan Das Gupta, 1965 Jammu and Kashmir, Hague, P-66.

۱۴۔ بشیر احمد قریشی، ۱۹۸۵ء، قائد کشمیر، راولاکوٹ، ص ۴۲۰۔

15. Satish Vashisth, 1968, Sheikh Abdullah Then and Now, Delhi, P-34.

۱۶۔ سید میر قاسم، ۱۹۸۵، داستان حیات، مرتب..... عبدالرحمٰن کوندو، دلی، ص ۸۵۔

back in an honorable manner ...."۱۷

جب محمد علی جناح نے مشن کشمیر ختم کرنے کے بعد ہندوستان واپس جانے کا وقت آیا تو مسلم کانفرنس نے اُن کے احترام میں ورمُل کے مقام پر ایک الوداعی جلسہ کا اہتمام کیا۔ جونہی جناح صاحب خطاب کرنے کے لئے اُٹھے تو نیشنل کانفرنس کے ایک جذباتی کارکن محمد مقبول شیروانی نے شیر کشمیر اور نیشنل کانفرنس زندہ باد کے نعرے بلند کئے۔ جس سے جلسہ میں افراتفری پھیل گئی۔ پولیس نے جناح صاحب کو بحفاظت کار میں بٹھا کر روانہ کیا۔ مری پہنچتے ہی انہوں نے مہاراجہ کشمیر کے نام یہ برقیہ بھیجا:

"From Muree Jinnah sent the Maharaja a telegram asking him to crush Abdullah.۱۸"

بعض قلمکاروں نے غلط بیانی سے کام لیکر لکھا ہے کہ مظاہرین نے محمد علی جناح کے گلے میں جوتوں کا ہار ڈالا جو سراسر بُہتان اور من گھڑت ہے۔ ایک معروف صحافی، مورخ اور شاعر مقبول ساحل تحقیق کے بعد اِن آراء کو سرے سے ہی رد کرتے ہیں ۱۹۔ جائے واردات کے اہم گواہ محمد یوسف صراف کے مطابق ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا ۲۰۔

۱۹۴۴ء میں نیشنل کانفرنس نے جب کشمیر کی جدوجہدِ آزادی ''نیا کشمیر'' کے تحت چلانے کا بگل بجایا تو کانگریسی رجعت پسندوں کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ کے جاگیرداروں اور نوابوں نے ''نیا کشمیر'' کو سرمایہ داروں کے خاتمے کا پیش خیمہ قرار دیا ۲۱۔ جس سے مسلم لیگ اور نیشنل کانفرنس کی آپسی رقابتوں میں مزید اضافہ ہوا نتیجہ یہ کہ جس سے جہاں موقعہ ملا، آپسی دشمنی کو ہوا دی۔ ان اختلافات کو دور کرنے کی کئی کوششیں کی گئیں۔ اوائل مئی ۱۹۴۶ء میں محمد الدین تاثیر نے قابل داد اقدام اٹھائے جب وہ کافی مشکلات کے باوجود شیخ محمد عبداللہ کو محمد علی جناح کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے لاہور لے آئے، لیکن تاثیر کی کوششوں پر اس وقت پانی پھر گیا جب جناح صاحب نے شیخ

17. Satish Vashishth , P-34.

18. Kalim Siddiqi , P-114

۱۹ مقبول ساحل، کشمیر..... تاریخ کے آئینے میں، قسط، ۱۷ ہفت روزہ ''پکار'' ۲۶ نومبر تا ۲ دسمبر ۲۰۰۹۔

20. M.Y. Saraf , Vol. I, P-633.

۲۱ شیخ محمد عبداللہ، آتش چنار ص ۳۰۱

محمد عبداللہ کو یہ پیغام بھیجا کہ:

"If he wants to see me, let him write a request and then i will consider "۲۲

یہ سن کر نہ صرف شیخ محمد عبداللہ برہم ہوئے بلکہ مسلم لیگ کے رہنما اور شیخ صاحب کے پاکستانی دوست بھی زبردست ناراض ہوئے۔ مفاہمت کی ایک اور کوشش حفیظ جالندھری، مولانا داؤد غزنوی اور کئی ہم خیال دوستوں نے انجام دی جو حسب سابقہ بارآور ثابت ہوئی۔ محمد علی جناح اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان بات چیت کرنے کے لئے جگہ اور وقت کا تعین بھی کیا گیا۔ پروگرام کے مطابق مؤخرالذکر جناح صاحب کی کوٹھی پر دلی پہنچے۔ شیخ عبداللہ کو ڈرائینگ روم میں بٹھایا گیا۔ کافی دیر بعد منتظرین کو اطلاع دی گئی کہ جناح صاحب اُن سے ملنے کے موڑ میں نہیں ہیں ۲۳۔ جواب سُنتے ہی شیخ صاحب کا چہرہ غصہ سے لال ہوا مگر......!۔

پاکستان اور کیبنٹ مشن کے رویہ سے بددل ہو کر شیخ صاحب نے کشمیر چھوڑ دو کا نعرہ بلند کیا۔ محمد علی جناح یہاں بھی خاموش نہ رہے۔ انہوں نے حیدآباد میں اس اقدام کی یہ کہہ کر شدید مخالفت کی کہ یہ تحریک مُٹھی بھر مسلمانوں کی بغاوت ہے جس کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ۲۴۔ اس بغاوت کے الزام میں شیخ محمد عبداللہ گرفتار ہوئے۔ انہوں نے رام گڑھ جیل سے بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق کے ذریعہ فیض احمد فیض تک یہ پیغام پہنچایا کہ اگر مسلم لیگ اعلان کرے گی کہ ہندو راجواڑوں کے مستقبل کا فیصلہ وہاں کے لوگ کریئنگے نہ کہ مہاراجہ تو نیشنل کانفرنس پاکستان کے ساتھ الحاق کرسکتی ہے ۲۵۔ جب یہ اطلاع مسلم لیگی رہنماؤں تک پہنچی تو انہوں نے اس تجویز کو کوئی اہمیت نہ دی۔ کیونکہ اس وقت حکومت پاکستان مہاراجہ کشمیر کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھی۔ فیض احمد فیض کے بقول اگر "اس وقت ریاستی انتظامیہ کے بجائے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ بات چیت

---

22. C. Bilqees Taseer , P-261.
23. Ibid, P-262.
24. Dawn, 13 July, 1946. Sisir Gupta, P-66.
25. C. Bilqees Taseer , P-259.

کی گئی ہوتی تو عین ممکن ہے کہ کشمیر پاکستان کا حصہ ہوتا'' ۲۶۔ ملک وزیر علی کا کہنا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ نے حتی المقدور کوشش کی تھی کہ ہندوستان کے مقابلہ میں پاکستان کے ساتھ کوئی سمجھوتہ ہو جائے، لیکن نہ ہوسکا ۲۷۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ محمد علی جناح ''عبداللہ ازم'' کے بالکل مخالف تھے اور انہیں ان کا اقتدار پر براجمان ہونا پسند نہیں تھا ۲۸۔



د ؤگنیار اگر چُھ مطلب پوزایہ نمازن ہُنٛد
سوزس یم بخشائیش بییہِ تۄرۍ لُدتھ ڈالے
(عبدالاحد آزاد)

26. Ibid, P-259.
27. Ibid, P-266.
28. Alastar lamb 1966, Crisis in kashmir 1947-1966, London,P-50.

کشمیر چھوڑ دو تحریک کے محرکات

جاگیردارانہ نظام:

کشمیر چھوڑ دو تحریک کیسے وجود میں آگئی اور عوام میں کیوں کر حد سے زیادہ مقبول ہوئی، اس کا جواب تاریخ کشمیر سے ملنا مشکل نہیں۔ ۲۱۰۰ ق م میں بھی جاگیردارانہ نظام کشمیر میں رائج تھا جب راجہ لو نے قصبۂ لیوار برہمنوں کو جاگیر میں بخش دیا[۱]۔ جاگیر دینے کا سلسلہ راجہ گونند سوم، کارکوٹا، اُتپل اور لوہار خاندانوں میں برابر جاری رہا۔ ساری زمین راجہ کی ملکیت ہوتی تھی۔ وہ جسے چاہتا، زمین جاگیر میں دے دیتا۔ زیادہ تر جاگیریں شہزادوں، فوجی کمانڈروں، سماج کے اعلیٰ طبقوں، برہمنوں اور کھشتریوں کو دی جاتی تھیں۔ سرکار کی طرف سے جو لوگ کاشت کے لئے زمین حاصل کرتے تھے، اُس پر کوئی بھی فرد نہ قبضہ کرسکتا تھا اور نہ ہی مالکِ زمین بن سکتا تھا۔

جب مسلم بادشاہت کا آغاز ہوا تو جاگیردارانہ نظام میں اصلاح ہونے کی امید تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کشمیر کے پہلے مسلمان بادشاہ رنچن شاہ نے صوبۂ لداخ اور پرگنہ لارراون چندر کو بطور جاگیر عطا کیا[۲]۔ عبدالرحمٰن بُلبل شاہ کے لنگر خانے کے لئے درجنوں گاؤں وقف کئے گئے[۳]۔ شہاب الدین شاہ نے اپنے فوجی سربراہ اچل رینہ کو چاڈورہ گاؤں جاگیر میں دے دیا[۴]۔ جبکہ قطب الدین شاہ نے اپنے بیٹے سکندر شاہ کے جنم پر امیروں، وزیروں اور افسروں کو بہت سی جاگیریں عطا کیں[۵]۔ جب سکندر شاہ بادشاہ بنا تو اُس نے سب سے زیادہ جاگیر اور زمین اُن غیر مُلکیوں کو بخش دی جو تیمور کے

---

۱ پنڈت کلہن، ۱۹۹۳ء، راج ترنگنی، جلد اول، سرینگر، ص ۴۷۔
۲ حیدر ملک چاڈورہ، ۱۹۹۱ء، تاریخ کشمیر، دہلی، ص ۹۹۔
3. Muhibbul Hassan, 1959, Kashmir Under the Sultans, New Delhi, P - 40.
4. Ibid, P-53.
5. Ibid, P-58.

خوف اور ایذا رسانی کے باعث کشمیر میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے۶۔ تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ خانقاہ معلیٰ کے لئے سکندر شاہ نے کافی جاگیر وقف کی تھی ۷۔ زین العابدین بڈشاہ نے تخت سنبھالتے ہی سیّدوں خاص کر میر محمد ہمدانی کے حامیوں کو جاگیر سے نوازا تھا۸۔ اسی طرح علاقہ زینہ گیر بڈشاہ کی ذاتی جاگیر میں تھا۔ حیدر شاہ نے بھی کافی زمیں سیدوں کو دے رکھی تھیں ۹۔ جب اُس کے بیٹے نے ایک سید گھرانے کی دوشیزہ سے شادی کی تو بانگل اور بیرو پرگنہ جاگیر میں دے دیا ۱۰۔ نیز اپنے وزیر اعظم مُلا احمد ایتو کو پرگنہ ناگام بطور جاگیر عطا کیا ۱۱۔

جاگیر عطا کرنے کا سلسلہ چک دور میں بھی جاری رہا۔ ہر بادشاہ رشتہ داروں، وزیروں، سرداروں، افسروں اور منظور نظر افراد کو جاگیر دے دیتا تھا ۱۲۔ جب کشمیر پر مغل قابض ہوئے تو جاگیر دارانہ نظام میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ بلکہ زیادہ ہی تقویت پا گیا۔ یہی صورتحال افغان اور سکھ دور میں قائم رہی۔ سکھ حکمرانوں نے پیروں، مولویوں، پنڈتوں اور سکھ سیوا کاروں کو جاگیریں دیکر جاگیرداروں کی تعداد میں زبردست اضافہ کیا۔ ۱۸۴۵ء کے اواخر تک جاگیرداروں کی تعداد تین ہزار ایک سو پندرہ تک پہنچ گئی تھی ۱۳۔ جبکہ پیام الدین ریشی کی زیارت کی تحویل میں ایک سو سولہ گاؤں بطور جاگیر دیے گئے تھے ۱۴۔

---

6. P.N.K. Bamzai, 1994, Culture and Political History of Kashmir, New Delhi, P-320.
7. R.K. Parimu , 1969, A History of Muslim Rule in Kashmir, Delhi, P-320.
8. The Raj Tarangni of Jonaraj. (tr.) , J.C. Dutt, 1986, New Delhi, P-87, Srivar, P-142.
9. R.K. Parimu, P-339.
10. Ibid, PP.175-176.
11. Ibid, P-178.
12. D.N. Dhar, P-19.
13. D.N. Dhar, P-74.
14. S. Anoop Singh Sodhi, 2007, Kashmir and the Sikhs- An insight, Srinagar, P-52.

جہاں تک ڈوگرہ دور کا تعلق ہے ایسے سینکڑوں چھوٹے بڑے جاگیردار اور چکدار تھے جن کے قبضے میں ایک ہزار سے لے کر پچھتر ہزار کنال تک زمین تھی۔ بیشتر جاگیردار اپنی زمین کو کاشت پر دیتے تھے۔ قانونِ وقت کے مطابق کاشتکار کے لئے پیداوار کا پچاس جبکہ کاردار، ذیلدار، تحویلدار، پٹواری، سنراول اور شقدر وغیرہ کے لئے اڑتیس فیصد حصہ مقرر تھا۔ اس طرح کاشتکار کے پاس صرف بارہ فیصد غلہ رہ جاتا تھا۔ جولاگت کے تخمینے سے پندرہ فیصدی کم تھا۔ جسمیں کاشتکار کو تین فیصدی کا خسارہ ہوجاتا تھا۔ لہٰذا کاشتکار فاقہ کشی پر مجبور ہوجاتے تھے ۱۵۔ غلام نبی عارض کے بقول کسان یا تو ستو ۱۶ کھا کر رات بسر کرتے تھے یا انہیں بغیر دودھ کی چائے پر اکتفا کرنا پڑتا تھا ۱۷۔ کسانوں کو نہ صرف عیال کی فاقہ کشی کا غم تھا بلکہ کاشتکاری کے دوران ساہوکاروں اور روڑھ داروں سے اُدھار لائی گئی رقم کی واپسی اُن کے لئے سب سے بڑی مصیبت ہوتی تھی۔ جو سود در سود ادا کر کے بھی ادا نہیں ہوتی۔ غلام نبی عارض نے تیس روپیہ قرض کے بدلے تین سو واپس کئے لیکن سود خواروں نے پھر بھی اُس کا پیچھا نہیں چھوڑا ۱۸۔ بعض اوقات سرکار اور جاگیرداروں کا عملہ فصل سمیٹنے کے دوران ہی کاشتکاروں پر یلغار کر کے تمام پیداوار لوٹ لیتے تھے۔ یلغار میں کاردار اور تحویلدار کے ساتھ ساتھ سو سے زیادہ سرکاری اہل کار حصہ لیتے تھے ۱۹۔ کشمیر کے انقلابی شاعر عبدالاحد آزاد اُس کا تذکرہ اِن کشمیری اشعار میں کرتے ہیں۔

بہٕ کرٕ ییژن بلاین کیاہ کھٕربن پنہٕ ننن تہٕ نیاین کیاہ
مےٚ چھُم جکھٕ جکھٕ تہٕ بگاری یو نے ذرٕ عشقٕہ بمأری ۲۰

(ترجمہ: میں اتنے اہل کاروں کا مقابلہ کیسے کرسکوں۔ مجھے اور بھی مسئلے، تنازعے اور

۱۵۔ محمد سبحان بھگت، ۱۹۸۴ء، 'بانڈجشن'، دہلی، ص ۱۸۹۔
۱۶۔ "سوتو" مکائی، گندم اور چاول کے آٹے کو بناتے ہیں۔
۱۷۔ کلیات عارض، ۱۹۷۲ء، دہلی، ص ۱۷۶۔
۱۸۔ مذکورہ، ص ۱۷۶۔
۱۹۔ دیوان وہاب پرے حاجنی، ۱۹۷۱ء، سرینگر، ص ۷۔
۲۰۔ کلیات عبدالاحد آزاد، ۱۹۸۷ء، دہلی، ص ۲۷۸۔

مصیبتیں درپیش ہیں ۔سال بھر کی محنت و مشقت کے باوجود مجھے کچھ حاصل نہیں ہے۔ میں یہ کیسے سہہ سکوں ۔)

کسانوں کو لوٹنے میں کاردار اور تحویلدار پیش پیش رہتے تھے۔سرکاری حصہ ادا کرنے کے باوجود کسانوں کو مختلف طریقوں سے تنگ کیا جاتا تھا۔کبھی داخل گودام کئے گئے حصے کا وزن کم ہونے کے بہانہ مجوزہ اور مالیہ کی رسیدیں روک دی جاتی تھیں تو کبھی اور کوئی بہانہ۔ان مظالم کا واحد مقصد تحویلدار کی جیبیں گرم کرنا ہوتا تھا۔دیہاتیوں سے طرح طرح کے رسوم، خاص کر کدو، لسہ، ساگ، ہند، بھیڑ، مرغ، مکھن، کشمیری چادر اور نقدی وصول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی تھی ۲۱۔ پی این بامزے کے مطابق تحویلدار کو ہر گاؤں سے تقریباً پونے تین سو روپیہ سالانہ رسوم کی آمدنی ہوتی تھی ۲۲۔ سرکاری اہلکاروں میں چوکیدار بھی شمار ہوتا تھا۔جس کی خاکی وردی اور سُرخ پگڑی دیکھتے ہی لوگ سہم جاتے تھے۔گاؤں میں جب بھی پٹواری، گرداوار، تحصیلدار، نائب تحصیلدار، وزیر وزارت، فارسٹر، رینجر، حدبندی افسر یا اور کوئی مُلازم آجاتا تو ان کے کھانے پینے، رہنے اور بار برداری کا کام انجام دینے کے لئے چوکیدار ہر گھر سے نقدی کے علاوہ چاول، تیل، مسالہ، جلانے کی لکڑی، مُرغ اور بسترہ وغیرہ وصول کرتا تھا اور کسانوں کو حاضر رہنے کا بھی حکم دیتا ۲۳۔

سَنراول کی اجازت کے بغیر کاشتکار فصل کاٹنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا ۲۴۔ فصل کٹنے اور اپنا حصہ وصول کرنے کے بعد بھی شقدر، سَنراول اور کوتوال کاشتکار کی تلاشی لیتے تھے کہ کہیں اُس نے پیداوار کا کچھ حصہ چھپایا تو نہیں ہے۔جب مذکورہ اہلکار کچھ نہ ملنے پر مایوس ہوجاتے تو وہ لوگوں کے مُنہ کھولکر بغور جائزہ لیتے کہ کس نے کب کیا کھایا ہے۔وہ رسوئی میں گھُس کر گھر کی مالکن سے پوچھتے کہ پچھ (کشمیری میں اَنمہٕ) کہاں رکھا ہے ۲۵۔

۲۱۔ دیوان وہاب پرے حاجنی، ص ۶۔
۲۲۔ مذکورہ، ص ۷۔
۲۳۔ سون ادب......تاریخ نویسی نمبر ۲، ۱۹۸۲ء سرینگر، ص ۲۴۲۔
۲۴۔ ڈی این در، ص ۷۸۔
۲۵۔ غلام نبی آتش کا [illegible] ۱۹۸۸ [illegible] سرینگر، ص ۱۲۔

اس طرح یہ لوگ رسوئی میں موجود اشیائے خوردنی اُڑا لیتے تھے ۲۶۔ حکومت کاشتکاروں سے فی خروار شالی وغیرہ سے ساڑھے سات سیر بطور مجوزہ قیمت کے عوض وصول کرتی تھی تا کہ کسان لوگ پھلوں اور فصلوں خاص کر شالی کا کاروبار اپنے طور نہ کرنے پائیں ۲۷۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ کسان خون پسینہ ایک کر کے کمائی ہوئی شالی کی خروار ایک روپیہ بارہ آنے میں جاگیردار کو مجری دینی پڑتی تھی۔ جبکہ دیہات میں اسی مقدار کی سرکاری قیمت چھ روپیہ اور غیر سرکاری قیمت پندرہ روپیہ سے اٹھارہ روپیہ تک مقرر تھی ۲۸۔ تاہم اصل مجوزہ سرپلس اور مجوزہ گندم کی مقرر مقدار ادا کرنے کے بعد بھی کسانوں سے مزید مجوزہ کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں تحصیل کے چپراسی، چوکیدار، نمبردار اور دیگر متعلقہ ملازم وصولی کے لئے کسانوں کے پیچھے لگے رہتے اور نہایت سختی سے انہیں ادائیگی کے لئے مجبور کیا جاتا تھا ۲۹ ان حالات کا سامنا کشمیری زبان کے ترقی پسند شاعر غلام نبی عارض کو بھی کرنا پڑا تھا، وہ کہتے ہیں:-

شیرٕ باپتھ موصومن کیٛت تھٗوزِہا اکھ پانٛزٕ واہ
آرٕ رستے مجوزس پوٗژہم نہ دانس بلبٕلو ۳۰

ترجمہ: ارے اہل کار دوڈھائی سیر شالی ہمارے گھر میں رہنے دو تا کہ معصوم بچوں کے لئے پیچھ بنا سکوں۔ تم تو ظالم ہو کہ مجوزہ کے نام پر میرے گھر سے ایک ایک دانہ اُڑا لیا۔

ایک اور جگہ عارض نے لکھا ہے کہ غلامی کا یہ حال کہ ڈیڑھ خروار کے بدلے تیس

---

۲۶ ایسا کرنا صرف جاگیرداروں کا دستور نہ تھا بلکہ بہت راجے مہاراجے ایسے گذرے ہیں جو غریب کسانوں کے پاس ایک بھی دانہ رکھنے کے خلاف تھے۔ جیا پیڈ نے مسلسل تین برسوں تک کسانوں کو گھاس کے تنکے تک کے لئے ترسایا جبکہ للتادتیہ نے کسانوں کو ایک سال سے زائد عرصہ کے لئے اناج رکھنے پر پابندی عاید کی تھی۔

27.Mridu Rai, 2004, Hindu Rulers , Muslim Subjects , Delhi , P-152.

۲۸ اخبار خدمت، ۲۷راپریل ۱۹۴۵ء، سرینگر۔
۲۹ اخبار خدمت، ۱۴راپریل ۱۹۴۶ء، سرینگر۔
۳۰ کلیات عارض، ۱۹۷۲ء، دہلی، ص ۱۹۴۔

خروار ادا کرنے کے باوجود بھی چھتیس خروار کی اوگرانے جاری رہی [۳۱]۔ بہر حال جب کسان جنس سرکار (مالیہ سرکار)' سرکاری اہل کاروں کی جنسی تنخواہ اور گاؤں کے کاریگروں کا محنتانہ (کشمیری میں مانگے) ادا کرتے تھے تو اپنے لئے کچھ بچانے میں ناکام ہونے کے بعد وہ اگلے سال کھیتی کرنے کا نام نہ لینے میں ہی عافیت سمجھتے تھے۔اس لئے ڈوگرہ حکومت نے پلٹن نام کا ایک فوجی دستہ تیار کیا جو ہر سال اپریل کے اوائل میں دیہاتیوں کو زبردستی کھیتی باڑی کے لئے گھروں سے نکلنے کے لئے مجبور کرتا تھا [۳۲]۔ کسانوں پر ڈھائے جارہے مظالم کا انداز اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ شالی یا اور کسی فصل کی کٹائی سے پندرہ دن پہلے گاؤں کے تمام موسل (کشمیری میں مُہل) ضبط کئے جاتے تھے اور اوکھلیوں (کشمیری کنز) میں کیچڑ ڈال کر سرکاری مہر لگائی جاتی تھی تا کہ کسان کھانے کی کوئی فصل کوٹنے نہ پائیں۔ جب تک سرکار اور کارندوں کا حصہ دیہاتیوں سے وصول نہ کیا جاتا، اوکھلی سے مہر نہیں ہٹائی جاتی تھی [۳۳]۔

ڈوگرہ جاگیرداری کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ جاگیردار اور چکدار کسی بھی گاؤں کو بولی کی بنیاد پر چند شرائط کے تحت مقررہ وقت کے لئے اپنی ملکیت بنا سکتے تھے۔کوئی گاؤں چالیس یا ڈیڑھ سو روپئے کی ادائیگی میں حاصل کیا جاسکتا تھا۔اتنی کم قیمت میں گاؤں حاصل کرنا سرکاری اہل کار، افسران، چکدار، ذیلدار اور جاگیردار وغیرہ کی ملی بھگت کا ہی نتیجہ ہوتا تھا۔ یہ لوگ اعلیٰ حکام کو گاؤں کی آبادی اور اراضی کے متعلق معلومات کو گھٹا کر پیش کرتے تھے۔اس طرح جاگیردار کم قیمت پر گاؤں خرید لیتا تھا۔اور مالکِ کل کے اختیارات حاصل کرتا تھا [۳۴]۔ سچ پوچھو جاگیردار اپنے علاقے کا منصف، حاکم، پولیس آفیسر یعنی سب کچھ ہوتا تھا۔انہیں اپنی جاگیروں میں رہنے والی بہو بیٹیوں پر بُری نگاہ ڈالنے سے کوئی روکنے والا نہ تھا۔کوئی شراب خور جاگیردار کسی بھی دیہاتی لڑکی کو شادی

---

[۳۱] مذکورہ، ص۱۷۵۔

[۳۲] دیوان وہاب پرے حاجنی، ص۷۔

33.Robert Thorp, 1980, Kashmir Misgovernment , New Delhi, P-24.

[۳۴] سر والٹر لارنس، ۱۹۹۹ء، وادیٔ کشمیر، مترجم...... جیوتیشور پیتھک، جموں، ص۵۲۰۔۵۶۱۔

سے پہلے جنسی ہوس کا شکار بنا سکتا تھا ۳۵۔ چھنی کا جاگیردار سب سے زیادہ ظالم، جابر اور زانی تھا۔ وہ اپنے علاقے کی بہو بیٹیوں کو اغوا کر کے ان کو بڑی بیدردی سے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا تھا۔ پولیس اور قانون کی تمام مشینری اُس کے ہاتھ میں تھی۔ اس لئے ان حرکات کو لگام دینے والا کوئی نہیں تھا۔ ٹیکس جمع کرنے والا، اناج پر کنٹرول کرنے والا، فوجداری اور دیوانی کا جج وہ خود ہی ہوتا تھا۔ وہی دُوکاندار بھی ہے جو کنٹرول شدہ اشیاء فروخت کرتا تھا۔ وہی غریب کنگال کسانوں کو بھاری شرح سود پر قرض دیتا تھا۔ اسی کو سیشن جج اور ڈسٹرکٹ جج کے اختیارات حاصل تھے اور وہی اپیلیں سُنتا تھا۔ حیرت کا مقام ہے کہ یہ جاگیردار راجہ خود ان پڑھ تھا اور قانون سے قطعی ناواقف ۳۶۔ جاگیرداروں کو اتنی آزادی حاصل تھی کہ وہ اپنی جاگیر میں لوگوں پر کسی بھی قسم کا تاوان یا ٹیکس نافذ کر سکتے تھے ۳۷۔ اگر کوئی کسان ایسے نالہ یا دریا سے مچھلیاں پکڑتا ہو جو کسی جاگیردار کی جاگیر سے گذرتا ہو، اس پر لازم تھا کہ وہ جاگیردار کو مچھلیاں مہیا کرے۔ بعض اوقات کسانوں کے ساتھ ساتھ نمبرداروں کو بھی عتاب کا نشانہ بننا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ تحصیلدار کولگام جس نے موضع ناگام میں کیمپ لگایا تھا۔ وہاں کے لوگوں میں تقسیم ایڈوانس، انتقالات اور مجوزہ کی وصولی کی جارہی تھی۔ بعض چشم دید گواہوں نے اس طرح کے واقعات کی خامہ فرسائی یوں کی ہے۔

"موضع آڑجن دیوسر میں ایک ہندو زمیندار کے ذمہ شالی مجوزہ باقی تھا۔ تحصیلدار نے اس اسامی سے تو کوئی باز پرس نہ کی۔ اُس کے بجائے نمبردار دیہہ کو بُلا کر اس کے تمام کپڑے سر سے پاؤں تک پھاڑ پھینک دئے اور اس کو مادرزاد برہنہ کر کے کوڑے مارے۔ جب اس طرح بھی تحصیلدار کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تو اس نے نمبردار کے عضو تناسل میں رسی بندھوا کر اور اس کے تمام جسم پر گوبر مل کر اسکو موضع ناگام میں جہاں دیگر

۳۵۔ سون ادب......تاریخ نویسی نمبر......۲، ۱۹۸۱ء سرینگر، ص، ۴۱
۳۶۔ رشید تأثیر، جلد سوم، ص ۳۱۔

37.Chitralekha Zuthsi, 1972 , Languages of Belonging , New York, P. 72

مواضعات کے ہزاروں زمیندار زن و مرد جمع تھے، اس کی تشہیر کی اور تذلیل اور رسوائی کی انتہائی وحشیانہ سزادی۔ مورخہ ۹ ربیساکھ تحصیلدار کا کیمپ موضع منز گام میں تھا اور موضع اوپلی کے پنڈت نمبردار کے گاؤں میں بھی مجوزہ شالی باقی پایا گیا۔ یہاں نمبردار سے کوئی باز پُرس نہیں کی گی بلکہ الٹا مسلمان زمیندار جس کے ذمہ مجوزہ بقایا تھا، کیساتھ وہی سلوک کیا گیا جو موضع آڑجن دیوسر کے مسلمان نمبردار کیساتھ کیا گیا تھا'' ۳۸؎۔

بیگار:

زبردستی اور بلا معاوضہ مزدوری کو بیگار کہا جاتا ہے۔ کشمیری قوم سے ہر دور میں بیگار لی جاتی تھی۔ ہندو دور میں سرکار کو جبری مزدوری کروانے میں کئی دِقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ نویں صدی عیسوی کی ابتداء میں راجہ شنکر ورمن نے بیگار کو قانونی حیثیت دے کر اُس کا ایک علیحدہ محکمہ قائم کیا۔ چنانچہ بیگار سے انکار کرنے والے کو بھاری جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا ۳۹؎۔ شہمیری خاندان سے لے کر ڈوگرہ راج تک بیگار عروج پر تھی۔ خاص کر افغان، سکھ اور ڈوگرہ حکومت کے ایام انتہائی مُشکل اور تکالیف سے پُر تھے۔ افغان دور میں بیگار کا کوئی باقاعدہ نظام نہیں تھا۔ بلکہ جو کوئی جہاں ملا، اسے اُٹھا کر بیگار پر لگایا گیا۔ پونچھ میں بیگاریوں کی ضرورت پڑی تو لار کے کسانوں کو پکڑا گیا۔ سرینگر کے لئے بے معاوضہ مزدوروں کی مانگ جموں سے پُر کی جاتی تھی۔ کسی فوجی مُہم کے دوران دیہات اور پرگنوں کے کسانوں سے سامان اُٹھوایا جاتا تھا ۴۰؎۔ سکھ دور کے گورنر شیخ محی الدین نے ۱۸۴۵ء میں دس ہزار کاشتکاروں کو جمع کیا اور انہیں رسد اور ہتھیار سمیت بہت سی چیزیں لداخ پہنچانے کا حکم دیا۔ تین مہینے تک یہ لوگ اپنے اہل وعیال سے بے خبر رہے۔ اس بیگار میں سینکڑوں کشمیری ہلاک ہوگئے ۴۱؎۔

۳۸؎ روزنامہ خدمت، ۲۷راپریل ۱۹۴۵ء، سرینگر۔

39. D.N. Dhar, P-12

۴۰؎ تاریخ حسن، ۱۹۵۷ء، سرینگر، ص ۴۷۲۔

۴۱؎ مذکورہ، ص ۵۳۶۔۵۳۷۔

ڈوگرہ دور کی بیگار سب سے زیادہ تکلیف دہ بلکہ جان لیوا تھی۔ حکومت کا کوئی بھی افسر یا ادنیٰ ملازم ریاست خاص کر دیہات کے کسی بھی آدمی کو اپنی خدمت پر مامور کرسکتا تھا۔ کسی غریب کسان کی یہ مجال نہ تھی کہ انکار کرے۔ بھلے ہی وہ کتنا ہی مصروف یا مجبور ہو۔ کسی کی تیمارداری میں لگا ہو، کھیت میں کام کر رہا ہو یا کسی شادی بیاہ کی تقریب میں مصروف ہو۔ حتیٰ کہ اپنی شادی میں بھی۔ جس سے وہ ٹالنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ اگر کوئی اپنی مجبوریوں اور معذوریوں کا اظہار کرتا تو جوتوں اور کوڑوں کا مستحق بن جاتا۔ ''گورو گھنٹال'' کے ایڈیٹر شام لال کپور ۳/جنوری ۱۹۲۷ء کے شمارے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مالیر کوٹلہ کے نواب صاحب کشمیر کی سیر کو آئے۔ ایک دن جب نواب سفر پر روانہ ہوئے تو اُن کی نظر چند غریب مزدوروں پر پڑی جو نواب کے کیمپ کے ذرا فاصلے پر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ نواب صاحب بیگاروں کے پاس گئے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ بارات میں شامل ہیں اور شادی کے بعد دلہن سمیت اپنے گاؤں جا رہے تھے کہ اُنہیں نواب کی بار برداری کے لئے دولہا سمیت گرفتار کیا گیا۔ یہ سُن کر نواب کو بہت افسوس ہوا اور انہیں فوراً رہا کروایا[۴۲]۔ بیگار کے نام پر سینکڑوں قسم کے مظالم رائج تھے[۴۳]۔ اگر چہ ۱۹۲۰ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے بیگار کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن بے سود۔ البتہ بیگار کو ''کارسرکار'' کا نام دیا گیا جو بیگار سے کئی زیادہ خطرناک ثابت ہوا[۴۴]۔ وہاب پرے حاجنی لکھتے ہیں:

کارو بیگارک ونے کیاہ اوس آسان شوروشر
گرِیس پالانہ لدتھ ؤریس پٹھن بند بأر خر
گژھ ہے یُس غار حاضر اوس تس عملی حساب
چوب تے بے عزتی جرمانہ دشنام و عذاب[۴۵]۔

۴۲۔ ملک فضل حسین، ۱۹۸۰ء، کشمیر اور ڈوگرہ راج، سرینگر، ص ۱۳۸۔
۴۳۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں سرکاری اہلکار لوگوں کے ساگوں کے کھیتوں میں خشخاص کے بیج ڈالکر افیون کاشت کرتے تھے۔ جب وہ تیار ہو جاتی تو نابالغ لڑکوں کو جبراً افیون کشی کے لئے لے جاتے تھے۔
۴۴۔ اداریہ ہفتہ روزہ ''رنبیر'' جموں ۹ ہار، ۱۹۸۳ سموت۔
۴۵۔ دیوان وہاب پرے حاجنی، ص ۸۔

گلگت بیگار:

بیگار کئی طرح کے ہوتے تھے مثلاً گلگت بیگار، امرناتھ بیگار، کولہ بیگار، لشہِ بیگار، گُر بیگار، شکار بیگار وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ گلگت بیگار کا نام سُنتے ہی لوگ بدحواس ہوتے تھے۔ اس بیگار کی افواہ اُڑتے ہی گاؤں کے گاؤں خالی ہوجاتے اور لوگ جنگلوں، پہاڑوں اور گھاٹیوں میں چھپ جاتے تھے۔ اگر زیادہ دن روپوش رہنا پڑتا تو بہت سے لوگ سردی سے مرجاتے تھے یا ناکارہ ہوجاتے یا پھر جنگلی جانوروں کی خوراک بن جاتے تھے۴۶۔ یہ بیگار بانڈی پورہ، تراگہ بل، رازدان ٹاپ، گُریز، استور اور بونجی (کشمیر میں ''بووَنجن'' بولتے ہیں) کے انتہائی کٹھن اور دُشوار گزار پہاڑی راستوں کو طے کرکے گلگت میں اختتام پذیر ہوتی تھی۔ ہر بیگاری کے لئے ضروری تھا کہ وہ کم سے کم پچاس کلو وزن کا فوجی ساز وسامان یا رسد اُٹھائے۔ ہر سال ہزاروں کسانوں اور دیہاتیوں کو گلگت بیگار کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۴۷۔ بیگار پر روانہ ہوتے وقت پورا گاؤں ماتم کدہ بن جاتا تھا۔ عزیز واقارب ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ کر روتے تھے۔ اس لئے کہ جانے والے اب شاید کبھی واپس نہ آئینگے۴۸۔ ڈاکٹر آرتھر نیور قمطراز ہیں:

> ''میں نے ایک ایسی جگہ دیکھی ہے۔ جہاں ایک سرسبز میدان میں بیگار پر جانے والوں کو رخصت کیا جارہا تھا۔ جو بلند آواز میں آہ وبکا کررہے تھے۔ ایک مولوی صاحب اُن کے حق میں دعائیں کررہا تھا۔ بیگار پر جانے والے اور ان کے رشتہ دار پُردرد لہجے میں یہ گیت گارہے تھے:
> ہمارے کھیت اب کون دیکھے گا۔ ہماری اس لمبی جدائی میں ہمارے بیوی بچوں پہ کیا کچھ نہ گذرے گی۔ گلگت کے پہاڑی علاقوں میں برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑی راستوں پر ہم غریبوں کو کن کن آفتوں کا سامنا کرنا

۴۶۔ والٹر لارنس، ص ۵۶۰۔

47. Robert Thorp, 1980, Kashmir Misgovernment, New Delhi, P.60.

48. F.M. Hassnain, 1988, Freedom Struggle in Kashmir, Delhi, P.25.

پڑے گا ۴۹۔

لارنس کے بقول یہ واقع اننت ناگ میں وقوع پذیر ہوا ہے۔ جہاں آٹھ ہزار بیگاریوں کو جمع کیا گیا تھا ۵۰۔ گلگت بیگار میں اکثر اموات سردی، بادوباران، برف باری، راستے کی ناہمواری، بھوک اور پیاس کی وجہ سے ہوتی تھیں ۵۱۔ اسی لئے لوگ اس بیگار پر گھر جمائیوں (گھر داماد) کو بھیجتے تھے۔ جس کا تذکرہ سفرنامہ گلگت میں بیگار پر جانے والے ایک بیگاری نے یوں کیا ہے:

گرِ پیٹھکی زا مٹری کڈِکھ ژأری ژأری
تراگہِ بل بیگأرِ دِتِکھ دأری دأری
تراگہِ بل وأتِتھ کوٗرکھ وَدناہ
ییٚتہِ یور گرِ پیٹھِ گیہِ زِنہ زانہہ ۵۲

ترجمہ: گھر جمائیوں کو چُن چُن کر بیگار کے لئے نکالا گیا۔ تراگہ بل (بانڈی پورہ اور گریز کے بیچ میں ایک پڑاؤ) پہنچتے ہی یہ لوگ اپنی قسمت کو کوستے اور روتے رہے کہ خدا کسی کو گھر جمائی نہ بنائے۔

یہ بیگار سال میں دو بار موسم گرما اور سرما میں لی جاتی تھی۔ گرمیوں میں گلگت کا راستہ قدرے بہتر رہتا تھا۔ جبکہ جھاڑے میں پورا علاقہ جان لیوا سردی کی لپیٹ میں رہتا تھا اور برف سے ڈھکا بھی۔ ظلم کی انتہا یہ تھی کہ حکومت یہ کام زیادہ تر سرما کی آمد پر ہی کرتی تھی۔ جب کسان شالی وغیرہ کی کٹائی میں مصروف ہوتے تھے۔ متعلقہ حکام ایسے وقت کا تعین اس لئے کرتے تھے کہ کسان خود کو چھڑانے کے لئے زیادہ سے زیادہ رشوت دینے پر مجبور ہو جائینگے۔ بصورت دیگر انہیں کاشتکاری کے اپنے حصے سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ حسن لکھتے ہیں:

"......وزارت کامراج کے کسانوں کو تار برقی کی تیاری کے سلسلے میں

---

49. Arther New, P. 21

۵۰ والٹر لارنس، ص ۵۶۰۔۵۶۱

51. Robert Thorp, PP. 60-65.

۵۲ منور شاہ، ۱۹۷۲ء، مرتب...... منظور فاضلی، بنڈ پورہ کشمیر، ص ۱۹۔

بطور بیگار، گلگت لے جایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شالی کی فصل کی کٹائی معطل ہوگئی اور وزارتِ مذکورہ سخت خسارہ میں رہی۔ مختصر یہ کہ شالی کی فصل کاٹ کر اُس کے دونوں حصے سرکار لے گئی۵۳"۔

جب بیگار کے انچارج، کاردار کو بیگاروں کو جمع کرنے کی اطلاع موصول ہو جاتی تو وہ فوراً متعلقہ عملہ کے ہمراہ گاؤں پر چھاپا مارتا تھا کہ کسی کو بھاگنے کا موقع نہ ملے۔ کاردار کے اختیارات کے متعلق وہاب پرے حاجنی لکھتے ہیں:

آسہِ ہے یُس یتھ علاقس اہل کارا کاردار
اوس برتاراج مردم تس بُکلی تختیار ۵۴۔

ترجمہ: (کاردار کو اپنے علاقے میں اتنے اختیارات حاصل تھے کہ وہ مُردم سمیت کسی بھی چیز کا غارت کر سکتا تھا۔)

اگر چہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ہر گاؤں کے لئے بیگار کی نفری پہلے ہی مقرر کی تھی۔ پھر بھی لوگوں کو گھسیٹ کر لیا جاتا تھا۵۵۔ اگر کسی خاص وجہ سے کوئی گاؤں بیگار میں حصہ نہ لے پاتا تو اُس صورت میں گاؤں کو ۷۰ سے ۹۰ روپیہ بطور تاوان ادا کرنا پڑتا تھا۵۶۔

بیگار کے یہ ایام نمبردار سے لیکر وزیر وزارت تک کسی خاص تیوہار سے کم نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ اگر سرکار کو ایک ہزار بیگاریوں کی ضرورت پڑتی تھی تو ضلع سطح کے حکام دو ہزار، تحصیلدار اور کاردار بالترتیب تین اور چار ہزار کا تقاضہ کرتے تھے۔ ہرکار اور نمبردار تک پہنچتے پہنچتے بیگاریوں کی تعداد کافی بڑھ جاتی تھی۔ آخر کار سرکار کے چھوٹے بڑے ملازمین اضافی بیگاریوں سے ہمدردی جتا کر چھٹکارا دلانے کے عوض فی کس ۷۰۔۹۰ روپیہ وصول کرتے تھے۵۷۔

۵۳۔ تاریخ حسن، ص ۵۸۶۔
۵۴۔ دیوان وہاب پرے حاجنی، ص ۶۔
55. P.N. Bazaz, 1941, Inside Kashmir, Srinagar, P.72.
56. Chitralekha Zutshi, 1972, Languages of Belonging , New York, p.67.
57. Mridu Rai, 2004, Hindu Rulers , Muslim Subjects , Delhi, p.155.

بیگاریوں کو گاؤں سے ہانک کر علاقے کے کسی بڑے میدان یا عیدگاہ میں جمع کیا جاتا تھا۔ جو اکثر ننگے اور نیم برہنہ ہوتے تھے۔ روانگی کے وقت اِن کے پاؤں میں گھاس کے چپل (کشمیری میں پلہور)، کاندھوں پر پھٹی پُرانی چادریں اور ہاتھ میں رسیاں ہوتی تھیں۔ ڈوگرہ حکام کی طرف سے اِن کے آرام اور خوراک کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح یہ بیچارے پیاس اور بھوک سے نڈھال ہوکر ٹھٹھرتی سردی میں اکڑ اکڑ کر مرجاتے تھے۔ حکام کی سنگدلی دیکھئے کہ مرنے والے کی لاش تب تک وارثوں کے حوالہ نہیں کی جاتی تھی جب تک کہ راستے میں پڑا ہوا بوجھ اُن کا کوئی رشتہ دار منزل مقصود تک نہ پہنچاتا ۵۸۔

امرناتھ بیگار:

امرناتھ غار کی زیارت کا سلسلہ صدیوں سے چلا آرہا ہے جہاں ہر سال ہزاروں کی تعداد میں ہندو زائرین آتے رہتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء تک اکثر عقیدت مند، جو پیدل چلنا پسند نہیں کرتے یا چلنے کے قابل نہیں ہوتے، کشمیری بیگاریوں کے کاندھوں پر بٹھا کر انتہائی دُشوار گذار راستوں سے امرناتھ پہنچائے جاتے تھے ۵۹۔ جس کسی کے پاس بھی گھوڑا ہوتا، اُسے امرناتھ بیگار کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔ اس ڈر سے لوگ اپنے گھوڑوں کو یا تو جنگلوں میں چھپاتے یا گھاٹیوں میں۔ امرناتھ یاترا شروع ہونے سے کئی روز پہلے ہی گھوڑ سوار یا تو روپوش ہوجاتے یا نمبرداروں سے ساز باز کرکے خود کو بچانے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔ جن لوگوں کو بیگار کے لئے پکڑا جاتا تھا، وہ کئی ہفتوں تک اپنے گھروں کے حالات سے بےخبر رہتے تھے۔

جس علاقے سے امرناتھ یاتری گذرتے، وہاں کے لوگوں سے اُن کا ساز وسامان اُٹھوانے کی بیگار لی جاتی تھی۔ جس کے عوض متعلقہ حکام ترقی پاتے تھے چنانچہ ایک روزنامچہ میں درج ہے:

''میرزا غلام مصطفےٰ تحصیلدار اننت ناگ نے امرناتھ یاتریوں کو از قسم

---

۵۸ رشید تاثیر، ۱۹۶۸ء، تحریک حریت کشمیر، جلد اول، ص ۵۴۔
۵۹ ملک فضل حسین، ص ۳۸۔

خورد ونوش ہر قسم کی سہولیت بہم پہنچائی اور زمینداروں کو بلا مزدوری بیگار کے طور پر لایا تھا۔ افسرانِ حکومت اس کی کارکردگی پر بہت خوش ہوئے اور اس کو تحصیلداری سے سیکریٹری گورنر کا عہدہ بخشا'' ۶۰۔

کولہ بیگار:

جن ندیوں سے فصلیں سرایب ہوتی تھیں اُن کی ہر سال اپریل کے اوائل میں صفائی کی جاتی تھی (یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے) تا کہ کھیتوں تک بلا خلل پانی جاری رہے۔ ندیوں کی یہ صفائی جاگیرداروں کے ذمہ ہوتی تھی مگر وہ اس کام کو ذیلداروں اور چکداروں پر ڈال دیتے تھے۔ لوک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ کولہ بیگار کا حکم براہ راست مہاراجہ کے دربار سے آتا تھا ۶۱۔ اس بیگار میں گاؤں کے ہر گھر سے ایک فرد کی شرکت ضروری تھی۔ جس گھر میں مرد نہ ہوتا وہاں عورت سے بیگار لی جاتی تھی۔ قدیم کشمیری لوک ''فن کار'' ''لڈی شاہ'' کولہ بیگار کا ذکر یوں کرتا ہے:

مرد نَے آسہِ ژٔنی ییٚہِ بے شک گرٕ پتہٕ گرٕ مونگہٕ ہکھ اکھ اکھ
کول کھنہٕ ہٕکی بوز افسانے رلہٕ مِلہٕ اَسی شاٹھ ژٹانے
نیکھ جبرن رٕنِس بدل بُجہٕ خوتمہِ وأجکھ ودَل
کول کھنہٕ ہٕکی بوز افسانے ۶۲ کأٹھی کُری تھےٚ درلیہٕ ننہٕ وانے

ترجمہ: (ہر گھر سے ایک آدمی طلب کیا گیا۔ جس گھر میں مرد نہیں تھا وہاں سے عورت کو لے جایا گیا۔ مِل کر ندی صاف کرتے رہے۔ صفائی کرنے کے افسانے سنو۔ خوتم نامی عورت کی بے عزتی کی گئی۔ اُسے شوہر کے بدلے گھر سے زبردستی لے جایا گیا۔ اُس نے مردوں کی طرح ازار گھٹنوں کے اوپر کر دیا اور نکل گئی۔ سنو، ندی صاف کرنے کے افسانے۔)

ایک روایت کے مطابق زراڑ نامی گاؤں سے ایک ندی ''دُورن ہال'' گذرتی تھی

۶۰۔ تاریخ کشمیر کی روزانہ ڈائیری، ص ۶۱۹۔
۶۱۔ غلام نبی آتش، کأشرُ لکہٕ بأتھ، جلد ۸، ص ۲۶۷۔
۶۲۔ غلام نبی آتش، کأشرُ لکہٕ بأتھ، جلد ۸، ص ۲۶۷-۲۶۸

جو سِلٹ ، مٹی ، کنکر ، ریت وغیرہ سے بھر گئی تھی۔ کھیتی باڑی کا وقت تھا اور ندی قابل استعمال نہ تھی۔ لوگوں کو حکم ہُوا کہ وہ ندی کی صفائی اور مرمت کریں۔ ورنہ......! چنانچہ بیمار، بوڑھے اور کمزور لوگوں کو حکام نے لہولہان کر دیا۔ ایک لوک گیت میں یہ روداد یوں بیان کی گئی ہے:

کٔوت جابر پیوس لسہٕ پنڈت　　نیون ممہ ڈار گاسہٕ رز گنڈت
ڈارٕ بابہٕ چھس پتہٕ دورانے　　کول کھنہٕ ہٕکو بوز افسانے
سبکہٕ چپرأسی لأیس تھاپر　　احد لانژھس وسہٕ رے یہ کھاپر
ہٕکی لگی لگی اوٗش ہارانے　　کول کھنہٕ ہٕکو بوز افسانے ۶۳

ترجمہ: (لسہٕ پنڈت کس قدر جابر تھا کہ ممہ ڈار کو گھاس کی رسی سے باندھ کر بیگار پر لے گیا۔ ڈار کے گھر کی سبھی عورتیں اُس کے پیچھے بھاگتی رہیں۔ سنو ندی صاف کرنے کے افسانے۔ احد نامی ہیجڑے کو ایک سکھ چپراسی نے اتنا زوردار تھپڑ مارا کہ اُس کی کھوپڑی چکرانے لگی اور وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ سنو ندی صاف کرنے کے افسانے۔)

لشہِ بیگار:

لشہِ بیگار یا مشعل بیگار کا رواج قدیم زمانے سے رہا ہے۔ جب مہاراجہ، وزیر، فوج یا اور کوئی سرکاری عہدہ دار کسی محلے، گاؤں، بستی یا کنڈی علاقے سے غروب آفتاب کے بعد گذرتا، متعلقہ علاقے کے باشندوں پر لازم تھا کہ ہر شخص اپنے ہاتھ میں ایک مشعل لے کر بستی سے گذرنے والوں کیلئے روشنی فراہم کرے۔ بعض اوقات متعلقین کو قبل از وقت لشہِ بیگار کی تیاری کرنے کی اطلاع دی جاتی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مہاراجہ یا اُس کی فوج اچانک کسی علاقے کا رُخ کرتے تو وہاں کے مقامی عہدیدار بیگار کی فوری منادی کراتے۔ یہ سلسلہ کبھی رات بھر بھی جاری رہتا تھا۔ اس دوران اگر کسی غریب سے کوئی کوتاہی ہوتی تو وہ عتاب کا شکار ہو جاتا تھا۔

گُر بیگار:

"گُری بیگار" یعنی گھوڑ بیگار کو پہلے ہکھ بیگار [زِنی بیگار۔ لکڑی بیگار] کہا جاتا تھا۔

---

۶۳ مذکورہ، ص ۲۶۷۔

ہکھ بیگار پر جانے والوں کو جنگل سے جلانے کی لکڑی [بالن] سرینگر پہنچانے کی ذمہ داری ہوتی تھی ۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے دورِ حکومت میں مشیر مال ہمت سنگھ نے (۱۹۴۱ء میں) یہ بیگار شروع کی ۔ اُس نے حدود سرینگر سے باہر رہنے والے گھوڑے والوں پر یہ ذمہ داری عاید کی تھی کہ وہ جنگلات کے ٹھیکداروں کا مال جنگل سے دریا کے گھاٹوں تک پہنچائیں ۶۴۔ جب کسان مکمل طور کھیتوں میں مصروف ہوتے تو عین اُسی وقت گر بیگار کے احکامات صادر کئے جاتے تھے ۔ اطلاع ملتے ہی سرکاری عملہ کسانوں کو گھسیٹتے ہوئے جنگل کا رُخ کرواتے ۔ کسان ایک ایک دن کی مہلت کے لئے سرکاری اہل کاروں کو زیادہ سے زیادہ رشوت دینے کے لئے آمادہ ہوجاتے تھے ۔ جو گھوڑا بیگار کو شروع کرنے کی اصل وجہ بتائی گئی ہے ۔ اس بیگار کی زد میں سب سے زیادہ بڈگام ، پلوامہ اور سرینگر کے گردونواح کے علاقے آیا کرتے تھے ۔

شکار بیگار:

اس بیگار کے شکار ، کسی شکارگاہ کے گردونواح میں رہنے والے لوگ ہوتے تھے ۔ مہاراجہ کشمیر جب پانپور کے شارشالی گاؤں میں واقع شکارگاہ جو عام طور پر وستورون شکارگاہ سے مشہور تھا ، شکار کھیلنے کا پروگرام بناتے تو ایک عینی گواہ عبدالرزاق ڈار ۶۵ کے مطابق پورے علاقے میں منادی کرائی جاتی تھی کہ فلاں روز مہاراجہ بہادر شکار کی غرض سے وستورون تشریف لا رہے ہیں ۔ اس لئے زیون سے کھریو اور گالندھر سے لدو تک تمام مردوں کو وستورون کے شکارگاہ میں جمع ہونے کی ہدایت دی جاتی ہے ۔ مہاراجہ کی آمد پر کسی بھی لاپروائی کا انجام بہت بُرا ہوتا تھا ۔ ایک اور عینی گواہ غلام قادر ڈار کے خلفِ اکبر علی محمد ڈار ۶۶ کے بقول اگر مہاراجہ کی موجودگی میں گاؤں میں کہیں سے دھول یا دھواں

۶۴ روزنامہ خدمت ، ۲۵ ستمبر ۱۹۴۵ء ، سرینگر ۔

۶۵ عبدالرزاق ڈار ولد عبدالخالق ڈار ساکنہ لدو نے شکار بیگار میں خود بھی حصہ لیا ہے ۔ ڈار صاحب کی عمر اس وقت ۹۷ سال ہے ۔ ۲۸ اگست ۲۰۰۸ء کو ایک غیر رسمی گفتگو کے دوران اُنہوں نے کئی واقعات سنائیے ۔

۶۶ علی محمد ڈار لدو نے اپنے باپ غلام قادر ڈار کے حوالے سے ڈوگرہ راج کے متعلق بہت سی باتیں کہیں ۔

نمودار ہوتا تو سرکاری اہل کاروں کا عتاب ہماری بستی پر نازل ہوجاتا تھا۔ جب مہاراجہ کے شکار کھیلنے کا وقت آجاتا تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر شکارگاہ یا ''رکھ'' کے اردگرد ایک وسیع گھیرا ڈال دیتے تھے تاکہ شکار کھیلتے وقت مطلوبہ شکار بھاگنے نہ پائے۔ لوگوں کی ایک اور جماعت جنگل میں گھس کر شکار کو شکارگاہ کی جانب ہانکتے تھے ۶۷۔ اگر بدقسمتی سے شکار کسی شخص کے بغل سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوجاتا تو اُسے سزا دی جاتی تھی۔ عبدالرزاق ڈار کے بقول کھنموہ کے ایک شخص کو مہاراجہ ہری سنگھ کے پولس افسر نے گولی مار کر ہلاک کردیا اس لئے کہ اُس کے بغل سے شکار بھاگ گیا تھا۔ شکار بیگار کے موقع پر ذیلدار، جاگیردار، چکدار اور علاقے کے ذی عزت لوگ حاضر رہتے تھے۔ یہ بیگار اُس وقت بھی لی جاتی تھی جب غیر ملکی مہمان وارد کشمیر ہوجاتے تھے۔ شکار بیگار کے دوران حادثات بھی پیش آتے تھے۔ شکار کا پیچھا کرتے وقت لوگ جنگلی جانوروں کے شکار ہوجاتے یا زہریلے سانپ اُن کو ڈس لیتے یا ریچھ اُن پر حملہ کرتا تھا ۶۸ یا کبھی اونچائی سے گر کر ہلاک یا شدید زخمی ہوجاتے تھے۔ شکارگاہ پر ایک کیمپ لگایا جاتا تھا جسمیں مہاراجہ اور اُن کے مہمانوں کے رہنے کا انتظام ہوا کرتا تھا۔ کیمپ کا پورا خرچہ علاقے کے لوگوں سے زبردستی وصول کیا جاتا تھا ۶۹۔ لوگوں کے لئے ایک اور مصیبت یہ تھی کہ شکارگاہوں سے جنگلی جانور نکل کر کھیتوں میں تمام قسم کی فصلیں تباہ و برباد کرتے تھے۔ جب کھیتوں کو اس قسم کی تباہی سے بچانے کی شکایت کی جاتی تو شکارگاہ کا چوکیدار نہ صرف رشوت طلب کرتا بلکہ مقدمہ کی دھمکی بھی دیتا تھا ۷۰۔

ان تمام اقسامِ بیگار کی خاص بات یہ تھی کہ مولویوں، سیدوں، کشمیری پنڈتوں، سکھوں اور جاگیرداروں کے کھیتوں میں کام کرنے والے کسان بیگار سے مستثنیٰ تھے ۷۱۔

۶۷۔ شکار کو لوگوں کے دائرہ میں داخل ہونے پر مجبور کرنے کے طریقہ کو ''ہک'' دینا یعنی ہانکنا کہتے تھے۔ اس لئے یہ ہکہ بیگار کے نام سے بھی جانی جاتی تھی۔

۶۸۔ سون ادب...... تاریخ نویسی نمبر...... ۲، ۱۹۸۲ء، سرینگر، ص ۲۴۲۔

۶۹۔ تاریخ کشمیر کی روزانہ ڈائیری، ص ۶۳۷۔

۷۰۔ مرزا شفیق حسین، ۱۹۹۱ء، کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد، سرینگر ص ۱۴۴۔

71. D.N. Dhar, P.128.

جبکہ چکداروں ، جاگیرداروں کے ماتحت گاؤں اور ریشم کے کارخانوں میں کام کرنے والوں کو بھی بیگار سے الگ رکھا جاتا تھا۔

کالے قوانین اور سخت مظالم

ڈوگرہ دور میں مظالم کو بڑھاوا دینے والے قوانین نافذ تھے۔صوبۂ کشمیر اور سرحدی اضلاع کا کوئی باشندہ لائیسنس کے بغیر اسلحہ نہیں رکھ سکتا تھا ۷۲۔ تاہم کشمیریوں کو لائیسن بھی اجراء نہیں کی جاتی تھی۔کبھی کبھار کسی بڑے پنڈت ملازم کے گھر سے لائیسن یافتہ چاقو دستاب ہونے کی توقع کی جاسکتی تھی۔راقم کے والد غلام احمد ایتو اکثر کہا کرتے تھے کہ مرغ ذبح کرنے کے لئے گاؤں میں گھر گھر جانے کے بعد بھی چاقو دستیاب نہیں ہوتا تھا۔ بڑے گوشت کی خرید وفروخت پر پابندی عاید تھی جبکہ گاؤ کشی پر سزائے موت دی جاتی تھی۔سکھ دور میں گاؤ کشی کے جرم میں تمام قبیلہ کا قتل اور مکان نیلام یا گرایا جانا مقرر تھا ۷۳۔ اُسی زمانے میں سسُر اور داماد کو گاؤ کشی کے الزام میں سولی پر لٹکایا گیا اور اُن کی لاشیں شہر میں پھرائی گئیں ۷۴۔کبھی گاؤ ذبح کرنے والے کو اُبلتے تیل میں ڈالا جاتا تھا اور عبرت کے طور پر اس کی لاش سرِ راہ کھمبے پر لٹکائی جاتی تھی۔ اطلاع ہے کہ انگریزوں کی مداخلت سے مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس قانون میں ترمیم کرکے موت کی سزا دس سال قید بامشقت مقرر کی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قانون میں ۱۹۳۴ء کے بعد ہی ترمیم ہوئی ۷۵۔وستورون کے دامن میں واقع منڈیک پال نامی گاؤں میں بیل کشی کے الزام میں دو بھائی جیل میں ہی لقمۂ اجل بن گئے ہیں۔ملک فضل حسین نے اخبار ''انقلاب'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ۱۹۳۰ء تک گاؤ کشی کے جرم میں آٹھ ہزار افراد جیل جاچکے تھے ۷۶۔مذہبی تیوہار رام نومی اور جنم اشٹھمی کے علاوہ مہاراجہ

---

۷۲ مرزا شفیق حسین، ۱۹۹۱ء کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد، سرینگر، ص ۱۶۸۔
۷۳ تاریخ حسن، ص ۵۲۱۔
۷۴ مذکورہ، ص ۵۲۴۔
75. Mushtaqur Rehman, P.37.
۷۶ ملک فضل حسین، ص ۱۵۳۔

اور ولی عہد کے جنم دن پر گوشت فروخت کرنا ممنوع قرار دیا گیا تھا ۷۷۔

کسی بھی شخص کو اپنی اراضی پر اگائے گئے توت، اخروٹ اور چنار کے درخت کاٹنے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی کوئی شخص اپنے درختوں کی شاخ تراشی کر سکتا تھا۔ توت کے نگران کو "تلہ راکھ" یا راکھ کہتے تھے۔ اگر کوئی آدمی توت کے پتے کاٹتے ہوئے پکڑا جاتا یا کسی کے خلاف ایسی شکایت ہوتی تو "راکھ" مجرم کو جیل بھجوا دیتا اور اُس پر جرمانہ بھی عاید کرتا تھا۔ "راکھ" لوگ اس قدر ظالم تھے کہ درخت بید کو توت قرار دیکر رشوت کی راہ نکال لیتے۔ عبدالاحد آزاد نے کیا خوب کہا ہے۔

تیم ییٚلہِ راکھ فارسٹر دِمَس نَے کینہہ انم رینجر
کرِہم وِرِ زیٚن تہِ سرکاری بہ نو زرِ عشقہِ بمأری ۷۸

ترجمہ: جب راکھ اور فارسٹر آئے گا۔ اگر اُنہیں کھلاؤں، پلاؤں اور رشوت نہ دوں تو وہ رینجر کو بُلا کر گھر میں پڑی بید کی لکڑی کو بھی توت قرار دے کر ضبط کریں گے۔

محمد یوسف صراف کے بقول ۱۹۲۴ء میں پلوامہ تحصیل کے کسی گاؤں میں ایک کسان کے بچے نے توت کی شاخ کاٹی جس کی بنا پر اُس کے باپ کو گرفتار کیا گیا۔ اُسے اتنا مارا گیا کہ اُس کی موت واقع ہوئی ۷۹۔ عبدالرحیم مراد ۸۰ یہ بات اکثر دہراتے تھے کہ "تلہ راکھ" نے ایک بار قادر بھٹ ولد کمال بھٹ ساکنہ حیات پورہ کو کاندھے سے الہ بانی (زمین جوتنے کا ہل) نیچے اُتانے کے لئے کہا جو کیکر اور برِمجی کی بنی تھی۔ "راکھ" نے دیکھتے ہی تہمت لگائی کہ توت کا بنا ہوا ہل کہاں سے لائے ہو۔ یہ سُنتے ہی غلام قادر بھٹ نے ہل کو دناڑ ۸۱ میں پھینکا۔ راکھ کو دھکا مارا اور خود بھاگ کر گھر پہنچا۔ گھر والوں سے کہہ

---

۷۷ مرزا شفیق حسین، ص ۱۸۸۔

۷۸ کلیات عبدالاحد آزاد، ۱۹۸۷ء، دہلی، ص ۲۷۶۔

79: M.Y. Saraf, 1979, Kashmirs Fight for Freedom, Vol.I, Lahore, P.319.

۸۰ عبدالرحیم مراد ۹۵ برس کی عمر میں ۲۵ را کتوبر ۲۰۱۰ء کو فوت ہوئے۔ وہ ایک تجربہ کار اور دور اندیش سیاستدان تھے۔ مسائل کو سُلجھانے اور اُلجھانے کے زبردست ماہر تھے۔ عمر بھر زمینداری سے وابستہ رہے۔

۸۱ حیات پورہ میں ایک ناڑ کا نام ہے۔ یہ دناڑ گنگچہ کے مقام پر بہتی آیا ہے۔

دیا کہ اگر اُسے کوئی ڈھونڈنے آئے گا تو اسے بتا دینا کہ وہ ناڈی کھاہ ۸۲ چلا گیا ہے۔ اور خود ڈر کے مارے اپنے بھائی کے پاس چھتہ بل سرینگر پہنچا۔ جہاں وہ چھ مہینے تک روپوش رہا۔

اخروٹ کے پیڑ کی شاخ کاٹنے پر کسان کو چوکیدار، نمبردار، پٹواری، تحصیلدار اور محکمۂ پولیس کے ہاں الگ الگ سماعت ہوتی تھی اور ہر ایک کو رشوت دینا پڑتی تھی۔ چنار کاٹنے کی بات تو دور، اُس کی چھاؤں میں بیٹھتے وقت دس بار اپنے اردگرد دیکھنا پڑتا تھا کہ کہیں اس کی کوئی معمولی شاخ گری تو نہیں ہے۔ جس کا نتیجہ سزا ہو سکتی تھی۔ توت، اخروٹ اور چنار یہ تینوں درخت ''درخت شاہی'' کہلاتے تھے۔

جہاں تک محصول کا تعلق ہے کوئی بھی شخص اُسے مبرا نہیں تھا۔ ملاّحوں، لوہاروں، قصائیوں، نانوائیوں، گلکاروں، نجاروں، ملیاروں غرض ہر اُس آدمی سے محصول وصول کیا جاتا تھا ۸۳ جو کسی نہ کسی فن میں مہارت رکھتا ہو ۸۴۔

کشمیریوں پر تقریباً پچاس قسم کے ٹیکس عاید تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ٹیکسوں تلے دبے لوگوں پر مزید ٹیکس عاید کئے ۸۵۔ انتقال زمین پر قیمت خرید کے برابر فیس ادا کرنے کا قانون نافذ کیا ۸۶۔ شالباف کو ماہانہ تنخواہ آٹھ روپیہ سے پانچ روپیہ بطور محصول دینا پڑتا تھا ۸۷۔ ٹیکس قوانین اتنے سخت تھے کہ میت کی تجہیز و تکفین تب تک ادا کرنے کی اجازت نہ تھی جب تک محکمہ محصول سے یہ اطلاع نہ ملتی کہ فوت ہوئے شخص کے نام کوئی رقم بقایا نہیں ہے۔ اگر کوئی رقم واجب الادا ہو تو وہ اُسی وقت وصول کی جاتی تھی یا اس کے

---

۸۲ ایک کریوہ کا نام جس کی سرحدیں رہمو، گؤسو، زوڑورہ، وہیگ اور ملہ پورہ گاؤں سے ملتی ہیں۔ یہ کریوہ حیات پورہ کے زرخیز زمین میں شمار ہوتی ہے۔

۸۳ قحبہ خانوں کی طائفوں سے بھی ٹیکس وصول کی جاتی تھی۔

84. Bawa Satinder Singh, 1988, The Jammu Fox, New Delhi, P.169.

85. Ibid, P.169.

86. Ibid, P.169.

87. D.N. Dhar, P.159.

وارثوں سے اس کی ضمانت لی جاتی یا میت کی جائداد ضبط کی جاتی تھی۔ بقول غلام احمد ایتو ۸۸ جاگیردار کی اجازت کے بغیر میت کی تجہیز و تکفین انجام دینا ناممکن تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شال باف سال کے پہلے مہینے میں فوت ہو جاتا تو اُس کے مرنے کے بعد بھی اُس کا ٹیکس اگلے گیارہ مہینوں تک زبردستی وصول کیا جاتا تھا۔ جب ٹیکس کی ادائیگی کے بعد متوفی کا نام داغ شال کی فہرست سے خارج کیا جاتا تو سرکاری اہل کار اس ''خوشی'' میں کارخانہ دار سے ایک مخصوص رقم وصول کرتے تھے ۸۹۔

ڈوگرہ دور میں زبان اور قلم کی آزادی کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی دور کی بات۔ انجمن سازی پر پابندی تھی ۹۰۔ جلسوں، جلوسوں کے لئے اجازت نامہ حاصل کرنا دشوار تھا۔ اگر بیرون مُلک کسی اخبار میں کوئی شکایت شائع ہو جاتی تو اسکا سخت سے سخت نوٹس لیا جاتا تھا۔ تعلیم کا کوئی خاص بندوبست نہیں تھا۔ پچانوے فیصدی لوگ ناخواندہ تھے۔ سرکاری ملازمین میں مسلمانوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ ایک طرف مزدوری نایاب تو دوسرے طرف مزدوروں کے حالات ناگفتہ بہ تھے۔ بیشتر مزدور پھٹے پُرانے کپڑے پہن کر یا تو آدھی رات یا پھر پو پھوٹنے سے پہلے خالی پیٹ ۹۱ اور ننگے پاؤں گھر سے نکل کر امیر گھرانوں کے گھروں اور کھیتوں میں کام کرنے کے لئے نکلتے تھے۔ مگر تب بھی اُن کے اہل خانہ فاقہ کشی پر مجبور ہو جاتے تھے ۹۲۔ کیونکہ محنت کرنے کے باوجود ان کو اپنا محنتانہ نہیں ملتا تھا۔ تقاضا کرنے پر ان کو الٹا ڈرایا دھمکایا جاتا تھا۔ کئی ایسی مثالیں کلیات عارض میں موجود ہیں کہ مزدور ''برارِ گھاسہ'' [یعنی

---

۸۸ غلام احمد ایتو ولد نورہ ایتو المعروف خچہ تقریباً ۳۰ سال نمبردار حیات پورہ رہے۔ وہ سزاول، ہرکار، ذیلدار، پٹواری، چپراسی وغیرہ کے مظالم بیان کرتے وقت رو پڑتے تھے۔ جب وہ مالیہ، مجوزہ اور کارسرکار کا ذکر کرتے تو گھنٹے گزر جاتے تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ وقت پر مالیہ داخل دفتر نہ کرنے کی پاداش میں نمبردار کو بھی جیل بھیج دیا جاتا تھا۔ اس نے کئی ایسے میت خود بھی دیکھے تھے۔ جن کی تجہیز و تکفین کیلئے چکدار کے احکامات کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ وہ ۲۴ نومبر ۱۹۹۸ء کو سو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

89. Robert Thorp, 1980, Kashmir Misgovernment ,Srinagar, P.54.

90. Mushtaqur Rehman, PP.37-38.

۹۱ کلیات عارض، ص ۲۰۵۔

۹۲ نظم ...... مزدور، کلیات عبدالاحد آزاد، ص ۱۸۶

گھاس جو بلیاں کھاتی ہیں] کھاتے تھے۔اور پھر پیٹ کے درد میں مُبتلا ہو جاتے تھے ۹۳۔ چنانچہ یہ لوگ مجبوراً کولکتہ، امرتسر، لاہور اور کراچی کا رُخ کرتے تھے۔ جہاں اُنہیں ''ہتو'' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

لاہور میں زیرِ تعلیم شیخ محمد عبداللہ نے ''ہتو'' لفظ کو جب اپنے کانوں سے سُنا تو اُن سے رہا نہ گیا۔ چنانچہ زمانہ طالب علمی ۱۹۲۷ء میں ہی شیخ صاحب نے لاہور کے مقام پر کشمیری مزدوروں کی ایک انجمن قائم کی ۹۴۔ جس کی ہفتہ وار نشست میں کشمیری مزدوروں کے مسائل پر غور وخوض کیا جاتا تھا۔ شیخ صاحب کی کوشش تب تک جاری رہی جب تک نہ انہوں نے کشمیری کو ''ہتو'' سے حضرت بنا کر عزت وآبرو کا مقام دلایا ۹۵۔ جب ''ہتو'' لوگ باہر کے شہروں سے کشمیر واپس لوٹتے تھے تو ان کی تمام کمائی کشمیر کی سرحدوں پر متعین ڈوگرہ اہلکار محصول اور کسٹم کے نام پر چھین لیتے تھے ۹۶۔ بہر حال کشمیریوں کو جن بے شمار مصائب اور مُشکلات کا سامنا تھا وہ ہر صورت میں نا قابل برداشت تھے۔

ظلم کے خلاف جدوجہد کا آغاز:

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ بیسویں صدی کے اوائل میں کشمیریوں کی حالت شیخ محمد عبداللہ خود دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ علی گڑھ سے واپسی پر انہوں نے ۱۹۳۱ء میں ڈوگرہ راج کے خلاف عملاً جدوجہد کا آغاز کیا۔ جس کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹۴۶ء میں ''کشمیر چھوڑ دو'' کا نعرہ بلند کیا۔ ایسا کرنے سے پہلے شیخ صاحب لاہور میں مسلم لیگیوں سے کشمیر کے الحاق پر بات چیت کرتے رہے جو ناکام ہوئی تھی (تفاصیل کے لئے دیکھئے دردست کتاب کا عنوان: محمد علی جناح اور شیخ محمد عبداللہ کے تعلقات)۔ اس کے بعد انہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ کو الگ تھلگ کر کے کیبنٹ مشن کو کشمیری عوام کا ''مطالبہ آزادی'' کے عنوان سے ایک میمورنڈم (یہی میمورنڈم بعد میں کشمیر چھوڑ دو

---

۹۳ کلیات عارض، ص ۲۱۸۔
۹۴ عوامی دور......شیخ محمد عبداللہ نمبر، ۱۹۷۸ء، جموں، ص ۵۵۔
۹۵ شیرازہ......شیر کشمیر نمبر، ۱۹۸۳ء سرینگر، ص ۸۳۔
۹۶ مرزا شفیق حسین، ص ۴۔

تحریک کا مُسودہ بنا) پیش کیا۔ جسمیں بیع نامہ امرتسر سے لیکر زمانہ حال تک کے اہم مسایل اور ڈوگرہ مظالم پر مُفصل روشنی ڈال کر مُطلق العنانیت کے بدلے عوامی راج کا مطالبہ کیا گیا۔ لیکن کمیشن نے مذکورہ یاداشت کو ردی کی ٹوکری میں ڈالدیا ۹۷۔

اس کے بعد شیخ صاحب نے کوئی نیا قدم اُٹھانے سے پہلے مُسلم کانفرنس کے اشتراک سے دونوں کانفرنسوں کا محاذ قائم کرنے کی زبردست کوشش کی۔ اس سلسلے میں مگھرمل باغ سرینگر کے ٹھیکدار شیخ محمد امین کے گھر پر شیخ محمد عبداللہ اور چودھری غلام عباس خان کے درمیان کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ کیونکہ مسلم کانفرنس جاگیردارانہ نظام کے خلاف آواز اُٹھانے میں لیت ولال سے کام لے رہی تھی ۹۸۔ ایسا کرنے سے وہ مُسلم لیگ کی ناراضگی مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ تحریک کا ساتھ دینے کے لئے مسلم کانفرنس کی اولین شرط یہ تھی کہ نیشنل کانفرنس سے غیر مسلموں کو نکال باہر کر کے تنظیم کو مُسلم کانفرنس میں مدغم کیا جائے ۹۹۔ اس تجویز کو شیخ صاحب نے نامنظور کیا۔ مندرجہ بالا سبھی آرا کے ردعمل میں شیخ صاحب نے مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف بغاوت کر کے کشمیر چھوڑ دو تحریک شروع کی۔ جس کی منظر کشی حفیظ جالندھری نے ان اشعار میں کی ہے۔

شیر وادی میں دھاڑا گونج اُٹھے کوہسار
ہوگئے بیدار مزدور اور جاگے کاشتکار
چارسو آزادیٔ جمہور کی سُن پکار
ہوگئی برہم نشے میں نخوتِ سرمایہ دار
عیش کے کانوں میں پیغام اجل آنے لگا
کار بارے شہریاری میں خلل آنے لگا ۱۰۰

97:Kashmir Affairs, 1959, No. 5-6, Jammu and Kashmir Government, P.12.

۹۸ خدمت، ۱۴راکتوبر، ۱۹۴۵ء، سرینگر۔

۹۹ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۴۲۔

۱۰۰ جی ایم صادق، ۱۹۴۶ء، کشمیر چھوڑ دو، لاہور، ص ۳، رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۶۸۔

شیخ صاحب نے مئی ۱۹۴۶ء کو نوشہرہ زیارت، خواجہ صاحب، میر محلّہ اور مائسمہ میں مہاراجہ ہری سنگھ اور ان کی حکومت کے خلاف نہ صرف تقریریں کیں بلکہ ڈوگرہ راج کو ختم کرنے پر زور دیا ۱۰۱۔ شیخ صاحب ۲۰ر مئی ۱۹۴۶ء کی رات کو پنڈت جواہر لال نہرو سے ملنے کے لئے ہندوستان روانہ ہوئے تو گڑھی کے مقام پر انہیں گرفتار کیا گیا۔ حکومت نے طے شدہ پروگرام کے تحت راتوں رات نیشنل کانفرنس کے اہم شخصیات کو گرفتار کر کے شہر میں کرفیو نافذ کیا ۱۰۲۔ شیخ محمد عبداللہ سمیت سینکڑوں کارکنوں کے خلاف مقدمہ بغاوت درج ہوا۔ عدالت نے شیخ صاحب کو تینوں تقریروں میں ملزم قرار دے کر ہر تقریر کے لئے تین سال قید اور پانچ سو روپیہ جرمانہ یعنی نو سال قید اور پندرہ سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی ۱۰۳۔

کشمیر چھوڑ دو کا ردِ عمل:

بیع نامہ امرتسر کو توڑ دو کشمیر کو چھوڑ دو کا نعرہ گونجتے ہی مسلم لیگ نے نہ صرف تحریک بلکہ نیشنل کانفرنس اور اُس کے قائد شیخ محمد عبداللہ کے خلاف محاذ کھولا ۱۰۴۔ مسلم کانفرنس نے واشگاف طور کہا کہ انہیں کشمیر چھوڑ دو نعرے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نعرہ مایوسی کی علامت ہے ۱۰۵۔ البتہ مسلم حامی پریس نے تحریک کے حق میں زبردست مہم چلائی ۱۰۶۔ بھارت کے ''مردِ آہن'' سردار ولبھائی پٹیل نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کی وساطت سے مہاراجہ ہری سنگھ اور وزیر اعظم رام چند کاک کو ایک مکتوب کے ذریعہ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ مصالحت کرنے کے لئے کہا مگر اول الذکر نے ایسا کرنے سے انکار کیا ۱۰۷۔

---

۱۰۱ عبدالواحد، ۱۹۴۷ء، کشمیر چھوڑ دو...... مقدمہ بغاوت، سرینگر ص ۳۔
۱۰۲ عبدالواحد، ۱۹۴۷ء، کشمیر چھوڑ دو...... مُقدمہ بغاوت، سرینگر، ص ۱۰۔
۱۰۳ مذکورہ، ص، م۔
104.Victorai Schofield, 2004, Kashmir in Conflict , New Delhi, P.24.
۱۰۵ تاریخ کشمیر کی روزانہ ڈائیری، ص ۸۴۹۔
106. M.Y. Saraf, P.685.

۱۰۷ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۴۷۔

اس کے بعد کانگریس نے شیخ محمد عبداللہ کی کڑی نکتہ چینی شروع کی حتیٰ کہ صدر کانگریس آچاریہ کرپلانی نے کشمیر چھوڑ دو تحریک کو بیہودہ اور غیر حقیقت پسندانہ قرار دیا ۱۰۸۔ کہا جاتا ہے کہ آچاریہ کے اس بیان کے پیچھے گاندھی جی اور سردار پٹیل کی ذہانت کارفرما تھی ۱۰۹۔ کانگریسی بیان سے مہاراجہ اور اُس کے وزیراعظم کو زبردست حوصلہ ملا۔ اس حمایت کے معاوضہ میں مہاراجہ ہری سنگھ نے ''سردار پٹیل فنڈ'' نامی ادارہ کے لئے پچاس ہزار روپیہ بطور چندہ پیش کئے ۱۱۰۔ اسی طرح کانگریس کے حامی اخبارات بشمول ہندوستان ٹائمز، امرتا بازار پترکا، ٹائمز آف انڈیا، ہندو، فری پریس جرنل اور ٹربیون کشمیر چھوڑ دو تحریک کے خلاف بالکل صف آراء ہوئے۔

برصغیر کے سیاستدانوں میں پنڈت جواہر لال نہرو واحد لیڈر تھے جو نہ صرف کشمیر چھوڑ دو تحریک کی حمایت میں کھل کر سامنے آئے بلکہ شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے حامیوں کو رہا کرانے کی غرض سے وزیراعظم جموں و کشمیر کو خطوط ارسال کئے جو بیکار ثابت ہوئے۔ پنڈت جی نے ۱۵ر جون کو ایک برقیہ کے ذریعہ مہاراجہ کشمیر کو مطلع کیا کہ وہ ۱۹ر جون ۱۹۴۶ء کو شیخ محمد عبداللہ کے مقدمہ بغاوت کی پیروی کے لئے کشمیر آرہے ہیں۔ مہاراجہ نے پنڈت جی کو جواب بھجوادیا کہ انہیں کشمیر آنے سے گریز کرنا چاہئے۔ کیونکہ مہاراجہ کو پنڈت جی اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے قائدین کا کشمیر آنا اور شیخ محمد عبداللہ کی حمایت کرنا قطعی طور پسند نہیں ہے ۱۱۱۔ لیکن پنڈت جی حسب پروگرام آصف علی، دیوان چمن لال اور بلدیو سہائے جیسے وکلاء صفائی کے علاوہ درجنوں حامیوں کے ہمراہ راولپنڈی سے کشمیر میں داخل ہوئے۔ جونہی نہرو جی کوہالہ پُل پار کرنے لگے تو طاق میں بٹھائے گئے مظاہرین نمودار ہوئے جو ہاتھوں میں سیاہ جھنڈیاں لیکر ''نہرو واپس جاؤ'' جیسے نعرے بلند کررہے تھے۔ ان مظاہرین کا اہتمام اہل جموں کے علاوہ مسلم کانفرنس اور گورنر کشمیر

---

108. Satish Vashishth, P.40.

۱۰۹ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۱۲۴

۱۱۰ رشید تاثیر، جلد، سوم، ص، ۱۲۴۔

۱۱۱ مقبول ساحل، قسط نمبر ۷ ہفت روزہ ''نکاس'' ۲۶ نومبر تا ۲ دسمبر ۲۰۰۹ء سرینگر

مہاراج کرشن در نے خفیہ طور کیا تھا[۱۱۲]۔ اس کے باوجود نہرو آگے بڑھتے گئے۔ پولیس نے آپ کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہاں تک کہ ایک مسلمان پولیس آفیسر نے اُن کو طمانچہ بھی مارا[۱۱۳]۔ بقول محمد یوسف ٹینگ پنڈت جی زخمی بھی ہوئے[۱۱۴]۔ اس رویہ پر زبردس برہم ہو کر پنڈت جی نے ترش لہجہ میں کہا کہ "یہ طمانچہ مجھے نہیں مارا بلکہ مہاراجہ نے اپنی تقدیر پر لات ماری ہے"[۱۱۵] دُومیل پہنچنے پر انہیں گرفتار کیا گیا اور دلائی کیمپ میں ٹھہرایا گیا۔ آخر وائسرائے ہند لارڈ ویول کی مداخلت سے پنڈت نہرو ایک ہفتے کے بعد رہا کئے گئے[۱۱۶]۔



جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلادو
(ڈاکٹر علامہ اقبال)



تھَویوٗنے قدرتن پتھن خزانن ٹھانڈ مُژراُوِتھ
ژےٚ اوسُے بأگراُوِتھ کھیوٚن بنیوٚکھ شُہمار انسانو
(عبدالاحد آزاد)



---

[۱۱۲] رشید تاثیر، جلد، سوم، ص،۱۲۴۔
[۱۱۳] عباس آزاد، ۲۰۰۹ء، میرا پیام اور ہے، کراچی، ص۴۔
[۱۱۴] شیرازہ، شمارہ ۱۰۔۱۲۔۲۰۱۰ء سرینگر
[۱۱۵] عباس آزاد، ص۴۔

[۱۱۶] مذکورہ، ص،۴

نیو ورلڈ آرڈر اور تنازعہ کشمیر

دوسری عالمی جنگ کے دوران برطانیہ اقتصادی طور نہ صرف کمزور بلکہ پر عالمی لیڈر شپ سے بھی محروم ہوگیا۔ حقیقت میں دنیا کا سیاسی منظر نامہ یک لخت بدل گیا۔ امریکہ اور روس نئی عالمی طاقتیں بن کر ابھر رہی تھیں۔ دوران جنگ جو ممالک دو حصوں میں بٹ گئے تھے، اُن کو اپنے اپنے دائرۂ اثر میں لانے کے لئے اِن دونوں طاقتوں نے کوششیں شروع کی تھیں۔

برطانیہ کی اس اقتصادی اور سیاسی بدحالی سے بھارت کی جنگ آزادی میں سُرعت پیدا ہوگئی[1]۔ جس نے وقت ضائع کئے بغیر امریکہ کے اشتراک سے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا نعرہ دیا[2]۔ تاکہ سیاسی اور اقتصادی منصوبوں کی کامیابی کے لئے نہ صرف راہ ہموار ہوجائے بلکہ اس کی بالادستی دوبارہ قائم ہوجائے۔ سب سے پہلے ہندوستان کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا[3]۔ حالانکہ قراردادِ پاکستان پاس ہونے سے قبل ہی تقسیم ہند کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مذہبی بنیادوں پر تفرقہ ڈالنے کا آغاز ہوا تھا[4]۔ پی کے نگم کا کہنا ہے کہ انگریز ۱۸۸۸ء سے ہی مسلمانوں اور ہندوؤں کو تقسیم کرنے کے درپے تھے۔ انگریزوں کی بدنام زمانہ پالیسی ''Divide and Rule'' کی وجہ سے کانگریس اور مسلم لیگ کے آپسی اختلافات دشمنی میں تبدیل ہوئے۔ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے تئیں کدورت، بدگمانی اور بداعتمادی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ بقول جناح صاحب انگریزوں نے دونوں میں وقتاً فوقتاً زبردست فرقہ وارانہ فسادات

---

1. Narendra Singh Sorile, 2005, The Shadow of the Great Game-The Unt..d story of India's Partition, New Delhi, P. 25.

۲۔ ولیم الیکزنڈر براؤن، ۲۰۰۹، بغاوت گلگت، مترجم......ظفر حیات پال، گلگت، ص ۱۹۔

3. Sunset; New Republic, vol. cxvi, March, 1947, P. 236.

۴۔ کانجی دوآرکاداس، ۱۹۷۰ء، محمد علی جناح، دلی، ص ۹۳-۱۱۰۔

بھی کروائے ۵۔ ان حالات میں تقسیم بھارت کا منصوبہ کامیابی کی طرف بڑھتا نظر آنے لگا ۶۔ اُن کی یہ کوشش بھی کامیاب رہی کہ کانگریس اور مسلم لیگ میں کبھی کوئی سیاسی اتفاق پیدا نہ ہوے ۷۔ جب کانگریس اور مسلم لیگی رہنما ہندوستان کو تقسیم کرنے پر راضی ہوئے ۸۔ تو برطانیہ کو برصغیر اور مشرق وسطیٰ میں اپنی اجارہ داری یقینی نظر آنے لگی۔ اس سلسلے میں برطانوی خارجہ سیکریٹری لیبر پارٹی کے مندوبین سے یوں مخاطب ہوئے تھے:

"Ernest Bevion. the British foreign secretary stated that the division of India, would help to consolidate Britain in the Middle East,"۹

ساتھ ہی آزاد بھارت میں برطانوی مفادات کو سویت یونین سے زبردست خطرہ لاحق ہونے کا اندیشہ بھی ظاہر کیا جارہا تھا۔ جس کا مقابلہ کرنے کے لئے برطانیہ نے ایک منصوبہ تیار کیا جس کو " The strategic vantage on commnunism and Islam" نام دیا گیا ۱۰۔ ایک "ٹاپ سیکرِٹ" کے مطابق برطانیہ اور امریکہ متفق تھے کہ برصغیر اور وسطیٰ ایشیاء میں ان کے مفادات کی نگہداشت کے لئے دنیا کے نقشے پر ابھرنے والا ملک پاکستان انتہائی اہمیت کا حامل ہوگا ۱۱۔ جہاں برطانیہ خلیجی ممالک کی "حفاظت" کے لئے "ایئر بیس" قائم کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا ۱۲۔ وہیں ان کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر سویت یونین سے ملنے والی

---

۵ کرشن دیو سیٹھی، تقسیم ہند...... اس حمام میں سب ننگے، کشمیر اعظمیٰ، ۱۰ ر ستمبر ۲۰۰۹، سرینگر۔

6. P.K. Nigam, 14 August, 2009. The True History of Independence and partition of India.Internet.

۷ کانجی دور آر کا داس، ص ۱۴۔

8. Syed Sharifuddin Pirzada, 1969, Foundation of Pakistan: All India Muslim League Documents. 1906-1947. Vol. II. Dacca, P. 341.

9. Narendra Singh Sorile, P. 15.

10. Olaf Caroe, 1967. Soviet Empire, London, P. XVIII

11. Top secret Cos memorandum, 7 July, 1947. TP(47) 90-final (oic), British Library, London, cited in Narendra Singh Sorile, P. 28. C. Dasgupta, P. 17.

12. C. Dasgupta, P. 17-18.

سرحدوں سے گذرنے والے راستوں کی نگرانی کریں ۱۳۔ سب سے اہم راستہ ریاست جموں وکشمیر کے علاقہ گلگت سے گذرتا تھا۔ جہاں سے سویت یونین کی فوجیں بہت کم وقت میں اور بڑی آسانی کے ساتھ ہندوستان اور افغانستان تک پہنچ سکتی تھیں ۱۴۔ زمانہ عتیق میں وسط ایشیاء اور چین کو دنیا سے ملانے والا یہ واحد راستہ تھا۔ حکومت انگلیشہ کو ہمیشہ یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کہیں روس ہونزہ کے راستے سے ہندوستان پر حملہ نہ کرے ۱۵۔ لہٰذا اینگلو امریکی پالیسی سازوں کا ارادہ تھا کہ سویت یونین کے گردونواح میں ایسا فوجی مرکز قائم کیا جائے جسے ان کے مفادات محفوظ رہ سکیں ۱۶۔ اس پس منظر میں کشمیر کی جغرافیائی پوزیشن انتہائی اہمیت کی حامل تھی۔ جس کا اندازہ راکیش انکت کے ان الفاظ سے ہوتا ہے:

> "Kashmir was understand to stand on the exposed edge of the Anglo American defensive system of Middle East and East Asia confronting to Soviet Union". ۱۷

اس راستے کی نگرانی اور تحفظ انگریزوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ کیونکہ جموں وکشمیر ریاست براہ راست تاج برطانیہ کے ماتحت نہیں تھی۔ لہٰذا مذکورہ سرحد کی حفاظت کرنا کشمیر حاصل کئے بغیر ناممکن تھا۔ یہ پیچیدہ مسئلہ حل کرنے کے لئے حکومت برطانیہ نے اپنے سیاسی اور فوجی ماہرین کی تجویز پر کئی خفیہ محاذوں پر کام شروع کیا ۱۸۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان کے مابین متنازعہ بنایا جائے۔ تاکہ برطانیہ اور

۱۳۔ محمد فاروق قریشی، ۱۹۸۷ء، ولی خان اور قرارداد پاکستان، لاہور، ص ۳۱۔

14. J. K. Banerji, 1948, A Report on Kashmir, Calcutta, P.2.

۱۵۔ ولیم الیکزنڈر براؤن، ص ۲۹۔

16. A.S.R. Chapri. 1965. The Kashmir Problem. New Delhi. P. 36-38.

17. Rakish Ankit, Great Britan, Cold War and Kashmir 1947-49, "Explusultre" Vol. I, Sep. 2009, Sydney, P. 40.

18. A.S.R. Chapri. P. 37.

امریکی مفادات کی نگہداشت ہو سکے [۱۹]۔ کشمیر کو متنازعہ بنانے میں برطانیہ نے خفیہ طور کس طرح کے اقدامات اٹھائے تھے، ان سے مکمل طور پردہ نہیں اُٹھا ہے۔ ایک مورخ کے مطابق انگریزوں نے پہلے طے کیا تھا کہ سویت یونین پر نظر رکھنے اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے شمالی کشمیر برطانیہ کے اثر ورسوخ میں ''آزاد'' رہے گا۔ شمالی کشمیر کے دفاعی معاملات میں محمد علی جناح نے انگریزوں سے اشتراک کی پہلے ہی حامی بھر لی تھی [۲۰]۔ تاہم مندرجہ بالا آراء کے فوراً بعد انگریزوں کی ایک اور خفیہ تجویز سامنے آ گئی۔ جس میں کشمیر کو آزاد رکھنے کی مخالفت کی گئی۔ جس کا اظہار ایک برقیہ میں یوں کیا گیا تھا:

''برطانیہ اور امریکہ کے مابین اُس وقت کی ایک ٹاپ سیکرٹ دستاویز کے مطابق مہاراجہ کشمیر کو نیم خودمختاری دینے سے بھی امریکہ اور برطانوی مفادات کی حفاظت نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ روسی سازشوں کی موجودگی میں خودمختار کشمیر قائم ہونے سے گلگت ایجنسی پر چین کے دعویٰ کا دروازہ بھی کھل سکتا ہے۔ شیخ عبداللہ کے کیمونسٹوں کے ساتھ رابطے ہیں اور کیمونزم گلگت کی طرف سے برصغیر میں بھی پھیل سکتا ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ ہم اپنے زیر نگین دونوں ریاستوں (ہندوستان اور پاکستان) کے ذریعہ پوری ریاست ایک سلطنت کے زیر تسلط دے کر اپنے مفادات کی نگرانی کریں'' [۲۱]۔

اس طویل برقیہ کا خلاصہ کرنل مرزا نادر حسن خان نے ''ولیم الیکزنڈر براون'' مترجم ظفر حیات پال کے دیباچہ میں بھی کیا ہے [۲۲]۔ جس سے تین باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ انگریز کشمیر کی آزادی کے بالکل مخالف تھے۔

۲۔ انگریزوں کو یقین تھا کہ کشمیر کو آزاد رکھنے کی صورت میں شیخ عبداللہ برطانیہ اور

---

۱۹ ولیم الیکزنڈر براوٗن، ص۱۹-۲۰۔

20. Narendra Singh Sorile, P. 33.

21. Top Secret report by Mountabatten about independent Kashmir, No. 1174, 16th March, 1948, K4 Kashmir Internet.

۲۲ ولیم الیکزنڈر براوٗن، ص۱۹۔

امریکہ کے بجائے روس کے زیادہ قریب ہونگے۔

۳۔ کشمیر کو ہندوستان یا پاکستان کی تحویل میں دیا جائے۔

تاریخی دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیر کو ایک مسئلہ بنانے میں امریکہ سے زیادہ برطانیہ کا عمل دخل رہا ہے۔ انکے ارادے اس بیان سے بھی ظاہر ہوتے ہیں:

"London was more worried about the independent Jammu and Kashmir." ۲۳

ٹاپ سیکرٹ دستاویز کو عملانے کا پہلا اشارہ اُس وقت دیکھنے کو ملتا ہے جب کیبنٹ مشن نے ہندوستان پہنچتے ہی شیخ محمد عبداللہ کا پیش کردہ میمورنڈم جس میں ''عوامی راج'' کا مطالبہ کیا گیا تھا، یکسر نظر انداز کر دیا ۲۴۔ اس کے بعد ایسے بیانات سامنے آنے لگے جواُن ریاستوں کے خلاف تھے جو آزاد رہنے کی پالیسی پر گامزن تھیں ۲۵۔ جن میں جموں و کشمیر، حیدر آباد اور جونا گڑھ سر فہرست تھے۔ مگر انگریزوں کی نگاہیں بدستور کشمیر پر مرکوز تھیں۔ اس لئے وائیس رائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن مہاراجہ ہری سنگھ سے ملنے سرینگر آئے۔ تاکہ انہیں ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق پر آمادہ کیا جائے ۲۶۔ مہاراجہ الحاق کے متمنی نہ تھے اس لئے انہوں نے وائیس رائے کو خوبصورتی سے ٹال دیا ۲۷۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہوا کہ مہاراجہ ہری سنگھ اپنے ذاتی ایجنڈا کو عملہ جامہ پہنانے پر بضد ہیں۔ اس کے باوجود وہ کوشش کرتے رہے کہ کشمیر کے تئیں انگریزوں کی خفیہ پالیسی جاری رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ پھر اس نے اپنے چیف آف سٹاف لارڈ ہیسٹنگ اسمے کو

---

23. Afzal Thair, The Kashmir Conflict.Internet.
24. Lord Birdwood, 1956, Two Nations and Kashmir, London, PP. 22-23, 67-68. H. L. Saxena, P.456.
25. Sisir Gupta, 1967, Kashmir: A Study in India-Pakistan Relations, Bombay, PP. 76-77.
26. V.P. Menon, 1956, The story of integration of the indian states, Calcutta , P. 394.
27. Alam Campbell-Johnson, 1951, Mission with Mountbatten, London, P. 120.

سرینگر روانہ کیا۔ مگر مہاراجہ نے اس کو بھی ٹال دیا۔ بقول اسے ''میں نے جب بھی کشمیر کے مستقبل پر بات کی تو مہاراجہ کوئی دوسری بات چھیڑتے رہے۔ میں نے کئی بار اپنی بات دہرائی لیکن وہ دوسرے مہمانوں کی طرف راغب ہوتے رہے ۲۸۔ وائیس رائے نے مہاراجہ کشمیر پر اپنا فیصلہ مُسلط کرنے کے لئے وزیراعظم رام چند کاک کی انگریز بیوی کا سہارا لینے سے بھی گریز نہیں کیا۔ لیکن ......!۲۹۔ حالانکہ رام چند کاک نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے یہ سوال کیا تھا کہ کشمیر کو کس ملک کے ساتھ الحاق کرنا چاہئے جنہوں نے براہ راست جواب دینے سے گریز کیا۔ وائیس رائے کی خواہش تھی کہ جغرافیہ اور سیاسی صورتحال کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے۔ کاک نے پھر اپنا سوال دہراتے ہوئے کہا کہ آپ کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ کروانا چاہتے ہیں جو کبھی ہو نہیں سکتا اور نہ ہی ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق ممکن ہے ۳۰۔ اس حوالہ سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ''فریڈم ایٹ مِڈ نائٹ'' کے مصنفین کو ۱۹۸۴ء میں ایک ملاقات کے دوران کہا کہ مہاراجہ کشمیر آزاد رہنا چاہتا تھا جبکہ ان کی ذاتی رائے یہ تھی کہ کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہونا چاہئے ۳۱۔

انگریزوں کی خفیہ پالیسی اس وقت بے نقاب ہوئی جب ریڈکلف نے بونڈری کمیشن ممبران کی رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے سرحدوں کی من پسند حد بندی عمل میں لائی ۳۲۔ اس طرح ایک سازش کے تحت گورداسپور جو ''پارٹیشن ایگریمنٹ'' کی رو سے پاکستان کا حصہ ہونا چاہئے تھا، ہندوستان کو دیا گیا۔ اس کا اعتراف ریڈکلف کے سیکریٹری کرسٹوفر بیو ماؤنٹ نے پنتالیس سال بعد کیا ۳۳۔ اس سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھارت کو

28. Lord Ismay, 1960, The Memoirs of General -The Lord Ismay, London, P. 433.
29. Narender Seghal, Converted Kashmir: Memorial of mistakes.Internet.
30. A.G. Noorani, Kak and Sheikh, 25 August, 2010, The Hindu archives.
31. Ibid.
32. M.C. Mahajan, 1963, Looking Back, P. 77.
33. Dawn, 25 Feb. 1993, Karachi.

کشمیر تک رسائی حاصل ہوگئی۔ جس سے برطانیہ کی یہ خواہش کہ کشمیر دو ملکوں کے درمیان متنازعہ بن جائے، پوری ہوئی۔ چنانچہ پیارے لال کول لکھتے ہیں:

"The British government was also interested in India's road link with Kashmir in order to convert Kashmir into a bone of contention between India and Pakistan". ۳۴

گورداسپور سازش میں اگر چہ کانگریس کا بھی ہاتھ تھا۔ تاہم حتمی فیصلہ ماؤنٹ بیٹن اور ریڈکلف نے ہی کیا تھا۔ بیو ماؤنٹ لکھتے ہیں:

''......انہیں (بیو ماؤنٹ کو) ماہرانہ انداز میں ایک ایسے ظہرانے سے الگ کر دیا گیا جس میں ماؤنٹ بیٹن اور ریڈ کلف نے اس مسلم اکثریتی علاقے کو پاکستان کے بجائے بھارت میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا'' ۳۵۔

روہت کمار ریڈکلف ایوارڈ کے بارے میں رقمطراز ہے:

"There is a charge that Lord Radclif was given a bribe of 6 crore Rupees by the Indian National Congress supporters to unfair/ illegally award Ferozpur and Gurdaspur to India". ۳۶

ہندوستان کو گورداسپور حاصل کرنے کے لئے لاہور اور اُس کے نواحی علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا ۳۷۔ مختلف اوقات میں طرح طرح کی جو تجاویز اور فیصلے سامنے آتے رہے ہیں اُن سے ایک بات صاف ہو جاتی ہے کہ ۱۹۴۷ء تک کشمیر کے تئیں انگریزوں کی کوئی واضح پالیسی نہیں تھی۔ تقسیم ہند اور کشمیر کے حوالہ سے انہوں نے افراسیابانہ رول ادا کیا ہے۔ جس کی وضاحت محمد فاروق قریشی کے اِن الفاظ سے ہوتی ہے:

34. Pyarelal Koul, 1991, Crisis in Kashmir, New Delhi, P.42.

۳۵۔ الیسٹر لامن، تقسیم کی حقیقت سے آشنا، اطلاعات، ۲ فروری ۲۰۰۸، سرینگر۔

36. Kashmir: India Clams that Original Article of Accession is now lost as it ever existed. Internet.

37. Pyarelal Koul, 1991, Crisis in Kashmir, New Delhi, P.42.

''انگریز کے ظاہر و باطن میں دنیا کا فرق ہے۔ اس مہذب، شائستہ، بااخلاق اور باکردار انگریز کی حالت ہو بہو ''ڈاکٹر جیکل اور مسٹر ہائیڈ'' جیسے فرد کی ہے جو ایک طرف مخلوق خدا کا دوست اور ہمدرد ہے مگر دوسرے روپ میں وہ ایک وحشی درندہ صفت انسان ہے''۳۸۔

تاریخ کی ورق گردانی سے بعض ایسے اشارے بھی ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم ہند کے ساتھ ہی انگریزوں کی کشمیر پالیسی میں ٹھہراؤ آ گیا جب انہوں نے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشمیر کو متنازعہ بنانے کی خفیہ کاروائی شروع کی۔ ایلسٹر لیمب کہتے ہیں کہ برطانیہ نے ۱۹۴۷ء میں اگر کوئی دوسری پالیسی اپنائی ہوتی تو کشمیر کا مسئلہ پیدا نہ ہوتا ۳۹۔ بہ الفاظ دیگر اگر یہ کہا جائے کہ کشمیر کا مسئلہ انگریزوں کا پیدا کردہ ہے تو قطعاً غلط نہ ہوگا۔

خفیہ گیم پلان کے تحت کشمیر کو متنازعہ بنانے کی سب سے اہم اور فیصلہ کن سازش قبائلی حملے میں مضمر تھی۔ جس کا مقصد کشمیر کے ٹکڑے کرنا تھا۔ جی کے ریڈی ''عظیم سازش'' میں لکھتے ہیں کہ کشمیر پر قبائلی حملے کا منصوبہ برطانیہ اور امریکہ نے مشترکہ طور تیار کیا تھا ۴۰۔ ایک اور مورخ کا دعویٰ ہے کہ قبائلی حملے میں برطانیہ، امریکہ اور پاکستان برابر کے شریک تھے ۴۱۔ امریکہ نے پاکستان کو جنگ میں باضابطہ مدد دینے کی پیشکش کی تھی بشرطیکہ واشنگٹن کو کشمیر میں ''ایئر بیس'' قائم کرنے کی اجازت دی جائے ۴۲۔ امریکہ کا ملوث ہونا یوں بھی ثابت ہے کہ ایک امریکی فوجی آفیسر روسل ہائیٹ نے قبائلی لباس پہن کر قبائلیوں کی قیادت کی تھی ۴۳۔

۳۸۔ محمد فاروق قریشی، ص ۱۲۱۔
39. Alastair Lamb, 1992, Kashmir a disputed legacy, Lahore, P.2.
40. Weakly Blitz, June 9, 1948, Bombay. Zahid Chodhury, P. 337.
41. Y. V. Gamkovsky, L.R. Gordon Palonskaya, 1964, A History of Pakistan, Mascow, P. 108.
42. M.S.M. Sharma, 1954, Peeps into Pakistan, Patna, P. 196.
43. New Times, Oct. 13, 1965.

اگر انگریز سامراج سویت یونین سے نمٹنے کے لئے گلگت پر قبضہ کرنا ضروری سمجھتے تھے تو قبائلیوں کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں تھا۔ اس کے بجائے قبائلیوں کو کشمیر وادی کی طرف ہانکا گیا۔ جس کا مقصد کشمیر کو تقسیم کر کے متنازعہ بنانے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ تاکہ ہندو پاک پر اینگلو امریکی بالادستی قائم رہنے کے ساتھ ساتھ دخل اندازی بھی جاری رہے۔

قبائلیوں نے انتہائی سُرعت کے ساتھ کشمیر کے ایک حصے پر قبضہ کیا۔ اس پر انگریزوں نے جہاں ایک طرف پراسرار خاموشی اختیار کی وہی دوسری طرف اپنی پالیسی پر خفیہ طور کام کرنے کے لئے جنرل کننگھم، سر فرانسس مودی، جنرل میسروی، جنرل گریسی، ولیم الیکزنڈر براؤن وغیرہ جیسے لوگوں کو معمور کیا گیا۔ اس کے علاوہ جن ریاستوں نے ابھی الحاق نہیں کیا تھا ان میں مقیم برطانیہ کے سیاسی ایجنٹوں کو بھی فسادات بھڑکانے کی تاکید کی گئی تھی ۴۴۔ حکومت پاکستان میں چھوٹے بڑے سول اور فوجی انگریز افسران جن کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی، کی موجودگی بھی برطانیہ کی خفیہ کشمیر پالیسی کا حصہ تھی۔ جس پر وہ جولائی ۱۹۴۶ء سے ہی عمل پیرا تھے ۴۵۔ جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وائیس رائے ہند مقرر کیا گیا تو انہیں اسی ایجنڈے پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت دی گئی ۴۶۔ چنانچہ وائیس رائے نے تقسیم ملک کی صورت میں فرقہ وارانہ فسادات بھڑکنے کا خدشہ ظاہر کیا اور ساتھ ہی ان پر قابو پانے کی آڑ میں انگریز فوجی افسران کا برصغیر میں موجود رہنا ضروری قرار دیا۔ اس کی حمایت محمد علی جناح ۴۷ اور لیاقت علی خان ۴۸ نے اولین فرصت میں کی۔

کشمیر کو پاکستان میں شامل کرنے کی بیحد متمنی مسلم لیگی رہنماؤں میں لیاقت علی خان، عبدالرب نشتر، غلام محمد، میاں افتخارالدین، میاں افتخار حسین خان ممدوت، سردار

44. H.L. Saxena, 1975, The Tragedy of Kashmir, New Delhi, P. 479.
45. Wavell to Pethick-Lawrence, 13 July, 1946.cited, C. Dasgupta, PP. 13-15.
46. C. Dasgupta, P. 14.
47. Hector Bolitho, 1954, Jinnah-creator of Pakistan, U.S.A, P. 199.
48. M.N. Lumbay, E.W.R and Moon, E. P (Eds.) , 1970-83, The Transfer of Power, 1942-47, vol. VIII, London P. 126.

شوکت حیات خان، خان عبدالقیوم خان اور خورشید انور ایسی شخصیتیں شامل تھیں جن میں نظم وضبط اور رابطے کی بے حد کمی تھی۔ ہر لیڈر کا اپنا گروپ تھا جو آزادانہ طور کام کر رہا تھا۴۹۔ اگر چہ ان کا مذکورہ بالا انگریز فوجی افسروں کے ساتھ کسی حد تک رابطہ تھا تاہم موخرالذکر مسلم لیگی رہنماؤں کی نااتفاقی میں اپنی فتح کے متلاشی تھے۵۰۔ آغا ہمایوں امین لکھتے ہیں کہ شوکت حیات خان، افتخار الدین اور خورشید انور براہ راست قائداعظم کے احکامات پر عمل کرتے تھے۵۱۔ انور اپنے رشتہ دار وزیر مالیات غلام محمد کے ماتحت کام کرتا تھا۵۲۔ اکبر خان کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ خان عبدالقیوم خان کے اشاروں کے منتظر رہتے تھے جبکہ موخرالذکر کے بارے میں یہ رائے ہے کہ ان کو براہ راست قائداعظم سے ہدایت ملتی تھیں۵۳۔ لیگ کی ناقص اور ڈانواڈول پالیسی انگریزوں کے کشمیر ایجنڈا پر اثر انداز نہ ہوسکیں۔ انہی وجوہات کی بنیاد پر قبائلی پورے کشمیر پر قبضہ نہ کر سکے۵۴۔ چنانچہ انگریزوں کی یہ کوشش کہ کشمیر کسی ایک ملک کے پاس نہ رہے بلکہ تقسیم ہوجائے، کامیاب ہوگئی۔ ایک پاکستانی مورخ رقمطراز ہیں کہ مسلم لیگ اور پاکستانی سرکار پر برطانوی سامراج پٹھو بیوروکریسی نے اتنے پر پھیلائے تھے کہ وہ جب اور جہاں چاہتے، اپنی ریشہ دوانیوں میں کامیاب ہوجاتے تھے۔ نیز برطانوی سول اور فوجی افسر بھی کشمیر کی جنگ آزادی کو سبوتاژ کرنے کے درپے تھے کیونکہ انگریز سامراج کا منشا اور فیصلہ یہی تھا۵۵۔

چنانچہ جب صوبۂ سرحد میں قبائلیوں کو کشمیر کی جانب راغب کرانے کی کوششیں کرائی جارہی تھیں تو گورنر کننگھم نے اس پر صدائے احتجاج بلند نہ کی۔ اس خاموشی سے

---

49. Bhaskar Anand, 1956, The Kashmir Cauldron, Simla, p.6,
50. H.L. Saxena, P.479.
51. Agha Hamayun Amin, 1999, The Pakistan Army till 1965, Lahore, P.89.
52. Andrew whitehead, P.53.
53. Agha Hamayun Amin, P. 58-59.
54. Andrew Whitehead, P. 45.
۵۵۔ زاہد چودھری ۱۹۹۹، پاکستان کی سیاسی تاریخ، جلد ۳، لاہور، ص ۱۶۸

یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ گورنر موصوف ایک طرف برطانیہ اور امریکہ کے ''نیو ورلڈ آرڈر'' پر کام کرر ہا تھا تو دوسری طرف پاکستان کے اس احسان کا بدلہ چکا رہا تھا جو جناح صاحب نے اُس پر کیا تھا۔ جب موخرالذکر نے لارڈ اسمے سے گذارش کی تھی:

"I want Sir Archibald Rawands to be my financial adviser, I want sir George Cunninghum to be the governer of the North West Frontier ; I want Sir Francis Mudie to be governer of West Punjab; I want ...." ۵۶

گورنر کننگھم نے اس وقت بھی خاموشی اختیار کی جب ۱۳/اکتوبر کو قبائیلیوں کی نقل و حرکت سے متعلق پاکستان کے قائم مقام فوجی سربراہ جنرل گریسی نے اُن کی توجہ مبذول کرائی ۵۷۔ گورنر موصوف ۲۰/اکتوبر رات گیارہ بجے تک تماشائی بنے رہے یہاں تک کہ قبائیلیوں کی بھاری تعداد گاڑیوں میں سوار ہو کر ایبٹ آباد پہنچ گئی۔ جہاں وہ کشمیر پر حملہ کرنے کے غرض سے ۲۱/اکتوبر کی صبح جو حملے کا ڈی ڈے تھا، کا انتظار کر رہے تھے۔ گورنر کننگھم نے ۲۰/اکتوبر کی رات قبائیلیوں کو روکنے کا حکم دیا۔ غالباً وہ تب تک اپنے آقاؤں کے اشارے کے منتظر تھے۔ اس سے بڑھ کر حیران کُن بات یہ ہے کہ گورنر کننگھم نے ۲۰/اکتوبر کی رات کو ہی ہندوستانی آرمی کے انگریز کمانڈر انچیف کو قبائیلیوں کی کشمیر روانگی سے متعلق معلومات فراہم کی تھیں ۵۸۔ واضح ہے کہ پاکستان میں موجود انگریز افسران وہاں کی حکومت کو کشمیر پر قابض ہونے کے لئے بظاہر ہر ممکن تعاون کا یقین دلاتے رہے مگر جب پاکستان کسی محاذ پر آگے بڑھنے لگتا تو اپنی مخصوص حکمت عملی سے ان کی فتح کو شکست میں بدل دیتے اور پھر حوصلہ افزائی کرتے ۵۹۔ اس طرح کا منافقانہ رول ادا کرنا ہمیشہ انگریزوں کا وطیرہ رہا ہے۔ جنرل کننگھم اور ان کے ساتھی جو کام انجام دے رہے

56. Hector Bolitho, 1954, Jinnah-creater of Pakistan, U.S.A, p. 199.
57. Andrew whitehead, p. 54.
58. Zahid Chodhuri, P. 168.
59. White paper on J&K Dispute, Ministry of Foreign Affairs, Government of Pakistan, 1977, Islamabad, P. 117.

تھے اس کی تکمیل کے لئے ریڈ کلف لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لیگ بھی اپنی جگہ مصروف عمل تھے ۶۰۔ قبائلی حملے کے جواب میں مہاراجہ کشمیر نے جب ہندوستان سے فوجی امداد طلب کی تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو نہ صرف کانگریس کی دلجوئی کرنے کا موقع ملا ۶۱ بلکہ کشمیر کو مکمل طور متنازعہ بنانے کا سنہری موقع بھی ہاتھ آیا ۶۲۔ ماؤنٹ بیٹن نے فوری طور فوجی امداد بھیجنے کی حامی نہیں بھر لی بلکہ اس نے آرمی آفیسروں سمیت ڈی این کا چرو کو وی پی مینن کے ہمراہ حالات کا جائزہ لینے کے لئے سرینگر روانہ کیا۔ اس تاخیر کے بارے میں ایچ ایل سکینہ رقمطراز ہے:

" The real purpose of Lord Mountbatten behind this move was to try to dely military assistance to the Jammu and Kashmir state from India until such time as the Pakistani raiders required to reach Srinagar, so that the state could be got merged into Pakistan under duress". ۶۳

''نیو ورلڈ آرڈر'' جیسے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی غرض سے الحاق کو نہ صرف عارضی قرار دیا بلکہ یہ شرط بھی رکھی کہ امن و امان قائم ہونے کے بعد ریاست کے لوگ رائے شماری کے ذریعہ خود اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں گے ۶۴۔ انگریزوں کی یہ منافقانہ پالیسی اس وقت بھی جاری رہی جب ۲۶ راکتوبر کی شام کو سرزمین کشمیر پر بھارتی فوج اتارنے کا حتمی فیصلہ ہوا تو ہندوستان کے انگریز فوجی سربراہ نے فوراً یہ اطلاع پاکستان

---

60. Alastair Lamb, 1994, Birth of a Tragedy : Kashmir 1947, Oxford, PP. 74, 107 - 8.
61. Ibid, P. 148.
62. Mushahid Hussain, 1992, The Kashmir Issue, its new International Dimensions in perspectives on Kashmir, London, P. 349.
63. H.L.Saxena, P. 509
64. P.L. Lakhanpal, 1965, Essential Documents and notes on Kashmir dispute, New Delhi, P.57. H.L. Saxena, PP.509-513.

کے قائم مقام کمانڈر انچیف جنرل گریسی کو پہنچائی مگر موخر الذکر نے اس راز کو راز ہی رکھا ۶۵۔ حتیٰ کہ قائداعظم کو بھی اس سے باخبر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی ۶۶۔ ۲۷ راکتوبر کی صبح بھارتی فوج واردِ کشمیر ہوئی تو جناح صاحب کو بعد دو پہر اس کا علم ہوا۔ انہوں نے فوراً پنجاب کے گورنر سر فرانسس موڈی کی وساطت سے سر ڈگلس گریسی کو پہلے راولپنڈی سرینگر اور پھر سرینگر جموں روڑ کے درہ بانہال پر قبضہ کرنے کا حکم دیا ۶۷۔ لیکن گریسی نے آکن لیک کی اجازت کے بغیر ایسے حکم نامے کی بجا آوری سے معذوری ظاہر کی ۶۸۔ گریسی کی یہ حرکت آئینی طور حکومت پاکستان کے خلاف بغاوت تھی۔ مگر اس نازک موڑ پر جناح صاحب کی مجبوری یہ تھی کہ انہوں نے خود ان شاطر انگریز افسروں کو پاکستان کا سول اور فوجی ڈھانچہ مستحکم بنانے کے لئے درآمد کیا تھا۔ اس طرح ان احسان فراموش انگریزوں نے اپنے محسن سے غداری کی۔ ہندوستان اور پاکستان میں تعینات سبھی انگریز افسران اپنی خفیہ پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ملک کے اہم راز ایک دوسرے کو منتقل کرتے رہے۔ اگر گریسی نے وفاداری کا ثبوت دے کر جناح صاحب کو بروقت مطلع کیا ہوتا کہ بھارتی افواج کشمیر میں وارد ہو رہی ہے تو آج برصغیر کی سیاسی جغرافیہ مختلف ہوتی اور کشمیر کے شب و روز وہ نہیں ہوتے جو آج ہیں۔ بھارتی افواج کے مقابلے میں قبائلیوں کی پسپائی اور گریسی کا جوابی حملہ سے انکار کرنے پر صوبہ سرحد کے گورنر جنرل کننگھم نے جناح صاحب سے منظوری حاصل کرنے کے بعد قبائلی لباس میں پاکستانی فوجی افسروں کی نگرانی میں قبائلیوں کی مذید کمک کشمیر بھیج دی ۶۹۔ لیکن پھر بھی ہندوستانی فوج کا پلہ بھاری رہا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اپریل ۱۹۴۸ء میں گریسی نے محمد علی جناح کو پاکستانی فوج بھیجنے کا حکم نامہ تسلیم کیا ۷۰ جب بہت دیر ہو چکی تھی۔ گریسی نے جناح

65. Prem shankar Jha, 1996, Kashmir–1947, Delhi, P.101.
66. White paper on J&K Dispute, Ministry of Foreign Affairs Government of Pakistan, P.17.
67. Lord Birdwood, P.83- H.V. Hodson, P. 457.
68. K.H. Khurshid, 1990, Memories of Jinnah, Karachi, P.83.
69. Andrew whitehead, p. 136.
70. Pakistan Observer: Jinnah's Role in Tribal Invasion on Kashmir.Internet.

صاحب کا ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں اجراء ہوا حکم نامہ چھ مہینے کے بعد عملانے کی حامی کیوں بھرلی، ابھی تک معمہ بنا ہوا ہے۔ تعجب ہے کہ حکم عدولی کے باوجود بھی جناح صاحب نے صرف چار مہینے گذرنے کے بعد اُس کے حق میں عزت افزائی کے احکامات یوں صادر کئے:

"Jinnah promoted him as Pakistan's second commander-in-chief in Feberuary 1948 which is several months after he allegedly mutinied. Gracy was C-in-C till 1951 when Ayub Khan took over" ۱ے

ایسی کارکردگی سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان اس سارے علاقے پر قابض ہوگیا ہوتا جس سے قبائیلیوں نے زیر کیا تھا۔ جو ہندوستان کی اخلاقی اور قانونی ذمہ داری بھی بنتی تھی۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ کیونکہ دونوں طرف کی فوجیں ایک ہی کمانڈ میں کام کرتی تھی۔ وہ ان احکامات کو عملانے میں شدومد سے مصروف تھے جو انہیں اپنے آقاؤں سے ملتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جنگ بندی کے موقعہ پر دونوں طرف کی فوجیوں نے یوں خوشی محسوس کی تھی:

"Both the Indian and Pakistani army those days were still under the British control and they handshake at todays line of control and cease fire was declared". ۲ے

متعلقہ دستاویزات کا سنجیدگی سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جس طرح برصغیر میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکانے کی سازش میں براہ راست انگریز ملوث تھے، اسی طرح کشمیر کو متنازعہ بنانے اور اس کے ٹکڑے کرنے میں بھی اُن کا ہاتھ تھا، جس کا اعتراف تریسٹھ سال کے بعد برطانوی وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون نے اسلام آباد میں ایک تقریب کے دوران کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ:

"برطانیہ دنیا بھر میں موجود کئی تاریخی مسائل کا ذمہ دار ہے۔ جس میں ---

---

71. Ibid.

72. Kashmir Problem-Bloody Politics by Britain and blunder by Nehru.great thinker blogs on sulekha, Internet.

جموں وکشمیر بھی شامل ہے"۳ ۷ے

انگریزوں کو اس بات کا قطعاً احساس نہ ہوا کہ تقسیم ہند، تقسیم کشمیر اور اسے بڑھ کر لاکھوں انسانوں کا قتل عام ان کی خودغرضی اور غلط پالیسیوں کا نتیجہ تھا۔ ہندوستان کو الوداع کہتے وقت تاج برطانیہ کے آخری نمائندہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے مندرجہ ذیل الفاظ سے یہی کچھ واضح ہوجاتا ہے:

"I don't care what is said about my work in India, during my lifetime; I care what my great children may say and think". ۷۴ے

حق تو یہ ہے کہ اصل معاملہ گلگت کا تھا جس کے باعث ملکِ کشمیر متنازعہ بن گیا۔ مورخین کی خاصی تعداد یہی رائے رکھتے ہیں ۷۵ے کہ اس علاقے کو انگریز ہر حال میں پاکستان کے ساتھ ملانا چاہتے تھے۔ خواہ انہیں اس کے لئے کسی بھی حد تک کیوں نہ جانا پڑتا ۷۶ے۔ اگرچہ یہ منصوبہ جنرل کننگھم نے تیار کیا تھا ۷۷ے لیکن اسکو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ دار گلگت سکاوٹس کے کمانڈنٹ میجر جنرل ولیم الیگزنڈر براؤن کو سونپی گئی تھی۔ یہ شخص انتہا درجہ کا متعصب، غدار، سازشی اور جاسوس تھا ۷۸ے۔ جس کے بغیر گلگت کا علاقہ ہندوستان میں شامل ہونا ناممکن تھا ۷۹ے۔ جنرل براؤن کشمیر کے ڈوگرہ فوج میں اہم عہدہ دار تھے۔ اُس کو مہاراجہ ہری سنگھ نے اگست ۱۹۴۷ء میں گلگت میں تعینات فوج کا سربراہ مقرر کیا تھا۔ مہاراجہ اس حقیقت سے لاعلم تھے کہ براؤن ایک بہت بڑی سازش کا حصہ ہے۔ عہدہ سنبھالتے ہی براؤن نے خفیہ طور اپنا کام شروع کیا۔ اولین فرصت میں اس نے حکومت کے کلیدی عہدہ داروں سے اچھے تعلقات قائم کئے۔ وہ مسلمان فوجی افسروں

۷۳ے ریڈیو پاکستان کا نیوز بلٹن، ۱۶/اپریل، روزنامہ جنگ، ۱۷/اپریل ۲۰۱۱ء۔

74. Hector Bolitho, P. 177.

75. H.L. Saxena, P. I

۷۶ے ولیم الیگزنڈر براؤن، ص ۳۱۳۔

۷۷ے مذکورہ، ص ۱۴۔

۷۸ے مذکورہ، ص ۱۵-۲۱۔

۷۹ے مذکورہ، ص ۲۸۔

کے قریب آئے۔ان کے سامنے غیر مسلم فوجیوں کی برائی کرتے رہے۔اس طرح فوج میں فرقہ وارانہ جذبات کو ہوا دی۔ یہاں تک کہ مہاراجہ اور گلگت کے گورنر گھنسار سنگھ کے خلاف بھی نفرت کے بیج بوئے۔ بعض عہدہ داروں کو ورغلا کر اپنے خفیہ ایجنڈے کو تقویت بخش دی۔ براؤن کے جھانسے میں بہت سے سول اور فوجی آفیسر آئے جن میں کیپٹن حسن خان بھی شامل تھے۔ براؤن نے خان کو یقین دلایا تھا کہ گھنسار سنگھ کا تختہ اُلٹ کر گلگت کو ایک آزاد ریاست تسلیم کیا جائے۔ اُدھر ہری سنگھ نے لیفٹننٹ عبدالمجید کی سربراہی میں ڈوگرہ فوج کی ایک کُمک گلگت کے تحفظ کے لئے روانہ کی۔ جس میں مسلمانوں کی خاصی تعداد شامل تھی۔ یہ فوج سرینگر کے شمالی دروازہ سے باہر نکلتے ہی پاکستان کے حق میں نعرے بلند کرنے لگی۔ یہ بات شک وشبہات سے بالاتر ہے کہ مذکورہ فوج جنرل براؤن کی سازش سے جڑی ہوئی تھی۔ جب یہ فوج گلگت میں داخل ہوگئی تو ۳۱/اکتوبر ۱۹۴۷ء کی آدھی رات کو براؤن کی قیادت میں لیفٹننٹ عبدالمجید اور کیپٹن حسن خان نے مسلم افواج کی مدد سے گورنر ہاؤس پر حلہ بول کر گھنسار سنگھ کو گرفتار کیا۔ ساتھ ہی حسن خان نے سکاؤٹس کی مدد سے بونجی، ہونزہ، نگر، یاسین، گپس، استور، گریز یہاں تک کہ تراگہ گل تک کا علاقہ قبضے میں لایا۔ اس کے فوراً بعد کیپٹن حسن خان نے ایک آزاد عبوری حکومت تشکیل دی مگر اس کا یہ خواب چند گھنٹوں میں ہی چکنا چور ہوا جب جاسوس براؤن نے پشاور میں مقیم اعلیٰ سرکاری عہدہ داروں کو یہ خفیہ اطلاع دی کہ اُس نے گلگت پر قبضہ کیا ہے اور اس کا الحاق پاکستان کے ساتھ عمل میں آیا ہے ۸۰۔ ہمہ وقت کچھ روٴسا اور امراء کی درخواست بھی حکومت پاکستان کو موصول ہوئی۔ جس کے جواب میں پاکستانی حکام نے اپنے ایک نائب تحصیلدار کو سیاسی نمائندہ بنا کر گلگت بھیجا۔ جس نے گلگت کو باضابطہ طور پاکستان میں شامل کرنے کا اعلان کیا۔ اس طرح علاقہ کی پندرہ روزہ آزادی سلب کی گئی ۸۱۔ ایسا کارنامہ انجام دینے پر حکومت پاکستان نے براؤن کو ستارہ امتیازؒ سے نوازا۔ براؤن کی جاسوسانہ کارکردگی کے متعلق سردار شوکت علی کشمیری اپنی تصنیف

80. H.L. Saxena, p.543.

۸۱۔ محمد مقبول ساحل، ۲۰۱۱، متنازعہ کشمیر.....تاریخ کے آئینے میں، سرینگر، ص ۱۵۱۔

''چناروں کے سائے'' میں لکھتے ہیں:

''......اُس نے گلگت بلتستان پاکستان کے سپرد کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ میجر براؤن نے چلاس اور دیگر علاقہ جات کے دورے کے دوران وہاں کے لوگوں کو یہ کہہ کر ورغلایا تھا کہ آپ لوگ ایک ہندو راجہ کے تسلط میں کیوں رہنا چاہتے ہیں، جبکہ ہم نے آپ کے لئے ایک اسلامی ریاست قائم کی ہے۔ جہاں مسلمان نہایت عزت و احترام کے ساتھ رہ سکیں گے۔ گلگت سکاؤٹس کو بھی ورغلایا گیا اور وہاں کا خزانہ انگریزوں نے مہاراجہ کے سپرد کرنے کے بجائے لوٹ لیا۔ مسئلہ کشمیر کی طویل تاریخ کے کسی بھی گوشے کو لیجئے اس کی پیدائش کے پس پردہ برطانوی نوآبادیاتی سازشوں کا ہاتھ نظر آئے گا۔ کیونکہ برطانوی چاہتے تھے کہ جتنے بھی علاقے جغرافیائی اہمیت کے حامل ہیں، وہ سب پاکستان کے پاس ہی رہیں'' ۸۲۔

مختصراً مندرجہ بالا تجزیات سے مسئلہ کشمیر کی زنگ آلودہ اور مسخ شدہ تاریخ پر اگر چہ مکمل نہیں لیکن ہلکی سی روشنی ضرور پڑتی ہے۔ جس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اپنے مفادات کی آبیاری کے لئے برطانیہ اور امریکہ نے کشمیر کو متنازعہ بنانے کی بنیاد ڈال دی اور اب تک اس پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔



سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مِٹا دو
(ڈاکٹر علامہ اقبال)

۸۲۔ مذکورہ، ص ۱۵۱۔

راجوڑوں کے تئیں برطانیہ، ہندوستان اور پاکستان کی پالیسی

انگریزوں نے ۱۹۴۷ء میں ۵۶۵ راجواڑہ ریاستوں کو اپنی منشاء کے مطابق تین حصوں میں بانٹ دیا تھا۔ پہلا گروپ بشمول جموں و کشمیر ۱۴۰ ریاستوں پر مشتمل تھا۔ جن کی اپنی آزاد اسمبلیاں اور عدالتیں تھیں۔ دوسرے گروپ میں بھی ۱۴۰ ریاستیں تھیں۔ جن کے بیشتر اختیارات انگریزوں کے ہاتھوں میں تھے۔ تیسرا گروپ گنتی کے لحاظ سے بڑا لیکن جغرافیائی اعتبار سے چھوٹا تھا۔ جن کے پاس محدود اختیارات اور وسایل تھے۔ پہلے گروپ سے کہا گیا کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کا مجاز ہے۔ دوسرے گروپ کو ایسی سہولیت سے محروم رکھا گیا۔ جبکہ تیسرے گروپ کو غیر مشروطہ طور ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ ضم ہونے کی ہدایت کی گئی۔ تمام ریاستوں کو ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کی شام تک مذکورہ ہدایت پر عمل کرنا ضروری تھا۔ تاہم حیدرآباد، جموں و کشمیر، بہاولپور، لسبیلہ، چترال، خیر پور، قلات، مکران، دیر، سوات اور امب اس حکم نامہ کو مقرر وقت تک عملانے سے قاصر رہے۔

جب برٹش انڈیا دو حصوں میں بٹنے کا اعلان ہوا تو کانگریس اور مسلم لیگ نے راجواڑوں کو اپنے ساتھ ملانے کی تگ و دو شروع کی۔ راجے اور مہاراجے اس کوشش میں جُٹ گئے کہ ان کی آزادی پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ البتہ کیبنٹ مشن نے بڑی ریاستوں کو اختیار دیا کہ وہ ہندوستان کے ساتھ رہنا پسند کریں یا پاکستان کے ساتھ یا اُنہیں آزاد رہنے کی خواہش ہے[1]۔ کئی راجواڑوں نے ان اختیارات کو فوری طور بروئے کار لاکر آزادی کا اعلان کر دیا جس میں ٹراونکور، بلاسپور، چھتاری، اور جونا گڑھ جیسی ریاستیں شامل تھیں۔ اس فیصلہ کے خلاف انگریزوں نے شدید ردعمل کا اظہار کیا جس سے ان کی ڈانواں ڈول ریاستی پالیسی بے نقاب ہوگئی۔

---

1. Conard Corfield, 1975, The Pricely India I Know: From Reading to Mounbatten, Madras, PP. 179-181.

زبردست مخالفت کے باجود ایوانِ شہزادگان کے چانسلر نواب آف بھوپال سر حمید اللہ خان نے تمام راجواڑوں کو ملا کر ایک تیسرا ملک معرض وجود میں لانے کی تجویز رکھی۔ جس کی حمایت برطانیہ کے اعلیٰ اختیارات رکھنے والے کئی افسران نے کی۔ جس میں نمائندہ تاجِ برطانیہ کے آخری سیاسی مشیر سر کنریڈ کورفیلڈ بھی شامل تھے۔ تاہم لارڈ ویول نے اِس کے خلاف زبردست ردِ عمل ظاہر کیا۔ جواہر لال نہرو نے کورفیلڈ کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اس کے بیان کو ہندوستان کا شیرازہ بکھیرنے کے مترادف قرار دیا۔

"He (Corfield) should be indicted before the Federal Court for malfeasance"[2]

یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ جن لوگوں نے ریاستوں کو اپنے مُستقبل کا فیصلہ خود کرنے کا اختیار دیا وہی لوگ اُن کی آزادی پر سراپا احتجاج بنے۔ اس حوالہ سے برطانوی وزیر اعظم کلیمنٹ ایٹلی نے ۱۰ر جولائی ۱۹۴۷ء کو ہاوس آف کامنز میں ریاستوں کو خبردار کیا کہ وہ علیٰحدہ طور نظام حکومت چلانے کی سوچ سے گریز کریں[3]۔ ایٹلی کا یہ بیان کیبنٹ مشن اور قانونِ آزادئ ہند میں ریاستوں کو دئے گئے حقوق کے بالکل منافی تھا۔ اس بیان کے تقریباً بیس دن بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بھی ریاستوں کے خلاف کچھ ایسا ہی کہا تھا:

"Lord Mountbatten stressed to the princes that they would have to surrender to the Central Government of India or Pakistan, only defence, foreign affairs, and Communication, without any financial liability and that these governments would have no authority to encroach on the internal autonomy of the soverignty of the state"[4]

۱۴ر جون ۱۹۴۷ء کو اٹارنی جنرل سر ہارٹلی شاکراس نے ہاوس آف کامنز میں

2. Ibid, P.156
3. House of Commons Debates (1946-47), vol.439, col. 2452.
4. Time only to lookforward, 1949. Speeches of Rear Admiral. the Earl Mountbatten of Burma, London. P-55.

ریاستوں سے واضح الفاظ میں کہا کہ انہیں اپنا مستقبل ہر حال میں ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ وابستہ کرنا ہوگا ۵۔ اسی طرح ہاوس آف لارڈس میں ہندوستان کے سیکرٹری لارڈ لسٹوویل نے ۱۶ر جولائی ۱۹۴۷ء میں ریاستوں کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے کہا:

"It would be a tragedy for India if the states were not to enrich the motherland to which they belong,......we do not, of course propose recognise any states separate international entities" ۶

جہاں تک انڈین نیشنل کانگریس کا تعلق ہے اُس کی ابتدا سے ہی یہی پالیسی تھی کہ برٹش انڈیا اور راجواڑوں کو ملا کر کنیا کماری سے ڈیورنڈ لائن تک ایک بڑے دیش کی بنیاد ڈالی جائے۔ جس کے لئے بہت پہلے سے ماحول تیار کیا جارہا تھا۔ پنجابی ہندو اس مشن کے سب زیادہ پیروکار تھے ۷۔ جو بھارت ماتا کی وحدت کو بزور طاقت قائم رکھنا چاہتے تھے ۸۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کانگریس نے تمام ممکنہ اقدام اُٹھائے۔ لیکن اس خواب کو اُس وقت چکنا چور ہونا پڑا جب کانگریس نے خود اپنے چند لیڈروں خاص کر محمد علی جناح کو خاطر میں نہ لانے کی شروعات کی۔ جسے کانگریس اور محمد علی جناح کے درمیان کافی دوریاں پیدا ہوگئیں۔ خلیج اتنی بڑھ گئی کہ محمد علی جناح کو ایک علیٰحدہ وطن کی قرارداد پاس کرانا پڑا۔ نتیجتاً ایک نیا ملک پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ جس کی تمام تر ذمہ داری کانگریس کے زعماء پر عاید کی جارہی ہے۔ اس حوالہ سے محمد علی جناح کے قریبی دوست کانجی دوارکاداس یوں رقم طراز ہے۔

''ہندوستان تقسیم ہوگیا۔ بھارت اور پاکستان دو مملکتیں بن گئیں۔ جناح نے پاکستان نہیں جیتا......کانگریس لیڈر، نہرو اور پٹیل جناح کو پاکستان ہار بیٹھے!'' ۹۔

5. Sisir Gupta, P-77.
6. Ibid, P-76.
۷ ''اخبار ملاپ''، ۱۵ر مئی ۱۹۲۵۔
8. Ian Stephens, 1963, Pakistan, London , P-252.
۹ کانجی دوارکاداس، ۱۹۷۰ء، محمد علی جناح، دہلی، ص ۱۲۲۔

پاکستان کے ایک مشہور محقق لکھتے ہیں:

''مسلم لیگ نے پاکستان نہیں بنایا۔ مسلم لیگ کہاں اتنی منظم تھی کہ اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دے سکتی۔ اس ملک کی تعمیر کے عوامل کچھ اور ہی تھے'' ۱۰۔

شیخ محمد عبداللہ نے ایک انٹرویو میں کہا:

''پاکستان مسٹر جناح نے نہیں، مولانا آزاد، پنڈت جواہر لال اور سردار پٹیل نے بنوایا۔ انہوں نے ملک تقسیم کرایا۔ اگر یہ لوگ کرپس فارمولا مان لیتے تو نہ پاکستان بنتا اور نہ برصغیر ہندوستان میں خون کا دریا بہتا......'' ۱۱۔

ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کے نواسے میاں یوسف صلاح الدین تقسیم ہند کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

''......پاکستان کانگریس کی تنگ نظری کے باعث وجود میں آیا......'' ۱۲۔

تجزیہ نگار اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے ہیں کہ تقسیم ہند کسی فرد واحد یا تنظیم کو ذمہ دار قرار دیا جائے۔ ناقدین یہ ماننے سے بھی انکار کر رہے ہیں کہ انگریز ہی تقسیم ہند کے ذمہ دار تھے۔ دورِ حاضر کا ایک نقاد لکھتا ہے:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریز تقسیم ہند کی سوچ کے حوالے سے اندر ہی اندر خوش ہوئے ہونگے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کے خالص ذمہ دار تھے۔ بھلے ہی بعد میں انہوں نے بھی اس سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ اسی طرح کٹر پنتھی ہندوؤں میں مسلمانوں کے تئیں عداوت کے بیج پہلے ہی سے موجود تھے۔ لیکن اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ صرف ہندوؤں کی وجہ سے پاکستان علیٰحدہ ہوا۔ پچھلی کئی صدیوں سے مسلمانوں کا ہندوستان پر راج کرنا سخت گیر ہندوؤں کے لئے باعث آزار تھا۔ لیکن اُن کے ذہن میں علیٰحدہ مملکتِ پاکستان کا تصور ناممکن تھا۔ اس لئے خالص ہندوؤں کو

۱۰۔ محمد فاروق قریشی، ۱۹۸۷ء، ولی خان اور قرارداد پاکستان، لاہور، ص ۳۳۶۔
۱۱۔ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ ''شبستان'' (خاص نمبر)، ۱۹۶۸ء، نئی دہلی، ص ۵۹۔
۱۲۔ پروگرام ''تناظر''، لاہور ٹی وی، ۹ ر مئی ۲۰۱۰ء وق، ۳۰۔۸ بجے شام۔

تقسیم ہند کے لئے ذمہ دار ٹھہرانا ناانصافی ہوگی۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے لئے پاکستان کا نعرہ دینا فائدہ مند ہی نہیں بلکہ اس کی سیاسی اور مذہبی حثیت بھی تھی ......‘‘ ۱۳؎

ایک اور تجزیہ نگار کے بقول سانحہ تقسیم ہند کے لئے برطانوی سامراج، کانگریس، مسلم لیگ اور سنگھ پریوار برابر کے ذمہ دار ہیں ۱۴؎۔ یہ بھی اطلاع ہے کہ تقسیم ہند کی تجویز کا مسودہ سر محمد ظفر اللہ خان نے انگریزوں کے کہنے پر تیار کر کے وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کو پیش کیا تھا ۱۵؎۔ ایسے تازہ انکشافات ہر نیا سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی سامنے آرہے ہیں۔ جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انگریزوں نے پاکستان کو معرض وجود میں لانے کے لئے کلیدی کردار ادا کیا۔ پی کے نگھم لکھتے ہیں:

"Wavell made a blue print of Pakisatan in December 1946 and sent it to Secretary of State for India in a most secret letter" ۱۶؎

اُدھر برطانیہ نے کانگریسی زعماء پر زبردست دباؤ بنائے رکھا تھا کہ اگر انہوں نے ملک کی تقسیم سے انحراف کیا تو ہندوستان کے تمام راجواڑوں کو آزادی دی جائے گی جسے برصغیر میں پانچ سو سے زائد آزاد ریاستیں معرض وجود میں آسکتی تھیں۔ یہ برطانیہ کا ایک خفیہ منصوبہ تھا۔ جسے اتفاقاً سردار پٹیل اُس وقت باخبر ہوئے تھے جب انہیں حکومت انگلیشہ نے ۱۹۴۶ء میں داخلی معاملات کا انچارج بنایا۔ ان کو تمام ٹاپ سکرٹ کاغذات پڑھنے کا موقع ملا تھا۔ سردار جی کو یہ بھی معلوم تھا کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کو تقسیم کرنے سے پہلے بہت کمزور کرنا چاہتی ہے اس لئے کانگریس نے تقسیم ہند کا فارمولا قبول کرنے میں ہی بہتری سمجھی۔ ۱۷؎

۱۳؎ ایم جی حسن مختار، کشمیر...... شیخ محمد عبداللہ سے موجودہ لیڈرشپ تک، ہفتہ وار، ’’چٹان‘‘، ۱۰ ارستمبر تا ۱۶ ارستمبر ۲۰۰۷، سرینگر۔

۱۴؎ کرشن دیوسیٹھی، تقسیم ہند...... اس حمام میں سب ننگے، کشمیر اعظمیٰ ۱۰ ارستمبر، ۲۰۰۷، سرینگر۔

15. E.W.R. Lumby, 1954, The Transfer of Power in India , London, P-174. The Daily Chatan , Lahore, 12 March, 1940.
16. www.peaceamongmankind.com
17. Transfer of Power, vol. xii, Item no. 166.

کیبنٹ مشن کا دورہ بھارت مکمل ہونے کے بعد کانگریس نے راجواڑوں پر اپنا شکنجہ مزید کس لیا۔ ۱۸؍اپریل ۱۹۴۷ء کو گوالیار کے مقام پر آل انڈیا سٹیٹ پیوپلز کانفرنس کے اجلاس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے راجواڑوں کو وارننگ دیتے ہوئے کہا تھا

"All those who do not join the constituent assembly now would be regarded as hostile states and they will have to bear the consequences......"۱۸

ریاست جموں و کشمیر کو انڈین نیشنل کانگریس نے ہندوستان کے ساتھ ملانے کے لئے بہت پہلے کمر کس لی تھی۔ جس کی پشتی فروری ۱۹۴۷ء کے اُس پندرہ روزہ رپورٹ سے ہوتی ہے جو کشمیر میں تعنیات نمائندہ تاج برطانیہ نے وائسرائے ہند کے نام ارسال کیا تھا۔ جس میں لکھا گیا تھا کہ کانگریس پارٹی کشمیر کے حوالہ سے بہت ہی سرگرم ہے۱۹۔ اس سلسلے میں کانگریس نے کبھی افہام و تفہیم اور کبھی دھونس دباؤ کا راستہ اپنایا۔ جیسے

"Pressur on the Maharaja for accession to India is illustrated by efforts and speeches of Nehru and other leaders" ۲۰

اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے کانگریس کے صدر آچاریہ کرپلانی مئی ۱۹۴۷ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کے راج گرو سوامی سنت دیو کے کہنے پر وارد کشمیر ہوئے اور ایک ہفتہ تک یہاں بات چیت میں مصروف رہے۲۱۔ ۲۸؍مئی ۱۹۴۷ء کو سردار پٹیل نے مسوری میں ایک بیان جاری کیا کہ اگر ہندوستان اور پنجاب تقسیم ہوا تو کشمیر ہندوستان کے ساتھ رہے گا'' ۲۲۔ کانگریس کے مشن کو مذید تقویت بخشنے اور اس میں سُرعت لانے کی غرض سے پٹیالہ، کپورتھلہ اور فرید کوٹ کے مہاراجہ بھی ہری سنگھ سے ملنے سرینگر پہنچے۲۳۔

18. The Hindustan Times, 21 April, 1947, Karachi.
19. Webb's fortnightly letter to the Crown Representative, for 1-14 Feb, 1947.
20. Mushtaqur Rehman, P. 68.
21 Prem Nath Bazaz, 1954, The History of Struggle for freedom in Kashmir, New Delhi, p-272.
22. Times of India , May 24, 1947.
23. Latif Ahmad Sherwani, 1990, Kashmir Accession to India, Re-examined, Pakistan Horizon 43, No. 2, P-57.

۱۴رجون کو جواہر لال نہرو نے کسی کا نام لئے بغیر ریاستوں کی آزادی مُلک کے لئے سنگین خطرہ قرار دیا۔ جبکہ مہاتما گاندھی نے واشگاف طور اعلان کیا کہ اگر کسی ریاست کے مہاراجہ نے آزادی کا بگل بجایا تو اسے کروڑوں ہندوستانیوں کے خلاف جنگ تصور کیا جائے گا ۲۴۔ اسی روز وی پی مینن نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ اگر کشمیر پاکستان کے ساتھ چلا گیا تو اب تک کی محنت رائگان ہو جائے گی ۲۵۔ ۱۷رجون کو جواہر لال نہرو نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے نام ارسال کردہ خط میں زور دیا کہ وہ مہاراجہ کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کیلئے دباؤ ڈالیں ۲۶۔ اس کے فوراً بعد ماؤنٹ بیٹن نے ۱۸-۲۳رجون کے دورہ کشمیر کے دوران مہاراجہ کو آزادی کا اعلان کرنے سے بالکل منع کیا ۲۷۔ پھر بھی صفِ اول کے کانگریس رہنما بقول ماؤنٹ بیٹن اس تذبذب میں تھے کہ کہیں مہاراجہ کشمیر آزادی کا فیصلہ نہ کریں ۲۸۔ اس سلسلے میں جولائی ۱۹۴۷ء میں مہاراجہ نے وزیراعظم رام چند کاک کو کانگریس قیادت کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے دہلی روانہ کیا جہاں سردار پٹیل نے اُسے صاف کہہ دیا کہ عوامی رائے کا احترام کئے بغیر الحاق پر بات فضول ہے ۲۹۔ یہ پیغام سُن کر مہاراجہ کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ اُسے کانگریسی لیڈروں سے نفرت ہوگئی۔ اس تشویش ناک صورتحال سے رائے بہادر گوپال داس نے سردار پٹیل کو آگاہ کیا۔ سردار نے ۳رجولائی کو مہاراجہ کے نام ایک خط میں واضح کیا کہ الحاق کی صورت میں مہاراجہ کے حقوق کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا ۳۰۔ یہ بھی اطلاع ہے کہ مہاراجہ اور کانگریسی لیڈروں کے درمیان رام چند کاک غلط فہمیاں پیدا

24. E.W.R Lumby, P. 237.

25.Latif Ahmad Sherwani, pp.39, 57.

26.Mushtaqur Rehman. p.69.

27.Alan Campbell-Johnson, 1951, Mission with Mountbattan, London, p.120.

28.Ibid, P. 120

29.Ibid, p 289.

30. Durga Dass, 1951, Sardar Patels, Correspondence 1945-50 Vol.1, Ahmadabad, pp. 34-36.

کر رہا تھا۔ جس کے باعث مہاراجہ کانگریس کی پالیسیوں سے متنفر ہو رہے تھے ۳۱۔ درحقیقت کانگریس خاص کر پنڈت جواہرلال نہرو کشمیر کے حوالے سے کسی کی رائے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ کیونکہ انہوں نے کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ ملانے کا تہیہ کیا تھا ۳۲۔

دوسری طرف سردار ولبھائی پٹیل اس کوشش میں تھے کہ کسی نہ کسی طرح کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ ہو جائے، چاہے اس مقصد کو فوج کشی کے ذریعہ ہی حاصل کیوں نہ کرنا پڑے۔ جس کا اعتراف سردار ولبھائی پٹیل نے ۷/اکتوبر کو وزیر دفاع بلدیو سنگھ کے نام لکھے گئے ایک خط میں یوں کیا تھا۔

> " I think the question of Military Assistance in time of emergency must claim the attention of our defence council as soon as possible . There is no time to lose if the reports which we hear of similar preparation for intervention on the part of the Pakistan Government are correct . it appears that the Pakistan intervention is going to be true to Nazi Pattern " ۳۳

جموں و کشمیر کے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالنے سے چار دن پہلے مہر چند مہاجن نے ۱۱/اکتوبر کو سردار پٹیل، جواہرلال نہرو، مہاتما گاندھی اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے دہلی میں ملاقات کی۔ جس کے دوران اِن سبھوں نے مہاجن سے ایک ہی بات کہی کہ اب کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کروانے کی تمام تر ذمہ داری اُن پر عائد ہوتی ہے ۳۴۔ مہاجن کا مزید کہنا ہے کہ اُسی روز وی پی مینن اور شیام پرشاد مکھر جی اُن سے یوں مخاطب

31.History of Jammu and Kahsmir Rifles, p.217.
32.C.W.Philips and Marg Doreen wainwright (ed.), 1970, The Partition of India, London, p 531.
33.Durga Das (ed.)1971 Sardar Patel's Corrrespondence 1945-50 Vol-1, Ahamdabad, P.53
34.Mehr Chand Mahajan, 1969, Looking Back. New Delhi,p.128.

ہوئے:

"Both of them advised me to bring about the accession of the state to India anyhow" ۳۵

۱۵/اکتوبر کو عہدہ اور راز داری کا حلف اُٹھانے سے پہلے مہاجن سے وائسرائے ہند یہ کہتے ہیں:

" ...... as Governer-General of India he would naturally be pleased if His Highness acceded to India " ۳۶

قبائلی حملہ شروع ہونے سے کوئی پندرہ گھنٹے پہلے بھارتی وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو، مہر چند مہاجن کے نام یہ جذباتی خط لکھتے ہیں:

" you will no doubt realise that the future of kashmir is of the most urgent importance to us. For me it is both a personal and public matter. It would be a tragedy , so for as I am concerned, if kashmir went to pakistan" ۳۷

کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کرانا، جواہر لال نہرو کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا کہنا ہے کہ ایک میٹنگ کے دوران نہرو نے رو رو کر عاجزی کی کہ کشمیر کو کسی بھی صورت میں؟ ہندوستان کے ساتھ ملایا جائے ۳۸۔ پنڈت جواہر لال نہرو جذباتی طور نہیں بلکہ اپنے جدی بودی رشتہ کی وجہ سے کشمیر کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اُن کے رگوں میں اپنے اسلافوں کا خون دوڑ رہا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک انگریزی فوجی افسر سے کہا تھا:

" In the same way that Calais was written on

35. Ibid, p.128.
36. Ibid, p.208.
37. Selected works of Jawaharlal Nehru, second series, Vol 4, 1986, Jawaharlal Nehru Memorial fund. Teen Murti House, New Delhi, p.272.
38. Lord Mountbatten, 1949, Time only to look froward London, p.52.

mary's heart , Kashmir is written on mine " ۳۹

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ''نیو ورلڈ آرڈر'' کی آڑ میں انگریز فوجی کمانڈر انچیف مسٹر بوچر ہندوستانی فوج کو بظاہر کشمیر بھیجنے کے خلاف تھے لیکن در پردہ اس کوشش میں مصروف تھے کہ کسی نہ کسی بہانے بھارتی فوج کو کشمیر میں داخل کرانے کا موقعہ ہاتھ آئے۔ اُس نے انگریز آقاؤں کی خفیہ پالیسی کو احسن طریقے سے سرانجام دینے کے لئے ظاہری طور یہ عذر پیش کیا کہ دو محاذوں، حیدر آباد اور کشمیر میں ایک ساتھ لڑنے سے مُشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ جس کا جواب سردار پٹیل نے مندرجہ ذیل الفاظ میں یوں دیا:

"Look here, General , Kashmir must be defended at all casts and come what may, resources or no resources. You must do it and all assistance will be rendered by the Government. This must, must and must be done. Do whatever you like, but do it....." ۴۰

جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے، ریاستوں کے تئیں اُس کا رویہ برطانوی پالیسی کے عین مطابق تھا جسے وقت کے سیاسی حقائق اور ماحول سے کوئی مطابقت نہیں تھی۔ مسلم لیگ کی اس غیر جمہوری اور غیر حقیقت پسندانہ پالیسی کا سب سے بڑا نُقص یہ تھا کہ وہ عوام کے بجائے راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کی طرفداری پر گامزن تھی۔ جس کے اشارے اگر چہ ۱۹۳۹ء سے ہی ملتے ہیں مگر ۱۹۴۷ء سے مذکورہ پالیسی کو عملانے میں شدت آگئی جب مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری لیاقت علی خاں نے ۱۲/اپریل کو یہ اعلان کیا کہ ریاستوں کے راجہ اور مہاراجہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے یا آزاد رہنے کے خود مالک ہیں ۴۱۔ ۱۴/جون کو قائداعظم نے کہا کہ برصغیر سے برطانیہ کی

39. Hector Bolitho, p. 177.
40.Thematic Volumes on Sardar Vallabhbhai Patel-Kahsmir and Hyderabad. 2002, Prabha Chopra (ed.) New Delhi, p.7
41.W.A. Wilox, 1963, Pakistan: The Consolidation of a Nation, New York, P.47

دستبرداری کے بعد ریاستیں مکمل طور آزاد اور خود مختار ہوں گی ۴۲؎۔ یہی بیان انہوں نے ۳۰ر جولائی کو پھر دہرایا ۴۳؎۔ مسلم لیگ کی یہ تنظیمی پالیسی تھی کہ ریاستوں کے مستقبل کا فیصلہ صرف راجواڑے کر سکتے ہیں نہ کہ عوام ۴۴؎۔ لیگ اور قائداعظم کے ان بیانات کی بنیاد پاکستانی مورخ زاہد چودھری کے مطابق نہ صرف اس امید پر تھی کہ مسلم حکمرانوں والیٔ بھوپال اور نظام حیدرآباد کی ریاستیں آزاد و خود مختار ہو جائیں گی بلکہ اس خوش فہمی پر بھی تھی کہ والیٔ ریاست جموں و کشمیر ہر صورت میں پکے ہوئے پھل کی طرح پاکستان کی جھولی میں گر پڑے گا ۴۵؎۔ مسلم لیگ ابتداء سے ہی کشمیر کو پاکستان کا حصہ قرار دے رہی تھی ۴۶؎۔ جون ۱۹۴۷ء سے پاکستان کے سبھی لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ کشمیر ان کی ملکیت ہے ۴۷؎۔

مسلم لیگ کی پالیسی ہر صورت میں ریاستوں کے کروڑوں غریب عوام کے منافی تھی جو سینکڑوں برسوں سے جاگیردارانہ نظام اور بدکردار حکمرانوں کے جبر و استبداد سے تنگ آ چکے تھے۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ایک طرف برطانیہ کی غلامی کے خلاف انقلاب برپا ہو اور دوسری طرف جاگیردارانہ سوچ رکھنے والی مسلم لیگ یہ آس لگائے بیٹھے کہ ریاستی عوام جاگیردارانہ نظام کے خلاف جدوجہد سے دور رہیں ۴۸؎۔ ایسی سیاسی پالیسی بفرض محال اگر کئی راجواڑہ ریاستوں کے تئیں صحیح مانی جائے لیکن جموں و کشمیر کے حوالہ سے یہ بے معنی تھی۔ یہاں کے مہاراجہ نے کشمیریوں کا جینا حرام کر دیا تھا۔ وہ ریاستی آمدنی کا بیشتر حصہ عیاشیوں اور بدمعاشیوں پر خرچ کرتا تھا۔ ایک بار اُس نے سینکڑوں رنڈیاں

---

42. The Pakistan Times, Lahore, June 19,1947.
43. Down, Karachi, July 31, 1947.
44. Victoria Schofield, 2004, Kashmir in Conflict, New Delhi, p.25
۴۵؎ زاہد چوہدری 1999ء پاکستان کی سیاسی تاریخ، جلد، 3، لاہور، ص 365
46. Ian Stephens, 1963, Pakistan. London, p.197
47. Younas Samad, 1965, Kashmir and the imagining of Pakistan; Contemporay South Asia, Vol 4.No.I,pp.67
۴۸؎ زاہد چوہدری، ص 385

اورطوائفیں جمع کیں جنہیں فی کس پچیس ہزار پونڈ سے نوازا گیا ۴۹۔ یہ راجہ ہر مہینے عیاشی کے لئے بمبئی جاتا تھا۔ اطلاع ہے کہ جموں میں ایک طوائف کا مجرا کرنے پر مہاراجہ کشمیر نے دس لاکھ روپیہ خرچ کئے جبکہ لندن کی ایک چالباز رنڈی نے مہاراجہ کو بلیک میل کر کے اُس سے پندرہ ہزار پونڈ وصول کئے ۵۰۔ دوسری بات یہ کہ کشمیری عوام گذشتہ پندرہ برسوں سے اپنے پیدائشی حقوق کی بحالی اور ڈوگرہ راج کے خاتمہ کے لئے مصروفِ جدوجہد تھے۔ ان حالات میں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کی مہاراجہ کی حمایت کرنا وقت کی سیاست سے ہم آہنگ نہیں تھی۔ سچ ہے کہ سمجھوتہ تقسیم اور ''قانون آزادیٔ ہند'' کے مطابق مہاراجہ کشمیر کو پاکستان میں شامل ہونے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا ۵۱۔ جس کے باعث مسلم لیگی رہنما مہاراجہ کشمیر کی حمایت کرتے تھے۔ جناح صاحب نے اپنے انگریز دوست جنرل ایچ ایل سکاٹ جو ڈوگرہ فوج کے کمانڈر تھے، کے ذریعہ مہاراجہ کشمیر کو یہ پیغام بھیجا کہ کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرانے میں اس کے تمام اختیارات جوں کے توں رہینگے ۵۲۔ جناح صاحب ۱۷ راگست ۱۹۴۷ء تک پُر امید تھے کہ کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہونا ہی ہونا ہے۔ لیکن جب ضلع گورداسپور کو بھارت کے کھاتے میں ڈالدیا گیا تو مسلم لیگ کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اسکے باوجود لیگ اور پاکستانی ارباب اقتدار کی سیاسی حکمت عملی میں کوئی لچک نہ آئی۔ وہ بدستور یہی راگ الاپتے رہے کہ ریاست کے مستقبل کا فیصلہ صرف اور صرف مہاراجہ کر سکتے ہیں۔ جب انہیں محسوس ہوا کہ مہاراجہ اُن کی گرفت میں آنے والے نہیں ہیں تو انہوں نے مہاراجہ کو سیاسی سبق سکھانے کے لئے قبائلیوں کا سہارا لینے کا فیصلہ کیا۔ اور ساتھ ہی پاکستان نے مہاراجہ کے خلاف دھمکیوں کا سلسلہ شروع کیا۔ پاکستانی حکمرانوں نے مہاراجہ کشمیر کے خلاف پہلی وارننگ میں اعلان کیا کہ اگر اُس نے پاکستان کے ساتھ فوری طور الحاق نہیں کیا تو اُسے

49. Leonard Mosley, 1964, The Last Days of the British Raj, London, p.35.

50. Leonard Mosley, p.171, Zahid Chaduri, p.387

51. Mehr Chand Mahajan, 1963, Looking Back, New Delhi, p. 116.

52. History of Jammu and Kashmir Rifiles, p.217.

انتہائی سخت صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا۵۳۔ قبائلیوں کو کشمیر بھیجنے سے پہلے حکومت پاکستان نے اپنے ایک ایلچی ایس بی شاہ کو سرینگر روانہ کیا۔ جس نے ریاستی حکام خاص کر وزیراعظم اور نائب وزیراعظم کے ساتھ ایک ہفتہ تک بات چیت کی جو بے نتیجہ ثابت ہوئی۵۴۔ اس لئے کہ پاکستانی ایلچی کا رویہ دوستانہ اور مصالحانہ نہیں بلکہ جارحانہ تھا۔ جس میں دھونس دباؤ اور دھمکی کی آمیزش نمایاں تھی۔ بقول مہر چند مہاجن ''اُس کے ایک ہاتھ میں تسبیح اور تلوار اور دوسرے ہاتھ میں الحاق کی درخواست تھی''۵۵۔ پاکستانی ایلچی کی اشتعال انگیز رویہ کی انتہا اُس وقت ہوئی۔ جب اُنہوں نے پاکستان واپس جاتے وقت واشگاف طور کہا کہ مہاراجہ کو بہت جلدی اپنی ہٹ دھرمی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس دھمکی کے پیچھے آخر کون سے اغراض ومقاصد کارفرما تھے۔ اس بارے میں تاریخ شناسوں کی یہ دلیل بالکل بارآور ہے کہ پاکستانی ایلچی ایک سطحی فریضہ انجام دینے کے لئے وارد کشمیر ہوئے تھے جنہیں معلوم تھا کہ قبائلی حملہ ہونے والا ہے۔ جس وقت یہ بات چیت ہورہی تھی اُسی وقت جناح صاحب کے پرائیویٹ سیکریٹری اور مُنہ بولے بیٹے خورشید حسن مسلم کانفرنسی رہنماؤں کے نام محمد علی جناح کا یہ پیغام لے کر کشمیر پہنچے کہ ''مہاراجہ کے خلاف ایسا کوئی قدم نہ اُٹھایا جائے جسے وہ مشکلات میں پڑ جائے۔ صورت حال پر اُن کی کڑی نظر ہے۔ وہ حالات سے خود نمٹینگے''۵۶۔ کشمیر میں قیام کے دوران خورشید صاحب مہاراجہ سے بھی ملے اور انہیں الحاق پاکستان پر آمادہ کرنے کے لئے جناح صاحب کا مندرجہ ذیل پیغام بھی تھما دیا:

"Pakistan would not touch a hair of his head or take away an iota of his power "۵۷

53. The Dawn, Karachi,24 August, 1947
54. Narinder Singh, 1982, Political Awakening, New Delhi, p. 122
55.Mehar Chand Mahajan, 1957, Kashmir Problem in its true Presspective. Hindustan Stand, June, 4, p.6.
56.Rajendara Sareen, 1989, Pakistan: The India factor New Delhi, p.221.
57. Mehar Chand Mahajan, 1963, Looking Back, Bambay p.265.

اُن ہی دنوں پاکستان میں ریاستوں کے وزیر آغا سید بڈشاہ بھی وزیر اعظم کشمیر مہر چند مہاجن سے ملنے سرینگر آئے۔ مگر یہ بات چیت بھی ناکام رہی۔ آغا سید بڈشاہ نے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان کو امکانی حملے کی تباہی سے خبردار کرتے ہوئے کہا تھا:

"Agression on Kashmir would provoke Hari Singh's accession to India, which might lead to war" ۵۸

تاہم مسلم لیگ اور پاکستانی حکام کی اِن کوششوں سے مہاراجہ کشمیر مرعوب نہیں ہوئے اور نہ ہی پاکستان کو کشمیر حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی۔ اس لئے پاکستان نے کشمیر کو ہتھیا لینے کے لئے قبائلیوں کا سہارا لیا۔



58.J.R.Moora , 1987, Making the New Common weath, oxford University press, p.50

الحاق اور مسلم لیگ

یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ڈاکٹر محمد الدین تاثیر، انوار الحق[1] اور پاکستانی پریس کے منیجر ملک تاج الدین حکومت پنجاب کے کہنے پر[2] جبکہ ایک اور اطلاع کے مطابق نواب افتخار حسین خان ممدوٹ اور خان عبدالقیوم خان کے کہنے پر شیخ محمد عبداللہ سے ملنے سرینگر آئے[3]۔ وفد نے بات چیت کا آغاز یہ کہہ کر کیا کہ حکومت پاکستان شیخ صاحب، نیشنل کانفرنس کے زعماء اور اُن کے مطالبات کے تئیں فیاضی برتنے کے لئے تیار ہے۔ مگر محمد یوسف صراف جو لیگ کے حامی اور مسلم کانفرنس کے سرگرم رُکن تھے، لکھتے ہیں کہ "کیا اُن لوگوں نے اُنہیں سچ مچ ایسی یقین دہانی کرانے کی اجازت دے رکھی تھی جن کے پاس طاقت کا سرچشمہ تھا، میرے خیال میں کسی حد تک مشکوک ہے"[4]۔ صراف نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ البتہ پاکستان کی جاگیردارانہ لیڈر شپ کے متعلق اُن کی رائے اچھی نہیں تھی۔ اُنہوں نے بارہا مختلف موقعوں پر اس رائے کا اظہار کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ڈوگرہ خاندان کی طرح مُسلم لیگ کی اعلیٰ قیادت بھی اُن کی دشمن ہے۔ پھر بھی شیخ صاحب نے وفد کے ساتھ تعاون کیا اور اُن کی باتوں پر لبیک کہا۔ شیخ صاحب نے محکمہ خارجہ، دفاع اور مواصلات کو پاکستان کی تحویل میں دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ ڈاکٹر تاثیر نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے الحاق پاکستان کے لئے نہ صرف بہت جلد قدم اُٹھانے پر زور دیا بلکہ اس کی تیز تر

---

1. جی کے ریڈی اور بلقیس تاثیر کا کہنا ہے کہ انوار الحق (ڈی سی راولپنڈی) حکومت پاکستان کی ہدایت پر اس لئے سرینگر آئے تھے تاکہ کشمیر کی اقتصادی ناکہ بندی کا جائیزہ لیا جائے۔ شیخ صاحب نے آتش چنار میں نہ تاج الدین اور نہ ہی انوار الحق بلکہ شیخ صادق حسن کا ذکر کیا ہے۔ صراف کے مطابق وفد میں میاں افتخار الدین بھی شامل تھے۔

2. M.Y. Saraf, PP. 795-8'0.

3. رشید تا ثیر، جلد سوم، ص ۲۷۰۔

4. M.Y. Saraf, P. 800.

عمل آوری کے لئے دھمکی کی حد تک دباؤ ڈالا ۵۔ جس کا جواب شیخ صاحب نے یوں دیا:

"......آپ جو چاہیں کریں ....لیکن اگر آپ نے زور زبردستی کا راستہ اختیار کیا تو پھر آپ ہماری لاشوں پر ہی کشمیر حاصل کر سکتے ہیں" ۔۶

ناخوشگوار ماحول کے باوجود وفد کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔ زبردست بحث ومباحثہ کے بعد یہ طے پایا کہ الحاق کی صورت میں سٹیٹ سبجیکٹ کا قانون سختی سے لاگو ہوگا۔ جس کی رو سے کوئی بھی غیر ریاستی باشندہ کشمیر میں زمین و جائداد خریدنے کا اہل نہیں ہوگا۔ شیخ صاحب نے وفد کو مطلع کیا کہ پاکستان کے بعض مسلم لیگی جاگیردار کشمیر میں زمین کے بھاؤ معلوم کرنے میں مصروف ہیں۔ لیگ کے ایک بااثر رہنما اس کی تصدیق اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

"افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتی ہے کہ ہمارے لیڈروں کو ریاست میں کوٹھیوں کی الاٹ مینٹ کا شوق بے تاب کرنے لگا......" ۔۷

پاکستان کے دولت مند حضرات اور سیاست دانوں نے تو ۱۹۴۷ء کے اوائل سے ہی کشمیر میں اپنے لئے محلات بنانے کی جگہیں منتخب کر رکھی تھیں حتیٰ کہ مہاراجہ کشمیر کے محل و ملکیت کو حاصل کرنے کے لئے وزیر امور کشمیر اور وزیر دفاع کے مابین ہاتھا پائی بھی ہوئی تھی ۸۔ بلقیس تاثیر پاکستانی رائٹرس گلڈ کے رُکن حبیب کیفی کے حوالہ سے لکھتی ہیں کہ پاکستان کے بہت سے جاگیردار قبائلی حملے کے اوائل سے ہی کشمیر میں زمین خریدنے کے لئے بے تاب تھے۔ کیونکہ انہیں پورا یقین تھا کہ الحاق ہوتے ہی سٹیٹ سبجیکٹ کا قانون خودبخود ختم ہو جائے گا ۔۹

تین دن جاری رہنے والی اس طویل بات چیت کے اختتام پر فیصلہ ہوا کہ ان تمام

۵ شیخ محمد عبداللہ، ۱۹۸۶ء، آتش چنار، دہلی، ص ۳۹۴۔
۶ مذکورہ، ص ۳۹۵۔
۷ میاں افتخار الدین، ۱۹۸۳ء، یادایام، لاہور، ص ۱۵۴۔
۸ عباس آزاد، ۲۰۰۹، میرا پیام اور ہے، کراچی، ص ۶۔
۹ سی بلقیس تاثیر، ۲۰۰۵ء، شیخ محمد عبداللہ کا کشمیر، دہلی، ص ۵۳۔ وکٹوریہ شوفیلڈ، ۲۰۰۴، کشمیر ان کانفلکٹ، بنگلور، ص ۴۵۔

باتوں کو حکومت پاکستان کے سامنے رکھا جائے گا۔ یہ بھی طے پایا کہ غلام محمد صادق کی سربراہی میں ایک سہ رکنی وفد لاہور جا کر پاکستانی حکام سے بات چیت کرے گا۔ تا کہ شیخ محمد عبداللہ کے دورہ پاکستان کے لئے راہ ہموار ہو سکے۔ شیخ صاحب نے پاکستانی وفد سے یہ بھی کہا کہ انہیں جواہر لال نہرو سے دلی آنے کا دعوت نامہ موصول ہوا ہے۔ جہاں انہیں سٹیٹ پیوپلز کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کرنی ہے۔ جس کے وہ صدر منتخب ہوئے تھے۔ اس اعتبار سے اُن کا دلی جانا ضروری تھا۔ دلی سے اُن کا کراچی کا رُخ کرنے کا ارادہ تھا۔ شیخ صاحب نے یہ بھی کہا کہ اُن کے پاکستان پہنچنے تک بات چیت میں کوئی رکاوٹ نہیں آنی چاہئے ۔ ۳/اکتوبر کو پاکستانی وفد کے ہمراہ جب کشمیری وفد صادق صاحب کی سربراہی میں روانہ ہوا تو شیخ محمد عبداللہ نے اُن کے ہاتھ میں ''نیا کشمیر'' کی ایک نقل اس غرض سے تھمادی تا کہ بات چیت اِسکی روشنی میں آگے بڑھے [10]۔ وفد کے دو اور ممبران بخشی غلام محمد اور کامریڈ محمد شفیع پہلے سے ہی لاہور میں موجود تھے [11]۔

پاکستان پہنچنے پر صادق صاحب لاہور کے انارکلی بازار میں واقع دہلی مسلم ہوٹل میں اقامت پذیر ہوئے ۔ بخشی صاحب اور کامریڈ محمد شفیع بھی وہیں ٹھہرے ۔ غلام محمد صادق کی آمد کی خبر سُنتے ہی مسلم کانفرنس کے محمد یوسف صراف نے پانچ سو نوجوانوں کی مدد سے اُن پر حملہ کیا [12]۔ مگر میاں افتخار الدین، غازی حسین بخش اور ضیاء الحق جیسے معزز شہریوں کی بروقت مداخلت سے صادق صاحب بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ خوف زدہ صادق صاحب کو مرحوم حفیظ جالندھری نے اپنے گھر میں پناہ دی۔ لاہور کی فضا مکدر ہو چکی تھی [13]۔ وہاں آئے دن قوم پرستوں پر حملے ہو رہے تھے [14]۔ کشمیر کے ممتاز ڈاکٹر سید نصیر احمد شاہ اُن دنوں لاہور میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے جو کشمیری قوم پرستی کی وجہ سے

---

[10] مذکورہ، ص ۵۴۔

[11] ان دونوں رہنماؤں کو شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر چھوڑ دو تحریک شروع ہونے کے ساتھ ہی ملک سے باہر جانے کی ہدایت دی تھی۔

[12] رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۲۷۳۔

[13] قیوم نظامی، امرتسر سے لاہور تک (۱۹۴۷ء) ہفت روزہ ''احتساب''، سرینگر، ۱۰/نومبر تا ۱۱/نومبر ۲۰۰۸۔

[14] رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۲۷۰۔۲۷۵۔

کافی مشہور تھے۔ جس کے باعث ان پر تین بار حملہ ہوا۔ مگر ہر بار معجزاتی طور بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے ۱۵۔ کامریڈ شفیع پر بھی حملہ ہوا اور اُن کے دانت توڑ دئے گئے ۱۶۔ اس واقع کا ذکر پاکستانی مورخ عباس آزادیوں کرتے ہیں:

''لاہور چیرنگ کراس کے قریب ان کو پکڑ کر اتنا مارا پیٹا گیا کہ وفد کے ایک رکن کامریڈ محمد شفیع کے سارے دانت ٹوٹ گئے اور اخبارات نے سرخیاں جمائیں کہ ''یلغار کرو کشمیری کو گرفتار کرو'' ......اتنا ہی نہیں بلکہ شیخ محمد عبداللہ کی ماں بہن کو کھری کھری سُنائی اور اعلان کیا کہ کشمیر پر قبضہ کرنے کے بعد اُس غدار کو شاہی قلعہ کے دروازہ پر پھانسی دی جائے گی...... حیرت تو اس بات کی ہے کہ انہوں نے یہ معیار کس طرح قائم کر دیا کہ جو اُن کے گیت گائے گا وہی محب وطن ہوگا۔ باقی سب غدار ہیں۔ کیا یہ کسی آسمانی صحیفہ میں لکھا ہے کہ کشمیریوں کے لئے پاکستان کے گیت گانے ضروری ہے'' ۱۷۔

بہر حال اس دھماکہ خیز صورتحال کے باوجود غلام محمد صادق نے لیاقت علی خان اور راجہ غضنفر علی خان کے ساتھ طویل ملاقات کی۔ جس میں طے پایا کہ شیخ محمد عبداللہ لاہور، راولپنڈی یا پشاور میں قائداعظم سے ملاقات کر سکتے ہیں ۱۸۔ مگر لیاقت علی خان کے پرائیویٹ سیکریٹری ملک وزیر علی کے مطابق صادق صاحب صرف وزیر اعظم سے بات کرنے میں کامیاب ہوئے ۱۹۔ جو بقول جی کے ریڈی دفاع، خارجہ اور مواصلات محکموں کے سوا باقی تمام معاملات میں کشمیر کو بظاہر خود مختار رکھنے پر رضامند تو ہو گئے ۲۰۔

---

۱۵ مذکورہ، ص۔ ۲۷۰۔ ۲۷۵

۱۶ راجہ نذر بونیاری، لبریشن فرنٹ کے چیرمین امان اللہ خان سے ایک ملاقات ہفت روزہ ''چٹان''، سرینگر، ۱۲ نومبر تا ۱۸ نومبر ۲۰۰۷۔

۱۷ عباس آزاد، ص ۴۴۔ ۴۵۔

۱۸ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۴ ۲۷۔

۱۹ بلقیس تاثیر، ص ۵۳۔

۲۰ جی کے ریڈی، ۱۹۴۸ء عظیم سازش، بمبئی، ص ۹۔

مگر اس شرط کے ساتھ کہ "شیخ محمد عبداللہ کو جلسہ عام میں اعلان کرنا ہوگا کہ جغرافیائی اور مذہبی وابستگی کے پیش نظر کشمیر کو پاکستان کا حصہ بننا چاہئے۔ اگر مہاراجہ اس نصیحت پر عمل نہیں کرتے تو اِس سے پہلے کہ مہاراجہ کے خلاف ہتھیار بند بغاوت اور اس کے بعد قبائلیوں کی مدد سے پاکستان کے بھرپور حملہ کی راہ ہموار ہو جائے، شیخ محمد عبداللہ کو اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ پاکستان پہنچنا ہوگا تاکہ ان کی صدارت میں صوبائی حکومت تشکیل پاسکے۲۱۔ لیکن نیشنل کانفرنس کے زعماء نے ایسے اقدام کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ ہتھیار درآمد کرانے کا منصوبہ بھی غیر موزون قرار دیا۲۲۔

اس گھناؤنی صورتحال سے بے خبر شیخ محمد عبداللہ نے ۱۸/اکتوبر ۱۹۴۷ء میں مولانا محمد سعید مسعودی کو بات چیت جاری رکھنے اور غلام محمد صادق کو گفت شنید میں مدد دینے کے لئے پاکستان روانہ کیا۲۳۔ مسعودی صاحب ۲۰/اکتوبر کو سیالکوٹ پہنچے اور ۲۲/اکتوبر کی صبح کو جب وہ لاہور روانہ ہونے والے تھے تو قبائلی حملے کی خبر آئی۔ لاہور پہنچنے پر یہ خبر بھی ملی کہ قبائلی حملے کے باعث صادق صاحب آدھا گھنٹے پہلے دلی روانہ ہوئے۲۴۔

کہا جاتا ہے کہ وزیر اعظم پاکستان نے صادق صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ "آپ اور میں اکیلے کوئی فیصلہ نہیں لے سکتے" اولذکر نے مشورہ دیا تھا کہ نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبران کو لاہور بلایا جائے تاکہ الحاق کی صورت میں ریاست کا نظامِ حکومت "نیا کشمیر" کے تحت چلانے پر کھُل کر بحث ہو جائے ۲۵۔ صادق صاحب کے لاہوری دوستوں کی نظر میں اس طرح کا مشورہ انتہائی نامناسب اور خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ انہوں نے صادق صاحب کو ایسا قدم اُٹھانے سے باز رکھا ۲۶۔ لیاقت علی

۲۱۔ مذکورہ، ص ۹۔۱۰۔
۲۲۔ سی بلقیس تاثیر، ص ۲۶۶۔
۲۳۔ ہفتہ وار اخبار، آزاد کشمیر، ۴/نومبر ۱۹۵۹ء۔ بحوالہ محمد یوسف صراف، ص ۸۰۲۔
۲۴۔ کلیم اختر، ۱۹۶۳ء، شیر کشمیر، شیخ محمد عبداللہ: تاریخ حریت کشمیر کے آئینے میں، لاہور، ص ۵۶۔
۲۵۔ مذکورہ، ص ۵۴۔
۲۶۔ مذکورہ، ص ۵۴۔

خان کا مشورہ کیونکر خطرناک ثابت ہوسکتا تھا، اسکا اندازہ پاکستان نواز جرنلسٹ اور پاکستان کے زیرِانتظام کشمیر کے تعلقات عامہ کے ناظم مسٹر جی کے ریڈی کے اِس بیان سے ہوتا ہے:

''شیخ محمد عبداللہ کو کراچی پہنچنے پر حکومت پاکستان نے شاندار استقبال کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کو پاکستان کی نیک نیتی پر یقین ہوجائے۔ پھر بھی اگر انہوں نے لیگ کے احکامات سے منہ موڑا اور قبائلی حملے کے ڈی ڈے سے دو دن پہلے طے ہونے والی میٹنگ میں قائداعظم کی ترغیب وتحریص میں نہ آئے یا اُن کے ساتھ غیر مصالحانہ رویہ اپنایا تو انہیں خفیہ طور گرفتار کر کے کسی نامعلوم جگہ پر قید کیا جائے۔ اُن کی صدارت میں عارضی حکومت تشکیل دے کر اُن کے نام پر احکامات اور بیانات جاری کئے جائیں۔ جب قبائل لوٹ مار میں مصروف ہونگے تو کشمیریوں کو یقین ہوگا کہ انہیں شیر کشمیر نے بھیجا ہے......'' ۲۷۔

پاکستانی حکام کی ان ''کوششوں'' کے باوجود شیخ محمد عبداللہ یا نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا کوئی ممبر اُن کی گرفت میں نہ آسکا۔ مؤخرالذکر کی طرف سے کشمیر میں قبائلیوں کی آمد کا خیر مقدم نہ ہُوا۔ نتیجہ کے طور وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان نے شیخ محمد عبداللہ پر غداری کا الزام عاید کیا۔ وہ شیخ محمد عبداللہ پر اکثر نامعقول اور رکیک حملے کرتے اور اُسے ہندوستان کا آلہ کار اور زرخرید غلام بتاتے تھے ۲۸۔ لیاقت علی خان کی اس الزام تراشی کے جواب میں آخر کار شیخ محمد عبداللہ کی زبان یوں کھل گئی:

''کشمیر نواب زادہ لیاقت علی خان کے باپ دادا کی جائیداد نہیں ہے۔ جو وہ آستین چڑھا کر بڑی بے حیائی اور ڈھٹائی سے بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہا ہے۔ کشمیر، کشمیریوں کا ہے اور وُہی اس کے حقیقی مالک ہیں'' ۲۹۔

---

۲۷ جی کے ریڈی، ص ۱۰۔
۲۸ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۴۴۹۔
۲۹ مذکورہ، ص ۴۵۰۔

شیخ محمد عبداللہ پر الزامات عاید کرنا کوئی نئی بات نہیں تھی بلکہ اُنہیں ۱۹۳۹ء سے ہی ''غدار'' اور ''کانگریس ایجنٹ'' کہا جاتا رہا۔ اِس طرح کے ''کارِ ثواب'' میں پاکستانی پریس اور مسلم لیگی حضرات پیش پیش تھے۔ اسی طرح ریڈیو پاکستان کے بیشتر پروگراموں میں شیخ محمد عبداللہ اور اُن کی تنظیم کے خلاف ناشائستہ زبان استعمال کی جاتی تھی ۳۰۔ قبائلی حملے کے بعد اِس پروپیگنڈا میں ہر سطح پر شدت آگئی۔ راولپنڈی کے ڈی سی شیخ انوار الحق نے اس سلسلے میں کیا کچھ نہیں کیا۔ فیض محمد پراچہ ۳۱ جیسے بے حد زیرک، معاملہ فہم، ادب شناس اور معروف سیاستدان کو بھی نہ بخشا گیا۔ اُن کے فرزند طارق اُنہی کے حوالے سے کہتے ہیں:

> ''مجھے کہا گیا کہ میں 'آزاد کشمیر' ریڈیو سے جو ایک ٹرک میں رواں دواں تھا، تقاریر نشر کروں کہ شیخ صاحب 'غدار' ہیں، ملت فروش ہیں، ہندو کے ایجنٹ ہیں، پاکستان دشمن ہیں اور کافر ہیں۔ میں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اور صرف اتنا کہا کہ پاکستان کو دوستوں کی ضرورت ہے دشمنوں کی نہیں۔ 'کم ظرفی گفتار ہے دشنام طرازی'۔ پاکستان کے لئے مزید مشکلات پیدا نہ کریں''...... میرے والد کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ سخت دکھی تھے۔ شیخ انوار الحق نے انہیں کرسی سے اُٹھا کر زمین پر بٹھایا اور بے عزتی کرتے رہے۔ آخر دھمکی دی ''اگر تم نے تقاریر نہ کیں تو جیل جانا ہوگا''۔ والد صاحب نے کہا منظور ہے......'' ۳۲۔

مہر چند مہاجن لکھتے ہیں کہ پاکستانی حکام نے مہاراجہ کشمیر اور ان کو اُس وقت اغواء کرنے کا منصوبہ بنایا تھا جب وہ ۲۰ اور ۲۱ اکتوبر کو بھمبر، میرپور اور کوٹلی کا دورہ کرنے والے تھے تاکہ دونوں کو پاکستان پہنچا کر زبردستی الحاق کا اعلان کروایا جائے۔ لیکن

---

۳۰ روزنامہ خدمت، سرینگر، ۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء۔
۳۱ پراچہ صاحب قوم پرستانہ نظریات کے قائل تھے۔ مکھڈ راولپنڈی میں رہتے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کے حامی تھے۔
۳۲ طارق فیض پراچہ، ۲۰۰۰ء، کشمیر کی ان کہی کہانی، راولپنڈی، ص ۱۴۶

مہاراجہ کی حاضر دماغی سے یہ سازش بھی ناکام ہوئی ۳۳۔

پاکستانی حکام کا کشمیر سے متعلق ہر کوئی منصوبہ بے کار ثابت ہوا اور جناح صاحب کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ اُن کے جال میں پھنسنے والے نہیں ہیں ۳۴۔ اس لئے انہوں نے صادق صاحب کے متعلق یہ کہہ کر ملنے سے انکار کیا کہ ''میں اس آدمی کو جانتا ہی نہیں ہوں'' ۳۵۔ ملک وزیر علی کے بقول جب صادق صاحب وزیر اعظم کے دفتر سے باہر آئے تو انہوں نے لیاقت علی خان کے حوالہ سے کہا تھا:

" Quaid-i-Azam is not willing to meet Sheikh Abdullah, he is not willing to negotiate any terms --- he insists that Kashmir should join Pakistan unconditionally". ۳۶

مشہور شاعر فیض احمد فیض کا کہنا ہے کہ ''صادق صاحب کو اعلیٰ قیادت سے ملانے کی ہماری کوششیں ابھی جاری تھیں اور ہم جناح صاحب کے جواب کے منتظر تھے کہ لیاقت علی خان نے قبائلیوں کے ذریعہ کشمیر پر حملہ کرالیا تاکہ بات چیت کا سلسلہ ختم ہو جائے ۳۷۔

بعض پاکستانی مورخ صادق صاحب پر یہ الزام عاید کرتے ہیں کہ اُس نے غیر ذمہ دار لوگوں سے بات چیت کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ ایک ہمعصر مورخ لکھتا ہے:

''صادق صاحب کو پاکستان کے ذمہ داروں اور بااختیار رہنماؤں سے بات کرنی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ جو بات چیت انہوں نے کی، نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔ بڑا عہدہ دار جس کے ساتھ صادق صاحب کو بات چیت کرنے کا موقعہ فراہم کیا گیا، نواب آف ممدوت تھے۔ ظاہر ہے وہ بااعتماد

۳۳۔ مہر چند مہاجن، ۱۹۶۳ء، لِنکنگ بیک، نئی دہلی، ص ۱۴۵۔
۳۴۔ جی کے ریڈی، ص ۹۔
۳۵۔ سی بلقیس تاثیر، ص ۵۳۔
۳۶۔ مذکورہ، ص ۵۳۔
۳۷۔ ماہنامہ شیرازہ..... شیر کشمیر نمبر، ۱۹۸۳ء، سرینگر، ص ۱۱۷۔ صوفی محی الدین، ۲۰۰۰، شعلے اور سبزہ زار، سرینگر، ص ۲۵۔

اور با اختیار بات چیت نہیں کر پاتے'' ۳۸۔

با اختیار لوگوں سے ملنا صادق صاحب کے حدِ اختیار سے باہر تھا۔ آخر وہ ایک مہمان تھے اور اُن کو با اختیار لوگوں سے ملانا میزبان کی دلچسپی پر منحصر تھا۔ صادق صاحب کی دوڑ گنے چُنے مسلم لیگیوں تک محدود کر دی گئی تھی۔ بنیادی طور مسلم لیگ کے بیشتر منتظمین نے کشمیر کے سہ رُکنی وفد کو کوئی اہمیت نہیں دی اور نہ ہی ان کی بات سنجیدگی سے لی گئی۔ وفد کے ممبران کو کسی بھی رہنما کے ساتھ اجتماعی طور ملاقات کرنے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ وجہ صاف تھی کہ پاکستانی حکام کی تمام تر امیدیں قبائلی حملہ سے وابستہ ہو چکی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ستمبر ۱۹۴۷ء سے ہی محمد علی جناح لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ

"Kashmir will fall into our lap like a ripe fruit ۳۹

اوپر جن بیانات کو قلم بند کیا گیا اُن سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم لیگ اور پاکستان کی کشمیر پالیسی دانشمندانہ نہیں بلکہ انتہا پسندانہ تھی۔ یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ صادق صاحب کی سربراہی میں جو سہ رکنی وفد لاہور گیا۔ اسکو ایک غیر محفوظ ہوٹل میں کیوں ٹھہرایا گیا۔ اگر مناسب جگہ وہی سمجھی گئی تھی تو سکیورٹی فراہم کیوں نہ کی گئی۔ اس طرح کی لاپرواہیوں سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ لاہور سے جو وفد شیخ محمد عبداللہ سے ملنے سرینگر آیا تھا۔ وہ حکومت پاکستان کی مرضی سے نہیں بلکہ بعض مسلم لیگیوں کی من مانی سے آیا تھا۔ البتہ جو کچھ کشمیر کے حوالہ سے ہو رہا تھا اسمیں شیخ محمد عبداللہ کے بعض مُسلم لیگی دوست، ہمدرد اور خیر خواہ پیش پیش تھے۔ جن کو حکومت پاکستان بسا اوقات ایسی میٹنگوں سے بے خبر رکھتی تھی جن میں کشمیر کے معاملات زیر بحث آتے تھے۔ ایسے ہی رہنماؤں میں میاں افتخار الدین اور ڈاکٹر محمد الدین تاثیر بھی شامل ہیں۔ چنانچہ اول الذکر لکھتے ہیں:

> ''ہم نے ڈاکٹر تاثیر کو سرینگر بھیجا۔ اس کے ساتھ شیخ انور الحق بھی تھے۔ پھر غلام محمد صادق کشمیر سے آیا۔ نواب افتخار حسین ممدوت اُسے ساتھ لیکر لیاقت علی خان کے پاس گیا۔ اُسے بات چیت بھی ہوئی۔ مرکزی حکومت

۳۸۔ محمد یوسف صراف، جلد دوم، ص ۸۰۲۔

۳۹۔ چودھری محمد علی، ۱۹۶۷ء، ظہور پاکستان، نیو یارک، ص ۲۸۳، ۲۸۷، ۲۹۷۔

نے ہمارے معاہدہ کو درخور اعتنا نہ سمجھا بلکہ اس وقت جو مذاکرات ہو رہے تھے۔ اُن سے مجھے اور ڈاکٹر تاثیر کو بالکل بے خبر رکھا گیا'' ۴۰۔

پاکستان کی طرف سے میاں افتخارالدین یا ڈاکٹر محمد الدین تاثیر کے تئیں روا رکھا گیا رویہ موخرالذکر کے اُس بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو عبدالمنان خلیفہ کے کتابچہ ''کشمیر'' میں شائع ہوا ہے:

"I went to Delhi a third time to see Mohammad Ali Jinnah. I talked to him about Kashmir. I was not satisfied with his handling of Kashmir affairs and I thought it was not tactful". ۴۱

کشمیر کے حوالے سے تاثیر کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں۔

"If his advice had been acted upon, there would have been no kashmir problem" ۴۲

بہر حال کشمیری وفد کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کی پاکستان بھر میں شدید نکتہ چینی کی گئی۔ ایک نقاد نے یہاں تک لکھا کہ ''قیام پاکستان کے بعد شیخ محمد عبداللہ کے ایلچی بخشی غلام محمد لاہور کے دہلی مسلم ہوٹل میں ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے تاکہ کشمیر کے مسئلہ کا کوئی حل تلاش کیا جائے لیکن حکومتِ پاکستان نے اُنہیں نظر انداز کر دیا اور وہ مایوس ہو کر لوٹ آئے ۴۳۔ قبائلی حملہ کے روح رواں سردار شوکت حیات خان کو بھی کہنا پڑا کہ شیخ محمد عبداللہ کے نمائندوں کو پاکستان میں کوئی اہمیت نہیں دی گئی ۴۴۔ اسی طرح اگر صراف کے اس بیان کو معتبر سمجھا جائے کہ صادق صاحب کو مسلم لیگ یا پاکستان کے

۴۰۔ میاں افتخارالدین، ص ۱۵۳۔

41.Cited in M.Y Saraf's book "Kashmiris fight for freedom", P.802.

42.Abdul Manan Khalifa, 1970, Kashmir, Karachi. p.41, cited in Kashmiris fight for freedom , p.803.

۴۳۔ محمد فاروق قریشی، ص ۳۸۲۔

۴۴۔ سردار شوکت حیات خان، ۱۹۹۵ء، دی نیشن دیٹ لاسٹ اِٹس سول، لاہور، ص ۲۱۳-۲۱۴۔

اعلیٰ عہدہ داروں سے بات چیت کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا گیا تو ملک وزیر علی کا یہ بیان مشکوک بنتا ہے کہ صادق صاحب نے لیاقت علی خان کے ساتھ کشمیر مسئلہ پر بات کی تھی۔ تاریخ اس قدر مسخ ہوچکی ہے کہ شاید ہی کبھی حقیقت سے پردہ اُٹھے۔ تاہم ان فرستادوں کے حوالہ سے شیخ محمد عبداللہ کی رائے زیادہ معتبر مانی جاتی ہے جو محمد یوسف صراف کی رائے سے مطابقت رکھتی ہے ان کے الفاظ ہیں:

"......لاہور میں ان کی (صادق کی) ملاقات پاکستان کے وزیراعظم کے ساتھ نہ ہوسکی اور انہیں صرف نواب افتخار حسین ممدوت جیسے دوسری صف کے لیڈر سے ہی ملنے پر اکتفا کرنا پڑا" ۴۵۔

مسلم لیگ کی کشمیر پالیسی زمینی حقائق کے بجائے جذباتیت پر مبنی تھی۔ وہ کشمیر جدوجہد کو دوقومی نظریہ کی عینک سے دیکھتے تھے۔ جو پندرہ سالہ تحریک کشمیر کے بالکل منافی تھی۔ جدوجہد کشمیر اصل میں جاگیرداروں، وڑھ داروں، ساہوکاروں، ڈوگرہ شاہی اور اُن کے مظالم کے خلاف بغاوت تھی۔ کشمیر کو اپنا پانچواں صوبہ بنانے میں پاکستان کے لئے جو سب سے بڑی رکاوٹ حائل ہوئی، وہ یہ تھی کہ جناح صاحب، مسلم لیگ اور پاکستان کے ارباب اقتدار کشمیر کی سیاسی جدوجہد کو سمجھنے سے بالکل قاصر تھے ۴۶۔ بلقیس تاثیر لکھتی ہیں کہ "جناح صاحب کو شیخ محمد عبداللہ کی عوامی مقبولیت کا کوئی اندازہ نہیں تھا جبکہ اُس کی سیاسی بصیرت اور اعلیٰ رہنما ہونے کا اندازہ پنڈت نہرو کو بہ خوبی ہوچُکا تھا" ۴۷۔ یہاں تک کہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں، جب شیخ صاحب بحیثیت صدر سٹیٹ پیوپلز کانفرنس دہلی کے ہوائی اڈے پر پہنچے تو اُنہیں شاندار گارڑ آف آنر پیش کیا گیا۔ محمد علی جناح کو برطانوی قانون، عدلیہ اور جمہوریت کی بالادستی پر مکمل اعتماد تھا۔ "منصوبۂ تقسیم" کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں پورا یقین تھا کہ جموں و کشمیر مسلم اکثریتی

---

۴۵ آتش چنار، ص ۴۰۵۔

46.Kalim Siddiqui, 1972, Conflict, Crisis and war in pakistan , London, p-114.

47.C. Bilqees Taseer, P-303.

علاقہ ہونے کی وجہ سے ہر صورت میں پاکستان کا حصہ بن جائے گا۔محمد علی جناح اس وجہ سے بھی شیخ محمد عبداللہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے ۴۸۔ نہ ہی جناح صاحب نے کبھی شیخ محمد عبداللہ کو اپنانے کی کوشش کی۔ انہیں پختہ یقین تھا کہ وہ شیخ صاحب کی حمایت کے بغیر ہی کشمیر حاصل کرنے میں کامیاب ہونگے۔



کلہن غنی تہٕ صرفی سأراب گرِ یتھؠ آبن
سُے آب سانہٕ باپتھ زہرے ہلال آسِیا
(عبدالاحد آزاد)



أکِس ناگہٕ رادس اگر آب گو کم
پڑیا پیتہٕ سٔدرچ أدے برانتھ تراونی
(عبدالاحد آزاد)



48.Ghulam Ahmad, 2008, My years with Sheikh Abdullah, Srinagar, PP.130-131.

کشمیر میں دراندازی اور بغاوت

جب کیبنٹ مشن نے ہندوستان کو دولخت کرنے کا عندیہ دیا تو کانگریسی اور مُسلم لیگی کشمیر پر قابض ہونے کی مُہم میں ہمہ تن جُٹ گئے۔ پاکستان وجود میں آتے ہی وہاں کے حکمرانوں نے پونچھ کے سابقہ فوجیوں کو خفیہ طور متحد اور منظّم کیا اور اُنہیں ہتھیار فراہم کیے۔ ہتھیار فراہم کرنے میں آزاد ہند فوج کے جنرل محمد زمان کیانی نے اہم رول ادا کیا۔ کیانی جس نے صوبہ سرحد کے سرکردہ مسلم لیگی رہنما پیر آف مانکی شریف سے رابطہ کیا نے ۱۹۴۷ء کے اوائل میں کشمیر کے لئے ''جہاد برائے اسلام'' کا نعرہ بلند کر کے اپنے جاسوس ملکِ کشمیر کی جانب روانہ کیے۔ اس حوالہ سے کشمیر میں تعینات برطانیہ کے پولیٹیکل ایجنٹ ڈبلیو ویب وائس رائے ہند کے نام اپنی پندرہ روزہ رپورٹ میں لکھتے ہیں:

> " Webb said in his dispatch for 30 march, 1947, that the Pir of Manki Sharif in the NWFP had sent his agents to Kashmir to prepare the people for a holly crusad" ۲

پیر صاحب کے یہ جاسوس سب سے پہلے باغ، کوٹلی، پونچھ اور مظفر آباد میں داخل ہو گئے اور وہاں مسلم کانفرنس سے وابستہ ستی اور دُند قبائل کی حوصلہ افزائی کر کے مہاراجہ کشمیر کے خلاف بغاوت کا ماحول بنانا شروع کیا۔ وقفہ وقفہ سے جاسوسوں کے ہمراہ رضا کار جن میں پنجاب سے آئے ہوئے رفیوجی پیش پیش تھے، بھی ملک میں داخل ہونے لگے۔ یہ لوگ ہر جگہ لوٹ مار میں مصروف رہے۔ ۳ر ستمبر کو دراندازوں نے کوٹھ گاؤں کو لوٹ لیا۔ اُسی روز پانچ سو حملہ آوروں نے سانبھا سے دس کلومیٹر دور جنوب میں واقع چک ہاری کے ہندو رفیوجی کیمپ اور پیٹرول پمپ پر حملہ کیا۔ ۴ر ستمبر کو جنرل اسکارٹ نے

---

۱ رشید تاثیر، ۱۹۸۴ء، تحریک حریت کشمیر، جلد سوم، ص ۲۶۵۔
2. IORL/P&S13/1266- Cited in Prem Shankar Jha, 1996, Kashmir. 1947, New Delhi, PP. 15-31

حکومت کشمیر کو ایک برقی پیغام کے ذریعہ خبردار کیا کہ ضلع راولپنڈی کے مری اور کہوٹ تحصیلوں سے تعلق رکھنے والے خاکی اور سبز رنگ کی وردیوں میں ملبوس دوسو درانداز پونچھ میں داخل ہوئے ہیں۳۔ ۱۷ر ستمبر کو مزید چارسو درانداز رنبیر سنگھ پورہ کے راستے ملک میں داخل ہوئے جنہوں نے ریاستی پولیس کے ساتھ متصادم ہوکر راہ فرار اختیار کرلی۴۔ ۴ر اکتوبر کو حالات اس قدر نازک ہوئے کہ پاکستانی فضائیہ بھی حرکت میں آگئی۔ اس کے ہوائی جہاز کوہالہ اور پلندری کے درمیان گشت کرنے لگے۵۔ اسی روز تقریباً چارسو درانداز ٹومی۶ نام کی مشین گنوں اور بارود سے لیس ہوکر چرالا گاؤں میں گھس آئے مگر کشمیری افواج سے متصادم ہونے کے بعد فرار ہوگئے۔ ۱۱/۱۲ اکتوبر کی درمیانی رات کو ہزارہ سے ہلکی مشین گنوں اور وائیرلیس سیٹوں سے لیس پانچ سو درانداز پونچھ میں داخل ہوگئے ۷۔ ۱۳ر اکتوبر کو صوبۂ سرحد کے گورنر جارج کنگھم پاکستان کے قائم مقام فوجی کمانڈر انچیف میجر سر دوگلس گریسی کے حوالے سے دراندازی کا ذکر یوں کرتے ہیں:

> "......October 13th , Gracey told me just before lunch that there is a real move in Hazara for Jehaad against Kashmir. There have been collecting rifles, and have made a definite plan of compaign, apparently for seizing the part of the main Jehalam Valley above Domel" ۸

اسی طرح پاکستانی افواج کی مدد سے ملک کشمیر کی سرحدوں پر ہر جگہ حملہ کے ڈی ڈے تک دراندازی ہوتی رہی۔

---

3. White Paper on Kashmir, released on 22 MArch, 1948 by Indian Government.
4. Lt. M.L. Chibber, 1998, Pakistans Criminal Folly in Kashmir, New Delhi, P.69.
5. S.N. Prasad and Dr. Dharam Pal, 1957, History of Operations in Jammu and Kashmir 1947-1948, Dehradun, P.13.

۶ یہ گن امریکہ کے جے ٹی تھامسن سے منسوب ہے۔

7. S.N. Prasad and Dr. Dharam Pal, P.14.
8. Diary of Sir George Cunnigham, 1947-1948, Eur, D670/6, Indian office Records, British Library, cited in Whitehead, P.54.

اقتصادی ناکہ بندی

۱۹۴۷ء کے اوائل سے ہی مہاراجہ کشمیر کو کانگریس، مسلم لیگ اور برطانوی حکمرانوں کی طرف سے بار بار یہ دھمکی ملتی رہی کہ وہ ۱۵ اگست تک ہندوستان یا پاکستان میں ضم ہونے یا مقررہ شرائط کے تحت الحاق کا فیصلہ کریں۔ غور وفکر کے بعد مہاراجہ نے مقررہ وقت سے تین دن پہلے ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ الحاق کے بدلے سٹینڈ سٹل اگریمنٹ کی تجویز پیش کی۔ ہندوستان نے اس ضمن میں مزید بات چیت کرنے پر زور دیا[۱] جبکہ پاکستان نے اسے من وعن قبول کیا[۲]۔ امید کی جارہی تھی کہ سٹینڈ سٹل اگریمنٹ سے ہندوستان، کشمیر اور پاکستان کے تعلقات خوشگوار رہینگے۔ پاکستان نے مہاراجہ کشمیر کو الحاق پر راضی کرنے کے لئے بے شمار مرعات کی پیشکش کی[۳] جبکہ ہندوستان نے ڈپلومیسی کے تمام طریقے آزمائے۔ جب دونوں ممالک مہاراجہ کو قائل کرنے میں ناکام ہوئے تو انہوں نے مہاراجہ کو دھمکیوں کے ذریعہ ڈرانے کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک طرف مہاراجہ کشمیر کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن، مہاتما گاندھی، سردار ولبھائی پٹیل اور پنڈت جواہر لال نہرو کے دھمکی آمیز خطوط اور اشتعال انگیز تقاریر کا سامنا تھا[۴]۔ اور دوسری طرف قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خاں، خان عبدالقیوم خان اور میاں افتخار حسین خان ممدوت کے بلاجواز پیغامات اور ناتجربہ کار ثالثوں کی ثالثی نے پریشان کر رکھا تھا[۵]۔

1. S.C. Vishal, 1971, U.N. Mediation in Kashmir: A Study in Power Politics, Haryana, PP. 10-11.
2. J.B. Dasgupta, 1958, India-Paskistan Relations 1947-58, Amsterdam, P. 90. Latif Ahmad Sherwani, PP. 39, 57.
3. Maj.K. Brahma Sing, 1990, History of Jammu and Kashmir Rifles 1820-1956, New Delhi, P. 217.
4. Mehar Chand Mahajan , P. 37.
5. The Dawn, 24 August, 1947, Karachi.

مہاراجہ پھر بھی الحاق کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اُن کی یہ ہٹ دھرمی دونوں ملکوں کو ناگوار گذری نتیجہ یہ کہ ہندوستان نے جہاں خاموش حکمت عملی سے کام لیا وہیں پاکستان نے ستمبر کے دوسرے ہفتے میں سٹینڈ سٹل ایگریمنٹ کی دھجیاں اُڑا دیں۔ سرینگر اور راولپنڈی کے درمیان کاروباری سرگرمیاں ٹھپ ہونے لگیں۔ پاکستانی سرکار نے منظورِ نظر بیوپاریوں کو خفیہ طور ہدایت دی کہ وہ اپنا مال خاص کر اشیاءِ خوردنی کشمیر روانہ نہ کریں۶۔ اور ساتھ ہی کشمیر جانے والے تمام راستوں کو ناقابل استعمال بنانے کا منصوبہ بھی ترتیب دیا گیا۔ مواصلاتی نظام کو سرے سے کاٹ دیا گیا۔ مُسافر بسوں، مال بردار اور ضروریات زندگی کا سامان لے جانے والی گاڑیوں کا چلنا روک دیا گیا۔ جسے ملک کشمیر میں اشیاءِ خوردنی کی قلت پیدا ہوئی۔ حالانکہ مہاراجہ نے پاکستانی سرکار کو حسب معمول چھ لاکھ روپیہ پیشگی ادا کر کے چار مہینے کا راشن (چاول) خرید لیا تھا جسے راولپنڈی میں روک دیا گیا۔ اسی طرح ۱۷۰۰۰ میٹرک ٹن گندم اور راجماش کی سپلائی بھی روک دی گئی۔ کپڑوں کے ۱۸۹ گٹھے راولپنڈی اڈے میں رُکے پڑے رہے۔ ۲۰۶ ٹن نمک کی دس ویگنیں راولپنڈی میں سرینگر جانے کی منتظر تھیں۔ پانچ ہزار ڈبے جن میں مٹی کا تیل بھرا ہوا تھا، راولپنڈی کے بس سٹینڈ پر پڑے رہے۔ اس کے علاوہ ۳۸۴۰۰۰ گیلن پیٹرول بھی روک لیا گیا تھا۷۔

حملہ شروع ہونے سے پہلے ہی پاکستان نے ملک کا ٹیلی گراف اور ٹیلی فون سسٹم کاٹ دیا تھا۸۔ ۱۲ر ستمبر کو ڈاکخانہ میرپور سے رجسٹری اور منی آرڈر بھیجنا بند کر دیا گیا۔ اسی طرح ڈاکخانوں نے بچت کھاتوں سے رقومات دینے سے انکار کر لیا! اور ساتھ ہی کرنسی آفس لاہور نے کشمیر کے لئے رقومات کی واگذاری بھی روک دی۔ ۲۰ر ستمبر کو سیالکوٹ جموں ریل سروس بھی معطل کر دی گئی۔ اس طرح کاروباری سرگرمیاں بالکل ٹھپ ہو گئیں۔ جب مہاراجہ نے حکومت پاکستان سے اقتصادی ناکہ بندی پر احتجاج کیا تو

۶۔ طارق فیض پراچہ، ۲۰۰۵، کشمیر......ان کہی کہانی، راولپنڈی، ص ۱۴۰۔

7. Sisir Gupta, P.104.

8. Hiralal Atal, p.62.

اُنہیں جواب دیا گیا کہ ابتر حالت کی وجہ سے کوئی ڈرائیور سرینگر جانے کے لئے تیار نہیں ہے۔اسی دوران جب پیٹرول سے بھری گاڑیوں نے کشمیر میں داخل ہونے کی کوشش کی تو پاکستانی کسٹم چوکی نے کوہالہ سرحد سے ایک پیٹرول ٹینکر کو زبردستی واپس راولپنڈی بھیج دیا۹ جبکہ نمک کی درجنوں گاڑیاں کشمیر میں داخل ہونے کے انتظار میں تھیں۔ پاکستان نے اقتصادی پابندی شاید اس لئے عاید کی کہ ضروریات زندگی کی عدم دستیابی سے لوگ مہاراجہ کے خلاف بغاوت پر اُتر آئینگے۔دوسرے یہ کہ پیٹرول کی نایابی سے فوجی گاڑیاں بے کار ہونگی اور فوج کی نقل وحرکت رُک جائے گی تا کہ مہاراجہ مجبور ہو کر پاکستان کے ساتھ بات چیت کے لئے آمادہ ہو جائے مگر معاملہ اس کے برعکس رہا۔مہاراجہ نے فوری طور ہندوستان سے پانچ ہزار گیلن پیٹرول بھیجنے کی درخواست کی جس کو منظور تو کیا گیا مگر صرف پانچ سو گیلن فراہم کئے گئے۔یہ خبر سُنتے ہی پاکستان نے قبائلی حملے کو آخری شکل دی۔



9. Ibid, P.62.

حملے کی سازش

جب مسلم لیگ کی غیر منظّم سیاسی اُچھل کود مُلک کشمیر کو ہتھیا لینے میں نا کام ہوئی تو لیگ نے طاقت کے بل پر کشمیر کو حاصل کرنا چاہا[1]۔ جس کے لئے پہلے سے ماحول تیار کیا جارہا تھا۔ اس سلسلے میں افتخار حسین خان ممدوٹ[2] مسلم لیگ کے رہنما اور اخبار پاکستان ٹائمز کے مالک میاں افتخارالدین، صوبۂ سرحد کے قبائلی رہنما خان عبدالقیوم خان[3]، آزاد ہند فوج کے محمد زمان کیانی[4] ہتھیاروں کے ڈائیریکٹر میجر جنرل اکبر خان[5] اور مسلم لیگ نیشنل گارڑز کے سالارِ اعلیٰ خورشید انور سرفہرست تھے[6]۔

---

1. Sirdar Shaukat Hayat Khan, 1995, The Nation that last its soul, Lahore, PP. 213-214.

۲۔ میاں افتخار حسین خان ۱۹۰۵ء کو پنجاب میں ممدوٹ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ یہ جگہ پنجاب اور اتر پردیش کو تقسیم کرتی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں میاں پاکستان چلے گئے جہاں انہیں پنجاب کا وزیر اعلیٰ نامزد کیا گیا۔ ۱۹۵۳ء میں گورنر جنرل غلام محمد نے آپ کو صوبۂ سندھ کا گورنر بنایا۔ ۱۹۶۹ء کو لاہور میں آپ کا انتقال ہوا۔

۳۔ خان عبدالقیوم خان پشاور میں ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ اور لندن سے تعلیم حاصل کر کے ۱۹۲۷ء میں واپس وطن آئے اور وکالت شروع کی۔ ۱۹۳۷ء کے صوبائی الیکشن میں آپ سرحد سے کانگریس کی ٹکٹ پر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں آپ مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ کو سرحدی صوبے کا مسلم لیگی نمائندہ بنایا گیا۔ آپ نے ۱۷ ماہ جولائی کے ریفرنڈم میں لوگوں کو پاکستان کے حق میں ووٹ ڈلوانے میں کلیدی رول ادا کیا۔ ۲۲ راگست کو صوبۂ سرحد کی کانگریس اور خدمت گار پارٹی کی ملی جُلی سرکار برطرف کی گئی اور آپ کو وزیر اعلیٰ چُنا گیا۔ ۱۹۵۳ء میں آپ کو مرکزی وزارت میں جگہ ملی جبکہ ۱۹۵۷ء میں آپ کو پاکستانی مسلم لیگ کا صدر بنایا گیا۔

۴۔ کیانی ۱۹۲۷ء میں فوج میں بھرتی ہوئے۔ آزاد ہند فوج میں آپ کو اہم رتبہ حاصل تھا۔ سُبھاش چندر بوس کی عدم موجودگی میں تمام ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی تھی۔

۵۔ اکبر خان ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹۴ء کو فوت ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان کا تختہ اُلٹنے کی کوشش میں راولپنڈی سازش کیس کے تحت عدالت نے آپ کو طویل قید کی سزا سنائی۔ سزا کی مُدت پوری ہونے کے بعد آپ ذوالفقار علی بھٹو کی وزارت میں دفاع کے وزیر مملکت بنے۔

6. M.Y. Saraf, Vol. ii, P. 857.

خان عبدالقیوم خان نے خورشید انور سے مل کر قبائلیوں کو کشمیر پہنچانے کے لئے پہلے ہی ایک منصوبہ بنایا تھا۷۔ دوسری طرف پاکستانی حکام لاہور میں محمد زماں کیانی کے ساتھ دن رات رابطے میں تھے۸۔ لیکن اس کے باوجود پاکستانی سرکار کھُلم کھُلا کچھ کرنے سے معذور تھی۔ اُن کو خدشہ تھا کہ کشمیر میں مداخلت سے ہند پاک جنگ چھڑ سکتی ہے۔ ان خطرات کو مدنظر رکھ کر انہوں نے نیم خُفیہ اور نیم سرکاری سطح پر کشمیر کو حاصل کرنے کے لئے سابقہ آزاد ہند فوج کے افسروں، فوجیوں اور رضا کاروں کی خدمات حاصل کرنے پر اتفاق کیا۹۔ ان حالات کے پیش نظر محمد زمان کیانی نے اعلیٰ حکام کے کہنے پر ایک جنگی منصوبہ تیار کیا اس طرح مری میں میجر اکبر خان اور سردار محمد ابراہیم خان نے ایک اور پلان تیار کیا۔ دریں اثناء میاں افتخارالدین، وزیر اعظم لیاقت علی خان کی ہدایت پر لاہور سے مری کا رُخ کر کے اکبر خان سے ملاقی ہوئے دوران گفتگو میاں افتخار الدین۱۰ نے اکبر خان کو کھل کر کہا کہ جموں و کشمیر کو پاکستان کے ساتھ ملانے کیلئے کسی بھی حد تک جانا ہمارا اولین فرض ہے۔ اس ملاقات کے بعد میاں افتخارالدین مسلم کانفرنس عہدہ داروں سے ملنے سرینگر آ گئے۔ اُدھر اکبر خان نے راولپنڈی پہنچتے ہی ایک جنگی منصوبہ تیار کیا۱۱۔ اسی دوران میاں افتخارالدین اپنے مشن میں ناکام ہو کر سرینگر سے سیدھے

---

7. Lord Birdwood, P.76, M.Y. Saraf, P.857.

8. M.Y. Saraf, P.858.

9. Ibid, P.858.

۱۰۔ میاں افتخارالدین ۱۹۰۷ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر بنے۔ اسی سال الیکشن میں کامیابی حاصل کر کے پنجاب اسمبلی کے رُکن بن گئے۔ سیاسی وجوہات کی بناء پر آپ کو جیل جانا پڑا۔ تین سال قید میں گذارنے کے بعد ۱۹۴۵ء میں رہا ہوئے اور مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ آپ مسلم لیگ کے اہم عہدہ داروں میں شمار ہوتے تھے۔ مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن قائم کرنے کے زبردست حامی تھے۔ قیام پاکستان کے بعد پنجاب سرکار میں میاں افتخار حسین خان ممدوت نے آپ کو اپنی وزارت میں جگہ دی۔

11.Maj. Gen. Akbar Khan, 1970, Raiders in Kashmir, Karachi, P. 110.

راولپنڈی پہنچ گئے۔ جہاں وہ اکبر خان سے کشمیر کے متعلق جنگی منصوبے کی درجنوں کاپیاں وصول کر کے لاہور آئے۔ چند دنوں کے بعد اکبر خان کو لاہور آنے کی دعوت دی گئی۔ جہاں ۱۲ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو صوبائی سطح کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں اکبر خان کے علاوہ شوکت حیات خان کا تیار کردہ جنگی پلان بھی زیر بحث آیا۔ اسی روز شام چھ بجے لاہور کے گورنمنٹ ہاؤس میں ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خاں کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ جس کو قائد اعظم محمد علی جناح نے مسئلہ کشمیر سے نمٹنے کے تمام اختیارات تفویض کئے تھے[12]۔ میٹنگ میں اُس وقت کے وزیر خزانہ غلام محمد کے علاوہ میاں افتخار الدین، محمد زمان کیانی سردار شوکت حیات خان، میاں افتخار حسین خان ممدوت، چودھری محمد علی، میجر خورشید انور، آئی جی قربان علی، مشتاق احمد گورمانی، میجر جنرل سکندر مرزا، خان عبد القیوم خان، آئی سی ایس عبد الرحیم، بریگیڈیر شیر خان، کرنل شاہد حمید اور اکبر خان شریک تھے[13]۔ نشست میں جہاں شوکت حیات خان کے منصوبہ کو اکبر خان کے جنگی پلان پر فوقیت دی گئی وہیں اس میٹنگ میں محمد زمان کیانی نے اپنا علیحدہ جنگی منصوبہ پیش کیا۔ جس میں مندرجہ ذیل تجاویز پر غور کیا گیا[14]۔

۱۔ پونچھ پر حملہ۔

۲۔ وادیٔ کشمیر میں در پردہ فوجی بغاوت۔

۳۔ ریاست کو ہندوستانی فوجی امداد پہنچنے کی صورت میں کٹھوعہ سے جموں تک کی

---

12. Maj. Agha Humayun Amin, 1971, The War of last Opportunities Downloaded from internet, www. subcontinent. com/1971/war/west.html.

13. Maj. Gen. Akbar Khan P. 16.

14. Lord Birdwood, 1956, Two Nations and Kashmir, London, P.73.

لارڈ بارڈ وڈ کے بقول کہ مہاراجہ نے تقسیم ہند سے پہلے سات ہزار بندوقیں فیروز پور پنجاب سے خریدی تھیں جن کو قلعہ بہو جموں میں رکھا گیا تھا۔ تقسیم ہند کے فوراً بعد یہ ہتھیار صوبہ جموں کی ڈوگرہ آبادی میں بانٹ دئے گئے۔ تاہم بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ ہتھیار انتہا پسند ہندوؤں میں بانٹے گئے جس کی تصدیق بعد میں رونما ہوئے حالات سے ہوئی جو جموں میں پیش آئے تھے۔

شاہراہ کو ناکارہ بنانا۔

۴۔ پنجاب کے سابقہ آزاد ہند فوج کی مدد لے کر سیالکوٹ سے یلغار

میجر اکبر خان نے محمد زمان کیانی کی تجویز پر اپنا فوری ردِعمل ظاہر کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ ہندوستان نے پہلے ہی نہ صرف رضا کاروں کو ریاست میں داخل کیا ہے بلکہ راشٹریہ سیوک سنگھ کو اسلحہ بھی فراہم کیا ہے۱۵۔ اکبر خان نے مذکورہ بالا جنگی پلان پر جلد از جلد کاروائی کرنے پر زور دیا۔ اگر چہ اس منصوبہ کی مکمل باگ ڈور سردار شوکت حیات خان کو سونپ دی گئی لیکن اس کو عملانے کے لئے محمد زمان کیانی کو مقرر کیا گیا۔ جس کی عمل آوری کے لئے اُس سے فوری طور ایک لاکھ روپیہ دیا گیا۔

اس میٹنگ کے دوران پاکستانیوں کے آپسی اختلافات کھل کر سامنے آگئے۔ مثلاً کئی قسم کے جنگی پلان مرتب کروانا اور پھر مختلف لوگوں کے ذریعہ اُن پر عمل کروانا اور آپسی بداعتمادی اور غیر منظّم طریقہ کار وغیرہ۔ چنانچہ اکبر خان خود لکھتے ہیں:

" Upon coming out of the conference room, Khurshid Anwar took me aside and told me that he was not going to accept any order from Showkat Hayat Khan. I did my best to persuade him to realise that without complete cooperation, there would be chaos and therefore he must play the game fairly. He was not convinced. I was just wandering what to do about this. When Showkat Hayat Khan also came and told me that he had absolutely no confidence in Khurshid Anwar. In view of this mutual lack of confidence, I suggested that he should immediately see the Prime Minister and got someone else in place of Khurshid Anwar. But he said Khurshid Anwar was the choice of authorities concerned and

---

15. Maj. Gen. Akbar Khan, PP.17-18.

nothing could be done about it at this stage"[16]

پاکستان کی اس ناقص جنگی منصوبے کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے میجر محمد زمان کیانی ۱۳ ستمبر ۱۹۴۷ء سے ہی مصروفِ عمل تھے۔ قریب گیارہ دنوں میں وہ تمام جنگی مراکز کام کرنے لگے تھے جو گجرات (مرکزی دفتر)، راولپنڈی، سیالکوٹ اور جہلم میں قائم کئے گئے تھے۔ ضلع جہلم کی جنگی بیسمینٹ سے پونچھ، جموں اور میرپور پر حملے کی تیاری ہونے لگی۔ سیالکوٹ سے میاں افتخار حسین خاں ممدوت کی تجویز پر سردار شوکت حیات خان کو حملے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اسی طرح کوہالہ۔مظفرآباد سیکٹر سے حملے کی کمان خورشید انور کے ہاتھوں میں دی گئی۔ محمد زماں کیانی مرکزی دفتر گجرات سے اس ساری صورتحال کو مانیٹر کر رہے تھے۔ تاہم مذکورہ منصوبے پر اُس وقت پانی پھر گیا جب حملہ کے ڈی ڈے، جو ستمبر میں تھا، پر مظفرآباد محاذ کے انچارج خورشید انور غائب پائے گئے[17]۔

اس حوالے سے راولپنڈی کا فوجی ہیڈکوارٹر سب سے زیادہ سرگرم تھا۔ جہاں جنگی منصوبہ بندی اور نئے ڈی ڈے جسکو بریگیڈ میجر او ایس کالکٹ کے بقول ''آپریشن گلمرگ'' کا نام دیا گیا، کو حتمی شکل دی جاری تھی[18]۔ اس آپریشن پلان کے مطابق ہر پٹھان قبیلے کو ایک ایک ہزار قبائیلوں پر مشتمل لشکر تیار رکھنے کی ہدایت دی گئی۔ ہر لشکر کو پاکستانی فوج کے ایک میجر، ایک کپتان اور دس جونیئر کمشنڈ آفیسروں کی معاونت حاصل تھی جو سب کے سب پٹھان قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ فوجی سربراہان جو میجر محمد زمان کیانی کے شانہ بشانہ کام کر رہے تھے اُن میں کرنل آر ایم ارشد، کرنل ایم اے خان، کرنل تاج محمد خانزادہ، کرنل تجمل حُسین اور کپتان سیف اللہ قابل ذکر ہیں۔ کرنل تاج محمد خانزادہ کو راولپنڈی اور کرنل آر ایم ارشید کو جہلم سیکٹر کے فوجی آپریشن کا انچارج مقرر کیا گیا۔ اسی

16. S.N. Prasad and Dr. Dharam Pal, 1957, History of Operations in Jammu and Kashmir, 1947-1948, Dehradun, P.17.
17. Sirdar Shaukat Hyat-Khan, P. 215
18. S.N.Prasad and Dr. Dharam Pal, P.17

طرح کرنل کیانی کو سردار شوکت حیات خان کے ساتھ سیالکوٹ سیکٹر کا معاوِن انچارج بنایا گیا۔ ۱۸/اکتوبر ۱۹۴۷ء تک تمام لشکر کو ایبٹ آباد میں جمع ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ اہداف آپریشن حاصل کرنے کے لئے متعلقہ حکام نے لشکر کے چھ گروپوں کو مظفر آباد، دُومیل، اوڑی اور بارہمولہ سے ہوتے ہوئے سرینگر کے راستے بانہال تک پہنچنے کا پلان ترتیب دیا۔ اسی طرح درہ حاجی پیر سے گلمرگ جبکہ ٹیٹوال سے درہ نستاچن کو عبور کرکے ہندوارہ، سوپور، اور بانڈی پورہ پر قبضہ کرنے کے لئے دو دو اور پونچھ، بھمبر، راولاکوٹ، راجوری اور جموں پر حملے کی خاطر دس لشکروں کو مقرر کیا گیا۔[19]

اس کے ساتھ ہی پاکستانی پیدل فوج کی ساتویں ڈویژن کو ۲۱/اکتوبر ۱۹۴۷ء میں مری اور ایبٹ آباد میں تیار رہنے کا حکم دیا گیا تا کہ قبائلی لشکر کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ پیدل فوج کی ایک اور برگیڈ کو سیالکوٹ میں تیار رکھا گیا تا کہ بوقت ضرورت جموں کی طرف پیش قدمی کی جائے۔[20]



18.O.S. Kalakat, 1983, The Forflung Frontiers, New Delhi, PP.29-43.

20. Ibid, P.41.

سرحدی قبائل ___ ایک تعارُف

قبائلی لوگ برصغیر کے شمال مغربی صوبہ میں بود باش کرتے ہیں۔ اس صوبہ کی تشکیل ۱۹۰۱ء میں وائیس رائے ہند لارڈ کرزن کے عہد میں ہوئی تھی[۱]۔ اس کے شمال میں ہندوکش، جنوب میں بلوچستان اور ڈیرہ غازی خان، مشرق میں جموں وکشمیر اور پنجاب جبکہ مغرب میں افغانستان واقع ہے۔ اگر سندھ اور ڈیورنڈ لائین[۲] کے درمیانی علاقے کو صوبۂ سرحد کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا[۳]۔

صوبہ کی راجدھانی پشاور قدیم سلطنت گندھارہ کا مرکز رہ چکا ہے۔ اس کے گردونواح میں ۳۰ لاکھ افغان پناہ گزیں ۳۴۰ گاؤں میں گذر بسر کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے ۱۹۷۹ء میں روسی حملے کی وجہ سے افغانستان سے ہجرت کی تھی۔ صوبۂ سرحد داخلی طور خودمختار ہے۔ یہاں کے اپنے قبائلی قوانین حکومت پاکستان کی نگرانی میں نافذالعمل ہیں۔ یہاں کسی بھی مُلکی یا غیر ملکی کا گذر بغیر اجازت ممنوع ہے۔ البتہ اقوام متحدہ اور میڈیا کے نمائندے صوبۂ سرحد کے داخلہ سیکریٹری اور قبائلی معاملات کی وزرات سے تحریری طور اجازت حاصل کر کے صوبہ میں داخل ہوسکتے ہیں جبکہ پاکستان کے باقی صوبوں کے باشندوں کو پولٹیکل ایجنٹ سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔

سرحد میں یوسف زئی، ارق زئی، موہمند، آفریدی، شناواری، بنگش، وزیری، محسودی، بہتانی، دائرس، کھٹک، عوان، گُجر، دُند اور کشمیری قبیلے آباد ہیں۔ آفریدی قبیلے کو

۱۔ اکبر ایس احمد، ۱۹۸۸ء پاکستانی معاشرہ، پاکستان، ص ۲۳۰۔

۲۔ یہ لائین افغانستان اور پاکستان کو تقسیم کرتی ہے جس کو سر مورٹیمر ڈریوند نے ۱۸۹۳ء میں کھینچا تھا۔ یہ سرحد مذکورہ صوبہ اور افغانستان کے درمیان گیارہ سو کلومیٹر طویل ہے۔ اس لکیر کے دونوں اطراف میں قبائل بود باش کرتے ہیں۔

۳۔ انتظامی سطح پر صوبۂ سرحد کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا جو ہزارہ، پشاور، کوہت، بنو اور ڈیرہ اسماعیل خان پر مشتمل تھا۔ کُل رقبہ ۱۳۴۱۹ مربعہ میل تھا۔ سیاسی اعتبار سے اس کی سات ایجنسیاں ہیں جس میں باجور (مالاکنڈ، خیبر، کرم، جنوبی وزیرستان، شمالی وزیرستان، مہمند اور ارق زئی شامل ہیں۔

منظّم اور سب سے طاقتور سمجھا جاتا ہے۔ خیبر ایجنسی ۴ ان کا آبائی وطن ہے ۵۔ آفریدی قبیلے کے لوگ بہت ہی خوددار اور خودسر تصور کئے جاتے ہیں۔ سخت جان ہونے کے ساتھ ساتھ سپاہ گری میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ شاید ہی کبھی، وقتی طور ہی سہی، کسی اور کی بالادستی قبول کی ہو۔ عام طور سے یہ لوگ مداخلت بیجا کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ نیز اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیشہ لڑنے مرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اپنی روایات کے مطابق یہ لوگ ہمیشہ ہتھیاروں سے لیس ہوتے ہیں۔ محمد یونس لکھتے ہیں:

"One hardly ever sees them without rifles and necessary amount of ammunition" ۶

چار ہزار سال پہلے یہ قبائل دریائے جیحون ۷ سے ملکِ ہند کی طرف آئے تھے۔ سندھ اور اس کے گردونواح میں سکونت پذیر درواڑوں کو جنوبی ہندوستان کی طرف بھگا کر خود یہاں بس گئے تھے۔ جب شہنشاہِ فارس دارا نے ان علاقوں پر قبضہ کیا تو ان قبائلیوں کی شجاعت دیکھ کر انہیں اپنی فوج میں ملازمت کی پیشکش کی۔ ۳۲۷ قبل مسیح میں جب سکندر اعظم نے دارا کو شکست دی تو قبائلیوں نے سخت مزاحمت کی۔ سکندر اعظم کی فوج لوٹ مار کرتے ہوئے آگے بڑھتی رہی مگر قبائلی علاقے کے نزدیک پہنچنے پر آفریدیوں نے زرِ راہ داری کا مطالبہ کیا جو سکندر نے نامنظور کیا۔ ڈیوڑ ہارٹ بحوالہ زیارت شاہ رقمطراز ہے کہ "سکندر اعظم درۂ خیبر سے نہیں گذرے۔ کیونکہ وہ آفریدیوں

---

۴ یہ درۂ خیبر سے مشہور ہے۔ جو پشاور سے افغانستان جاتا ہے۔ یہ درۂ اسلحہ اور منشیات کا مرکز بن چکا ہے۔

۵ آفریدیوں کا پہاڑی مسکن ۸۰ میل لمبا اور ۸ میل چوڑا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ پہاڑی وادی قابل رہائش نہیں ہے۔ یہاں وادیاں اور بل کھاتی ندیاں ضرور ہیں لیکن سنگین اور خطرناک ڈھلوان اور ننگے پہاڑ، ویرانی کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔

6. Mohammad Yunus, 1942, Frontier Pathans and Freedom struggle, Delhi , P.75.

۷ دریائے جیحون یا آمو دریا کا منبع پامیر ہے۔ اس سے دو بڑے نالے معاونت کرتے ہیں۔ ایک واکھشا اور دوسرا پاندج کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جیحون تاجکستان اور افغانستان کے درمیانی سرحد کا کام دیتا ہے۔ یہ دریا شمال مغرب کی طرف سے مشرقی ترکمانیہ اور مغربی ازبکستان سے آرل دریا تک پہنچتا ہے جس کی لمبائی ۱۵۷۸ میل ہے۔

کوٹیکس ادا کرنے کے حق میں نہیں تھے"۸۔ ہیروڈوٹس کے مطابق قبائیلوں اور سکندر اعظم کے درمیان ایک سال تک جنگ ہوتی رہی۔ اسی طرح ۹۹۸ء میں محمود غزنوی کو ایک بھاری رقم ادا کرنے کے بعد ہی راہ داری ملی۔ بقول ڈیوڈ ہارٹ "جب سلطان محمود غزنوی نے سومنات مندر کو لوٹنے کے لئے خیبر سے جانا چاہا تو آفریدیوں نے تب تک جانے کی اجازت نہیں دی جب تک کہ سلطان نے اپنی فوج کی زرراہ داری ادا نہیں کی۔ اس کے بعد وہ سومنات مندر کے لوٹ میں بھی شامل ہو گئے"۹۔

۱۲۲۱ء میں چنگیز خان اور ۱۳۸۰ء میں تیمور لنگ نے مذکورہ قبائلی علاقوں کو روند ڈالا اور زبردست تباہی مچادی۔ مغل حکمرانوں نے بھی قبائل کو مغلوب کرنے کی کافی کوشش کی۔ ظہیر الدین بابر نے ان علاقوں میں ایک مضبوط اور مستحکم حکومت قائم کرنے کی خاطر وہاں تقریباً تین سال گذارے۔ ۱۵۸۶ء میں شہنشاہ اکبر نے قبائیلوں کے خلاف دوناکام جنگیں لڑیں اور کئی معاہدے کئے جو انجام کار بے اثر ثابت ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغل بادشاہوں سے ملنے والی تمام مراعات واپس لی گئیں۔ اس طرح فریقین کے مابین جنگوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ چنانچہ ۱۶۲۰ء میں شہنشاہ جہانگیر اور قبائیلوں کے درمیان زبردست جنگ چھڑ گئی۔ جس میں فریقین کو کافی جانی اور مالی نقصان اُٹھانا پڑا۔ ۱۶۲۷ء میں ارق زئی قبائل نے مغل گورنر مظفر خان کو بھاگنے پر مجبور کیا۔ جبکہ اس کے افراد خانہ گرفتا ہوئے۔ شاہجہان کے عہد میں مذکورہ علاقوں میں امن و امان قائم رہا مگر اورنگ زیب کے عہد میں خیبر کے مقام پر ایک اور معرکہ پیش آیا جس میں ۴۰ ہزار فوجی مارے گئے ۱۰ حتیٰ کہ مغل گورنر محمد امین اور اس کے چار آدمی مشکل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے ۱۱ جبکہ ۲۰ ہزار فوجی قبائلی لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہوئے ۱۲۔ جب احمد شاہ ابدالی نے

8. David M. Hart, 1985, Guardians of the Khaybar pass, Lahore, P.95.
9. Ibid, P.95.
10. Henry Raverty, 1976, Notes on Afghanistan and Balochistan, Lahore, P.42.

۱۱ اس لڑائی میں گورنر کی بیوی، ماں، بہن اور تین بیٹیاں بھی ہلاک ہو گئیں۔
۱۲ اکبر ایس احمد، ص ۱۹۴۔

اقتدار سنبھالا تو اس نے قبائلیوں خاص کر آفریدی اور شناوریوں کے حق میں تمام مراعات بحال کیں ۱۳۔ نتیجتاً یہ لوگ کسی حد تک پُر امن رہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں اس خطے کا امن و امان پھر درہم برہم ہو گیا۔ اس طرح سکھ حکمران بھی قبائلیوں کو زیر کرنے میں ناکام رہے ۱۴۔ جغرافیائی اعتبار سے قبائلیوں کا یہ علاقہ برصغیر کی تاریخ میں زبردست حساس ہونے کی وجہ سے کافی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز مذکورہ علاقوں پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے زبردست بیقرار رہتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اُس زمانے میں زارِ روس کی نظریں وسط ایشیا پر قبضہ کرنے کے بعد افغانستان پر جمی ہوئی تھیں۔ لہٰذا ان منتشر قبائلیوں کے درمیان انگریزوں نے مزید تفرقہ ڈالنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی قبیلے انگریزوں کے زرخرید ایجنٹ بن گئے۔ اپنے مفادات کے پیشِ نظر انگریزوں نے قبائلی علاقوں میں بہت سے اصلاحی کام کیے۔ مثلاً قبائلیوں کو ماہانہ اور سالانہ مراعات دیے۔ دشوار گذار علاقوں میں سڑکیں بنوائیں۔ اسکول اور اسپتال تعمیر کیے۔ اس کے باوجود انگریز قبائلیوں کے دل جیتنے میں ناکام رہے۔ چنانچہ فریقین کے درمیان ۲۲ر جولائی ۱۸۳۹ء کو اُس وقت تصادم ہوا جب کلیوڑ وید کی سربراہی میں سکھ فوج کی ایک ٹکڑی آفریدی علاقے سے گذر رہی تھی۔ ۱۸۵۳ء میں انگریز کمشنر فیڈرک میکسن کو آفریدیوں نے قتل کر دیا۔ اس کے باوجود انگریز اپنی مجبوریوں کے پیشِ نظر قبائلیوں کے ساتھ بہتر تعلقات کے خواہاں تھے۔ چنانچہ ایک معاہدہ کے تحت قبائل انگریزوں سے بھاری رقمیں اینٹھنے میں کامیاب ہوئے ۱۵۔ ۱۸۸۷ء میں وزیری، موہمند اور آفریدیوں نے مل کر پھر ایک بار انگریزوں کے خلاف بغاوت کی۔ اس شورش کو کچلنے کی غرض سے اگرچہ انگریزوں کے ۷۰ ہزار فوجی میدان میں آئے ۱۶ تاہم گفت شنید

13. Sir Olaf Caroe, 1958, The Pathans 550BC-1957, London, P.258.
14. Census of India , 1911, N.W.F.P, Vol. xiii P.28-29.

۱۵ ایک معاہدے کے تحت انگریزوں نے ۱۸۸۶ء کو ۱۵۶۵۸۶۴ اور ۱۹۰۸ء میں ۱۸۴۹۶۰۰ روپیہ قبائلی خاص کر آفریدیوں میں اس لئے تقسیم کیے تاکہ یہ لوگ خاموش اور امن وسکون سے رہیں۔

16. Lal Baha, 1978, NWFP Administration under British Rule, 1901-1919, Islamabad, P.8.

کے بعد آفریدی قبائل اور انگریز حکام کے درمیان ایک اور عہد نامہ ہوا جس کی رو سے درۂ خیبر سے گذرنے والے کارروانوں کو ہفتے میں دو بار تاوان دینا مقرر ہوا ۱۷۔ جب انگریز ایک قبیلے کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ کرتے تھے تو دوسرے قبیلوں کے لوگ فسادات شروع کرتے تھے۔ آفریدیوں کے علاوہ جو قبائل امن وامان کو بگاڑنے میں پیش پیش رہتے تھے، اُن میں کھٹک، وزیری اور محسودی قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ بہادر ضرور ہیں مگر مصلحت پسندی سے ناآشنا ہیں۔ اس لئے جنگ کے دوران نقصان اُٹھاتے آئے ہیں۔ اغواء کاری اِن کا مخصوص پیشہ ہے۔ جس کا ایک طریقہ یہ تھا کہ کسی فوجی پکٹ پر حملہ کرکے اور فوجیوں کو یرغمال بنا کر املاک لوٹی جاتی تھیں۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ لوگوں کو اغواء کرکے تاوان وصول کیا جاتا اور پھر رہا کیا جاتا تھا ۱۸۔ جب کسی اغواء شدہ آدمی کے رشتہ دار تاوان دینے سے انکار کرتے تھے تو اغوا کئے گئے شخص کو ہلاک کیا جاتا تھا۔ تقریباً یہی صورتحال آج بھی ہے۔ ۱۹۰۵ء میں محسودیوں نے انگریز فوجی کمانڈر ہرمین کو اغواء کرکے موت کے گھاٹ اُتارا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس قبیلے کے چار سو ملیشیا فوجیوں کو ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ قبائلیوں نے شدید ردِ عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۱۹۲۰ء میں وزیرستان میں مقیم برطانیہ کی ایک پوری بریگیڈ کا صفایا کیا جس میں ۱۴۳ افسران بھی شامل تھے۔ ۱۹۳۰ء میں آفریدیوں نے پشاور کے فوجی قلعہ اور فوجی اہمیت کی حامل کئی جگہوں کو نشانہ بنا کر انگریزوں پر دباؤ ڈالا کہ خان عبدالغفار خان اور ''ملنگ بابا'' (گاندھی جی) کو رہا کیا جائے۔ انگریزوں کے خیال میں قبائل فطرتاً ناقابل بھروسہ ہیں۔ ان کے سرکاری ریکارڈ میں یہ لوگ دنیا کے خطرناک جنگجو قرار پائے ہیں جن کا مقابلہ ایک انتہائی تجربہ کار اور جدید تربیت یافتہ فوج ہی کرسکتی ہے۔ سرکاری ریکارڈ سے یہ بھی عیاں ہے کہ ۱۹۲۰ء میں ایسے قبائلیوں کی تعداد قریباً تیس لاکھ تھی جن کے پاس ۱۴۰۰۰۰ جدید قسم کی بندوقیں تھیں۔

اپنے مفادات اور مجبوریوں کے پیش نظر انگریزوں نے ایک طرف Divide

17. Ibid, P.53.

18. Ibid, PP.115-120.

and Rule جیسی پالیسی اپنائی تو دوسری طرف قبائلیوں کو ورغلانے کی سعی بھی کرتے رہے۔ڈی ایف کراکا لکھتے ہیں کہ انگریز حکمران قبائلی سرداروں کو سالانہ دس ملین ڈالر ادا کرتے تھے۱۹۔ پاکستانی ذرائع کے مطابق سالانہ تاوان کی یہ رقم ۷۰ ملین ڈالر ہوا کرتی تھی جبکہ برطانوی ماخذ یہ رقم ۱۷ ملین قرار دیتے ہیں۲۰۔اس سب کے باوجود مذکورہ قبائل حسب عادت معاہدہ کر کے مُکر جاتے تھے۔حکومت پنجاب نے ۱۹ویں صدی کے نصف آخر تک قبائلیوں کے ساتھ ۶۲ معاہدے کئے مگر کسی معاہدے کا احترام نہیں کیا گیا۲۱۔ یہاں تک کہ انگریز برصغیر سے رخصت ہوئے اور دو آزاد مملکتیں معرض وجود میں آئیں۔ اس کے ساتھ ہی قبائلی سرداروں کو ملنے والی مراعات بھی ختم ہو گئیں۔

جس وقت انگریز برصغیر کو ''میدان قتال'' بنا کر جا رہے تھے اُس وقت صوبہ سرحد کی سیاسی صورتحال جونا گڑھ، حیدرآباد اور جموں و کشمیر سے زیادہ مختلف نہ تھی۔ ۱۹۳۰ء کے اوائل سے ہی ''خُدائی خدمت گار''۔پارٹی نے یہاں کے جاگیرداروں اور برطانوی حکام کے خلاف ایک منظّم تحریک شروع کی تھی جس کے مندرجہ ذیل مُطالبات تھے:

۱۔جاگیردارنہ نظام کا خاتمہ۔

۲۔ضروریاتِ زندگی کی فراہمی۔

۳۔اندرونی خودمختاری

''خدائی خدمت گار'' کے بانی صوبہ سرحد کے خان برادران عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب تھے۔اس تنظیم سے وابستہ لوگ سُرخ وردی پہنتے تھے جس کے باعث یہ ''سرخ پوش'' نام سے بھی مشہور ہوئے۔صوبہ سرحد کی سیاست میں گاندھی جی اور جواہر لال نہرو ہمیشہ ہی سے دلچسپی لیتے رہے اسی لئے خان برادران اور کانگریسی رہنماؤں کے درمیان زبردست دوستانہ مراسم ابتداء سے ہی قائم تھے۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں خدائی خدمت گار پارٹی اور کانگریس نے مل کر بھاری اکثریت حاصل کی۔

19. D.F. Karaka, 1950, Betrayal in India, London, P.171.
20. Josef Korbel, 1992, Danger in Kashmir, Jammu, P.74.
21. Ibid, P.74.

عبدالغفار خان وزیر اعلیٰ بنائے گئے۔ انہوں نے دو سال تک حکومت کی۔ لیکن دوسری جنگ عظیم کے دوران جب برطانوی حکومت نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کیا تو تمام کانگریسی وزراء اعلیٰ نے احتجاجاً استعفیٰ دیدیا جن میں خان غفار بھی شامل تھے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں خدائی خدمت گار پارٹی اور کانگریسی اتحاد نے مسلم لیگ کے مقابلے میں زیادہ سیٹیں حاصل کیں اور اس بار خان عبدالغفار خان کے مشورے سے ان کے بھائی ڈاکٹر خان کو وزیر اعلیٰ چُنا گیا۔ اس دوران مسلم لیگ کے سربراہ محمد علی جناح صوبہ سرحد میں اپنی پارٹی کو مستحکم بنانے اور نظریہ پاکستان کے حق میں زیادہ سے زیادہ حمایت کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ چونکہ خان عبدالغفار خان شروع سے ہی کانگریس میں اپنا خاص مقام رکھتے تھے۔ اس لئے وہ محمد علی جناح کے دوقومی نظریہ کی کھُل کر مخالفت کرتے تھے۔ خان برادران کو حسب وعدہ یقین تھا کہ گاندھی جی، نہرو اور لارڑ ماؤنٹ بیٹن کسی بھی صورت میں تقسیم ہند قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہونگے۔ مگر ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ قیام پاکستان کا اعلان ہوتے ہی خان غفار کا صوبہ سرحد کو ایک آزاد ریاست بنانے کا مطالبہ زیادہ زور پکڑنے لگا۔ لیکن جناح صاحب نے جس حکمت عملی سے کام لیا اُس کے مثبت نتائج نکلے۔ خان صاحب وغیرہ کی مایوسی اُس وقت مزید بڑھ گئی جب مسلم لیگ کانگریس اور وائیس رائے نے متفقہ طور صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کرانے کا فیصلہ کیا۔ خان برادران اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ ریفرنڈم میں ان کی شکست یقینی ہے۔ اس لئے انہوں نے ریفرنڈم میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کیا اور اس طرح صوبہ سرحد کے عوام نے ۱۷ر جولائی ۱۹۴۷ء کو بغیر کسی مقابلے کے اپنا ووٹ پاکستان میں ضم ہونے کے لئے استعمال کیا [۲۲]۔ ریفرنڈم ختم ہوتے ہی محمد علی جناح نے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان سے مستعفیٰ ہونے کی مانگ کی لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آ گیا اور جناح صاحب اس کے پہلے گورنر جنرل بنے۔ انہوں نے اپنے ایک پرانے دوست سر جارج کننگھم کو گلاسگو

22.Shahid Javed Burki, 2003, Historical Dictionary of Pakistan, New Delhi, P.253.

(برطانیہ) سے بلا کر صوبۂ سرحد کا گورنر مقرر کیا ۲۳؎ اور ہدایت دی کہ وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب کو برطرف کیا جائے۔ چنانچہ ۲۲/اگست ۱۹۴۷ء کو ڈاکٹر خان کو سبکدوش کر دیا گیا ۲۴؎۔ اور ان کی جگہ گورنر جنرل محمد علی جناح نے اپنے ایک قریبی ساتھی اور صوبۂ سرحد کے کشمیری نژاد مسلم لیگی رہنما خان عبدالقیوم خان کو وزیر اعلیٰ مقرر کیا ۲۵؎۔



۲۳؎ اکبر ایس احمد، ص ۹۸۔

۲۴؎ بعض مورخین کا خیال ہے کہ خان صاحب نے ریفرنڈم ختم ہونے کے بعد خود بخود استعفیٰ دیدیا لیکن مزید تحقیق سے اس کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ بعض ماخذ سے پتہ چلتا ہے کہ خان برادران نے ریفرنڈم میں اسلئے حصہ نہیں لیا کہ مسلم لیگ نے لوگوں سے ''قرآن اور گیتا میں فرق کرو'' کا نعرہ بلند کیا جسے خان برادران جیسے سیکولر شخصیات کی پوزیشن غیر مستحکم ہوگئی۔ (ایم ایل چمبر، ص ۵۳)۔

25. Shahid Javed Burki, P. 253.

قبائل اور پاکستانی معاہدہ

مختلف مُراعات پر مبنی معاہدے کرنا سرحدی قبائل کی روایت رہی ہے۔ جب پاکستان میں قبائیلوں[1] کو جموں و کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا جارہا تھا تو معاہدے کے بغیر یہاں بھی کام نہ چل سکا۔ تمام وجوہات کے باوجود قبائل نے آخر سیاسی و اقتصادی فوائد کے تحت ہی ایک آزاد اور خودمختار ملک جموں و کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے اپنی رضامندی ظاہر کی۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق قبائلی سرداروں نے وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان سے وعدہ کیا کہ وہ قائداعظم محمد علی جناح کے کہنے پر پاکستان کے لئے کوئی بھی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں[2]۔ قبایل اور وزیر اعظم کے درمیان ہوئی بات چیت کو مصلحتاً صیغہ راز میں رکھا گیا۔ راز میں رکھی گئیں باتیں بنیادی طور لوٹ کھسوٹ سے منسلک تھیں۔ عیاں ہے کہ جب قبائل نے پونچھ، راجوری، میرپور، مظفر آباد اور بارہ مولہ میں لوٹ مار، آتشزنی، قتل وغارت اور اغوا کاری کے ریکارڈ مات کئے تو اس گھناؤنی صورتحال پر ذی حس لوگوں نے سوالات اُٹھانا شروع کئے اور قبائل کو لگام دینے کا مطالبہ ہر طرف سے ہونے لگا۔ ہر طرف یہی کہا جارہا تھا کہ قبائلی لوگ اگر جہاد کی غرض سے کشمیر آئے اور مسلمانوں کو غیر مسلم حکومت کے جبر واستداد سے نجات دلانے کا بھیڑا اُٹھایا تو یہ انسانیت سوز جرائم میں کیوں کر ملوث ہوئے۔ اس سوال کا جواب پورے چالیس سال تک محققین کو نہیں ملا۔ اس گتھی کو میجر اکبر خان نے اُس وقت سُلجھایا جب اُس نے ۱۹۸۵ء میں پاکستان کے Defence Journal کو انٹرویو

۱۔ صوبہ سرحد سے جو لوگ جموں و کشمیر میں داخل کروائے گئے وہ مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ جن میں آفریدی، محسودی، وزیری، کھٹک اور موہمند شامل تھے۔ یہ قبائل مختلف اوقات میں الگ الگ ٹکڑیوں میں وارد کشمیر ہوئے۔ ہر گروہ کو اپنے خاندانی سربراہ کے ساتھ ساتھ مغربی پنجاب کے مسلم لیگی رضا کاروں کے ماتحت رکھا گیا تھا (آندر یو وائیٹ ہیڈ، اے مشن ان کشمیر، ص ۶۱، ۶۲، ۶۲، ۲۲، ۱۶۲)

2. Dawn, October 8. .947, Karachi.

دیتے ہوئے کہا:

" The tribesmen had been promised booty as their reward for fighting in Kashmir. It was a part of their agrement with Major Khurshid Anwar..... Who was their leader, that they would loot non-muslims. They had no other remuneration " ۳

حملے میں ایک اور شریک سردار عبدالقیوم خان معاہدہ کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قصور اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے حملہ آوروں کولوٹ مار کرنیکی اجازت دی۔اُن کا اشارہ پاکستان کے حکمران طبقہ سے وابستہ بعض اشخاص، مسلم لیگی رہنماؤں اور قبائلی سرداروں کی طرف ہے جن کے مابین ایسا معاہدہ طے پایا تھا۴۔ اسی طرح جنگ میں شریک ایک قبائلی کا کہنا ہے کہ ان کولوٹ مار، اغواء کاری اور آتشزنی کی کھلی چھوٹ دی گئی تھی۵۔



تیمِس خاندر سو گاٹر لوبرنے چھے
کتھاہ مشہور پرانو تھوڑے چھے



3. A.R. Siddiqi, 1985, Mohammad Akbar Khan talks on Pakistan's first war and first Coup; Defence journal, Karachi, Vol. ii, No. 6-7, P.18.
4. Andrew Whitehead, 2007, A Mission in Kashmir, New Delhi, PP. 47-48.
5. Krishna Mehta, 1954, Chaos in Kashmir, New Delhi, P.54.

کشمیر پر قبائلی یلغار

مغربی پاکستان میں غیر مسلموں کو ہلاک کرنے کے بعد بچے کھچے ہندو اور سکھ پونچھ، راجوری، میر پور اور مظفر آباد کی طرف بھاگ رہے تھے، جہاں مہاجرین کی مسلسل آمد سے فضا مکدر ہونے لگی تھی۔ ایک طرف پٹیالہ، جیند اور نابھ سکھوں کا خوف اور دوسری طرف قبائلیوں کی آمد آمد سے دہشت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ڈوگرہ فوجیوں کی نقل و حرکت سے خوف و ہراس کی سرحدیں وسیع ہو رہی تھیں۔ عام لوگوں سمیت ملکی اور غیر ملکی سراغ رساں ایجنسیوں کو قبائلی حملے کی آہٹ اوائل اکتوبر سے ہی محسوس ہونے لگی تھی[1]۔ میر پور اور مظفر آباد میں دہشت اور خوف سے جمود اور گھٹن تھی۔ لوگوں کو ''نہ پائے رفتند نہ جائے ماند'' جیسے حالات کا سامنا تھا۔ ان دھماکہ خیز حالت کو ایک آپ بیتی لکھنے والے نے یوں رقم کیا ہے:

> ''۱۹ اور ۲۰ تاریخ کو اباجی سارا دن لوہار گلی اور بالا پیر کو بار بار ہمہ گیر تجسس سے دیکھتے رہے۔ میں جب بھی پوچھتا کون آ رہا ہے تو وہ جواب نہ دیتے اور خاموشی سے دیکھتے رہتے۔ خان ماما اور محمد دین ماما بھی پُر اسرار طور خاموش تھے۔ میری امی کے پھوپھا اور پھوپھی زیادہ عمر کے تھے۔ لیکن وہ اپنی چھٹی حس سے خطرے کا اندازہ کر چکے تھے[2]۔''

۲۲ر اکتوبر ساڑھے چار بجے صبح قبائلی حملہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے بالا کوٹ پیر سے فائرنگ شروع ہوئی۔ آناً فاناً سرحدی چوکیوں رام کوٹ، لوہار گلی اور دُھب گلی کو روند ڈالا گیا اور قبائلی سیدھے شہر میں داخل ہو گئے۔ یہاں بہت کم مزاحمت دیکھنے کو ملی کیونکہ ملک کے مسلم سپاہی حملہ آوروں سے حسب سازش پہلے ہی مل چکے تھے[3]۔ جنہوں نے اپنے

1.Bhaskar Anand, 1956, The Kashmir Caul..ron, Simla, PP. 1, 6.

۲۔ طارق فیض پراچہ، ۲۰۰۵، کشمیر...... اَن کہی کہانی، راولپنڈی، ص ۱۴۱۔

۳۔ ملک کی چوتھی پیادہ بٹالین مظفر آباد میں تعینات تھی جس میں پونچھی مسلمان فوجیوں کی (باقی اگلے صفحہ پر)

کمانڈر کرنل نارائن سنگھ سمیت بیشتر فوجیوں کو نیند کے دوران ہلاک کیا[۴]۔ اس سب کے باوجود ڈوگرہ افواج نے ساتھرا (موجودہ طارق آباد) اور ڈھیری سیدان سے جوابی حملہ کیا۔ زبردست بارش کے باوجود دن بارہ بجے تک جنگ میں کوئی کمی نہ آئی۔ یہاں تک کہ قبائلی کشن گنگا عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ دُومیل کے اطراف واکناف میں گھمسان کا رن پڑا۔ مشین گنوں کی گولیاں اس طرح چھتوں پر گر رہی تھیں جیسے اولے گرتے ہیں۔

مظفرآباد خون آلودہ

قبائلیوں کی ایک ٹکڑی نے آتے ہی مظفرآباد جیل پر دھاوا بول دیا۔ یہاں کے نگران عملے کو قتل کر کے تمام قیدی رہا کیے گئے۔ ایک اور جیل پر قبائلیون نے زبردست گولہ باری کی جس میں تمام قیدی مارے گئے جو سب کے سب پونچھی مسلمان تھے جن کو بغاوت کے الزام میں راجہ پونچھ نے قید کیا تھا[۵]۔ محکمہ جنگلات کے دفتر کو آگ لگا دی گئی۔ جہاں پورا ریکارڈ خاکستر ہو گیا۔ علاوہ ازیں کئی اسکولی اور محکمہ مال کی عمارتیں، پولیس اسٹیشن اور ڈاکخانے نذر آتش کیے گئے۔ لوٹ کے خوف سے دکاندار اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دکانوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ سرکاری عمارتوں اور پُلوں کی نگرانی پر معمور عملہ قبائلی ڈر سے روپوش ہو چکا تھا۔ عام لوگ خاص کر ہندو اور سکھ سراسیمگی کی حالت میں اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ اس دوران قبائل پورے مظفرآباد میں پھیل چکے تھے۔ لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ ہندوؤں کے ایک پُرتشدد ہجوم نے نیشنل کانفرنس کے سیکریٹری خواجہ عبدالقدیر اور حاجی غفار کی دکانوں کو لوٹ لیا۔ ہزاروں قبائل غیر مسلموں کو لوٹنے میں مصروف تھے۔ سینکڑوں حملہ آور غیر مسلموں خاص کر سکھوں کو ڈھونڈ کر موت

(گذشتہ سے پیوستہ) تعداد پچاس فیصدی تھی۔ نرائین سنگھ کو وزیراعظم مہر چند مہاجن نے مسلمان سپاہیوں پر بھروسہ نہ کرنے کی تلقین کی تھی۔ لیکن اُسے مسلمانوں پر حد سے زیادہ بھروسہ تھا۔ بٹالین سے وابستہ مسلمانوں نے خان آف گڑھی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ موقع پاتے ہی اپنے فوجیوں کے خلاف صف آراء ہونگے۔

4. L.P. Sen, 1969, Slender was the Thred, New Delhi, P.36.

۵۔ رشید تاثیر، ۱۹۸۴ء، تحریک حریت کشمیر، جلد سوم، سرینگر، ص ۲۵۸۔

کا پیالہ پلا رہے تھے۔ مظفر آباد کے گُردوارے میں سکھوں کی بھاری تعداد پناہ گزیں تھی۔ حملہ آوروں نے انہیں وہیں موت کے گھاٹ اتارا اور گُردوارے کو شعلوں کی نذر کر دیا۔ سکھوں کی ایک جماعت جب نلوچی کے چھٹی پادشاہی گُردوارے میں جمع ہو رہی تھی تو قبائلیوں نے ان پر اندادھند فائرنگ کی۔ اس موقع پر سکھوں نے بھی گولی چلائی جن کو ڈوگرہ سرکار نے ہتھیاروں سے لیس کیا تھا۶۔ دونوں ہتھیار بند گروہوں کے درمیان خون ریز تصادم ہوا جب سکھوں کے ہتھیار ختم ہوئے تو مدمقابل سپاہیوں نے اُن کا کام تمام کیا۷۔ سکھوں کا ایک قافلہ دُومیل سے ہو کر بھاگ رہا تھا کہ قبائلیوں کے نرغے میں آ گیا۔ اُن کی راہ داری قبول اسلام سے جوڑ دی گئی جو سکھوں نے تسلیم نہیں کی۔ اس پر حملہ آور مشتعل ہو گئے اور سکھوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس واقع میں ایک ہزار افراد مارے جانے کی خبر ہے ۸۔ اس طرح چار سو سکھوں کا ایک قافلہ مظفر آباد سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا جن کو بعد میں سلام آباد اوڑی میں قبائلیوں کے ہاتھوں ابدی نیند سونا پڑا ۹۔ یہی حشر ان دو سو غیر مسلم تاجروں کا ہوا جو مظفر آباد اور راولپنڈی میں کاروبار کر رہے تھے جنہیں چُن چُن کر قتل کیا گیا اور ان کی دکانیں لوٹ لی گئیں ۱۰۔ ایک اور اطلاع کے مطابق حملہ آوروں نے ۳۹۰ ہندو مار ڈالے جو محکمہ پولیس میں کام کرتے تھے ۱۱۔ بیتکان، کوٹلی، ہیال، مہرہ جماداران، رادو، چِتار، انبر، مُکھریان اور مظفر آباد کے سکھوں کا مکمل صفایا کیا گیا ۱۲۔ قبائلیوں کی ایک جماعت ہندو مندر، سکھ

6. Andrew whitehead, 2007, A Mission in Kashmir, New Delhi, P.61.
7. S. Anoop Singh Sodhi, 2007, Kashmir and the Sikhs, An insight, Srinagar, PP. 92-94.
8. Ibid, P. 94.
9. Ibid, P. 95.
10. Maj. Gen. Hiralal Atal, 1972, Nehru's Emissary to Kashmir, New Delhi, PP. 62-63.
11. Administrative Reports 1948-49, P. 17.
12. S. Anoop Singh Sodhi, P. 92.

گُردوارے اور خصوصی طور سکھوں کی بستی جلانے پر معمور تھی ۱۳۔ ایک قبائلی کا کہنا ہے کہ:

"My work isn't to shoot people.... but to set fire to Sikh homes. And that indeed is what he did very regularly" ۱۴

ایک چشم دید گواہ آتش زنی کے بارے میں لکھتا ہے:

" ..... I made a tour of the border by road between oct. 20, and 24 and found that 75 percent of houses of non-muslims within four miles of the state border had been burnt or looted" ۱۵

اِن واقعات کے بارے میں سردار محمد ابراہیم خان مذمتی انداز میں لکھتے ہیں:

''مظفر آباد میں جو کچھ ہوا اور ۲۲/۲۳ اور ۲۴/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مسلمانوں نے جو کچھ بھی کیا اُس کا بھی کوئی جواز نہیں پیش کیا جاسکتا......'' ۱۶۔

ایک پاکستانی محقق زاہد چودھری ان حالات کے متعلق یہ اطلاع فراہم کرتے ہیں:

''مظفر آباد میں تین دن تک ہندوؤں اور سکھوں کا قتل عام ہوتا رہا۔ قبائلیوں نے بلا امتیاز غیر مسلموں کو قتل کرنے کے علاوہ ان کی بہت سی عورتوں کو اغوا کیا اور انکے گھروں کو لوٹا'' ۱۷۔

قبائلیوں نے غیر مسلموں کو پناہ دینے کی پاداش میں بہت سے مسلمانوں کا خون بہایا۔ نیشنل کانفرنس کے ایک سرگرم رُکن ماسٹر عبدالعزیز نے کئی سکھوں اور ہندوؤں کو قبائلی قہر اور ظلم سے بچا کر اپنے گھر میں چھپایا تھا۔ جس کے باعث اسے پناہ گزینوں سمیت قتل کیا گیا۔ اس واقعہ کی مذید وضاحت کرتے ہوئے پاکستانی مورخ ڈاکٹر شبیر چودھری لکھتے ہیں:

"The tribesmen did not like intervention from

13.Mohanlal Koul, 1994, Kashmir past and present, New Delhi,P.22.
14. Andrew Whitehead, P. 126.
15. Maj. Gen. Hiralal Atal, P. 63.
۱۶ سردار محمد ابراہیم خان، ۱۹۶۶ء کشمیر کی جنگ آزادی، لاہور، ص، ۷۶۔ زاہد چودھری، ص ۱۶۸۔
۱۷ زاہد چودھری، ۱۹۹۹، پاکستان کی سیاسی تاریخ، جلد ۳، لاہور، ص ۱۶۸۔

Master Abdul Aziz and killed him on spot. To these 'Jihadis', crime of Master Abdul Aziz was so severe that he did not even deserve a funeral (Janaza) or a burial. They threw his dead body in a river Neelam" ۱۸

ایک اسکول ٹیچر منشی فیروزالدین کو اس لئے مارا گیا کہ وہ قبائلیوں کی انسانیت سوز حرکتوں کی مخالفت کر رہا تھا۔ اسی طرح بودھ راج پلیڈر، فقیر چند اور چیت رام کو بھی نیشنلی ہونے پر ابدی نیند سُلا دیا گیا ۱۹۔ اس فرقہ وارانہ ماحول میں جب ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا، تو کئی مسلمان انسانی روایات وعظمت کو برقرار رکھتے ہوئے مفلوک الحال غیر مسلموں کی مدد کے لئے آگے آئے اُن میں قبلہ ولی جُو چودھری اور شیخ قیوم لالہ بھی قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے سینکڑوں غیر مسلموں کو نہ صرف پناہ دی بلکہ قتل ہونے سے بچایا۔ لیکن اس سب کے باوجود مظفرآباد کے ممتاز اور دولت مند ہندو خاندانوں خاص کر گورے شاہ، مہاشے، چودھری، سردار شاہ اور گھان کے سکھوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا ۲۰۔ ان فرقہ وارانہ فسادات میں غیر مسلم عورتوں کی عزت بھی داؤ پر لگ گئی۔ درجنوں عورتیں خودکشی کرنے پر مجبور ہوگئیں۔ سینکڑوں مستورات نے زہر کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کیا جبکہ ایک خاص تعداد نے غرق آب ہونے میں عافیت سمجھی۔ جمعدار پریم سنگھ، اسکی بیوی اور بیٹی نے کشن گنگا میں خودکشی کی۔ اس قسم کے بہت سے واقعات مظفرآباد میں پیش آئے۔ سکھ عورتوں کی ایک بڑی تعداد اغواء کی گئی۔ ایک مورخ کے بقول مظفرآباد سے تین سو غیر مسلم عورتوں کو اغواء کیا گیا ۲۱۔

18.The paper entitled "Tribal invasion and its implications was presented by Dr. Shabir Choudhry on 'Black Day' Conferenc, Organised by Kashmir National Party in Wetford England on 18.10.2009.

19. M.Y. Saraf, P.897.

۲۰ فیض پراچہ، ص، ۱۴۱

21. M.Y. Saraf, P. 897

پونچھ، راجوری اور میر پور میں فسادات:

جب پیر آف مانکی شریف نے مسلم لیگ کے کہنے پر اپنے جاسوس پونچھ روانہ کئے تو انہوں نے سابقہ فوجیوں، مسلم کانفرنسی کارکنوں اور رضا کاروں کو مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ ۲۲ رجون ۱۹۴۷ء کو مولوی محمد اقبال خان کے ہاں ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مسلم کانفرنس کے صدر چودھری حمید اللہ خان نے تیس ہزار سبکدوش فوجیوں کے سامنے مہاراجہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا۔ پونچھ، راجوری اور میر پور میں اُس وقت حالات زیادہ ہی خراب ہوئے جب عوام نے سرکار کو ٹیکس دینے سے انکار کیا[۲۲] یا انہیں ایسا کرنے کے لئے اُکسایا گیا۔ مہاراجہ کو وارننگ دی گئی کہ وہ تخت وتاج عوام کے حوالہ کریں۔ سابقہ فوجیوں اور رضا کاروں نے مارچ پاسٹ کیا۔ سابقہ بریگیڈیئر اشرف خان نے سلامی لی۔ اعلان بغاوت کا پہلا شکار ایک ممتاز مُنصِف رام چند کاک ہوا۔ جو منگ سے پونچھ جا رہا تھا کہ کانچری کے مقام پر باغیوں کے حملے میں مارا گیا۔ ۱۵ راگست کو پونچھ اور باغ میں پاکستانی جھنڈا لہرایا گیا۔ جلسے اور جلوسوں کا اہتمام کیا گیا۔ سرکاری املاک کی توڑ پھوڑ کی گئی۔ ڈوگرہ افواج نے گولی چلائی جسے سینکڑوں افراد ہلاک ہوئے[۲۳]۔ حالات پر قابو پانے کے لئے سرکار نے ممانعتی احکامات صادر کئے۔ جنہیں عوام نے بار بار نظر انداز کیا۔ ۲۶ راگست کو مشتعل ہجوم پر فوج نے گولی چلائی جسے درجنوں مظاہرین جنمیں زیادہ تر مسلمان تھے، ہلاک اور زخمی ہوگئے۔ پونچھ میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ سکھوں اور ہندوؤں نے ڈوگرہ فوج کی ایماء پر باغ، راولاکوٹ اور پونچھ میں مسلمانوں کے بہت سے دیہات نذر آتش کئے۔۔ لوٹ مار اور عورتوں کی عصمت دری کے واقعات بھی پیش آئے[۲۴]۔ غیر قانونی ہتھیار ضبط کرنے، تخریبی کاروائیوں میں ملوث لوگوں کو گولی سے اڑانے اور پاکستان کی سرحد سے ملحقہ بستی خالی

۲۲۔ سردار محمد ابراہیم خان، ص، ۱۷۱۔

23. A. De. Mhaffe, 1948, Road to Kashmir, Lahore, P. 170.

24. Mehr Chand Mahajan, 1994, Looking Back, New Delhi, P. 143.

کرانے کے احکامات عمل میں لائے گئے۔ جس سے سلرن، چمل کوٹ، سرناگ، مندری، مونگ، دلکوٹ، چڑالا، شمتی، تھورا، پرچوٹ، تایت، تنالا، سالاسن اور حول دنوشا گاؤں متاثر ہوئے۔ ان گاؤں کی آبادی کو ہالہ پُل کے اُس پار دھکیل دی گئی۔ ان انسانیت سوز حرکات کا ردعمل یہ سامنے آیا کہ ۱۹۴۷ء کے اواخر میں سبکدوش کیے گئے ۲۵ پونچھی مسلمان فوجیوں نے صوبۂ سرحد کی ہتھیار بنانے والی فیکٹریوں ۲۶ سے فوجی ساز وسامان خریدنے کے لئے چندہ جمع کرنے کی مہم چلائی ۲۷۔ یہ اطلاع جب حکومت وقت کو ملی تو ملکی افواج نے قبائلی علاقوں کو جانے والے راستوں پر چوکسی برتنے کے اقدام اُٹھائے اور عبور ومرور کی گذرگاہوں پر فوجی چوکیاں قائم کیں۔ اس کے باوجود مسلم کانفرنس کے ایک مقامی لیڈر سردار محمد ابراہیم خان سرحدی علاقوں سے اسلحہ اور گولہ بارود خریدنے میں کامیاب ہوئے ۲۸۔ ۲۷/اگست کو ضلع باغ کے ایک سابق فوجی سردار عبدالقیوم خان ۲۹ نے جبری طور سبکدوش کیے گئے فوجیوں کو متحد کر کے مہاراجہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ جس سے ڈوگرہ فوج کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ۳۰۔ ۴/ستمبر کو ڈوگرہ شاہی کے خلاف پونچھ میں بڑے بڑے جلوس نکالے گئے اور مظاہرے ہوئے۔ حفاظتی دستوں نے گولی

---

۲۵ دوسری عالمی جنگ عظیم میں جموں وکشمیر سے ۷۱۶۶۷ فوجیوں نے حصہ لیا تھا۔ جس میں ۶۰۰۰۰ مسلمان تھے۔ جب یہ لوگ جنگ سے واپس آئے تو برٹش انڈیا نے ان کو نوکریوں سے نکال دیا اور انہیں زبردستی اپنے گھروں پونچھ، راولاکوٹ، باغ، مظفرآباد اور میرپور روانہ کیا۔ جب مہاراجہ کے خلاف پونچھ میں بغاوت ہوئی تو نوکریوں سے نکالے گئے ان فوجیوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

۲۶ اس وقت صوبۂ سرحد میں اسلحہ اور گولہ بارود بنانے کی درجنوں فیکٹریاں موجود تھیں۔ جہاں ہتھیار پیاز اور آلو کی طرح بیچے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

27. Lord Birdwood, 1956, Two Nations and Kashmir, London, P.73.

28. Ibid, P.73.

۲۹ سردار عبدالقیوم خان دند قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ہندوستانی فوج میں حوالدار تھے۔ اُس نے سبکدوشی تک فوج میں بطور کلرک کام کیا۔ ۱۹۴۷ء کا جولائی مہینہ شروع ہوتے ہی پونچھ، باغ اور راولاکوٹ میں 'ٹیکس مت دو' کی جو تحریک چلی اُس میں وہ پیش پیش تھے۔

30. The statesman, August 15, 1948, Calcutta.

چلائی، طرفین کا زبردست جانی و مالی نقصان ہوا۔ایک مصدقہ اطلاع کے مطابق اس لڑائی میں ایک ہزار افراد مارے گئے یا لاپتہ ہو گئے جس کا اعتراف مُلک کے نائب وزیر اعظم رام لال باترے نے ایک وفد سے ملاقات کے دوران یوں کیا:

"When a deputation of Muslim Conference met the Deputy Prime Minister, he admitted that about 500 people were killed and one battalion of Dogra troops were being treated as lost either killed or captured" ۳۱؎

ملکی افواج کے ایک افسر کرنل رحمت اللہ خان اپنے ساتھیوں سمیت سابقہ فوجیوں اور قبائلی حملہ آوروں سے جا ملے۔انہوں نے میرپور جونا میں اپنے ہی سپاہیوں کو قتل کیا ۳۲؎۔رحمت اللہ خان نے ''آزاد کشمیر'' کے نام سے قائم کی گئی حکومت کے سربراہ سردار محمد ابراہیم خان سے راجوری میں تعینات ڈوگرہ فوج کے دو پلٹنوں کا مقابلہ کرانے کے لئے ہتھیار بند نفری بھیجنے کی سازش رچائی۔نیز سخی دلیر کی قیادت میں ایک کمک روانہ کی۔کے ڈی مینی کا کہنا ہے کہ کرنل رحمت اللہ خان اور سخی دلیر نے ۱۲ر نومبر ۱۹۴۷ء کو راجوری میں چار ہزار ہندو قتل کئے ۳۳؎۔حالانکہ مولوی ولی شاہ، مفتی اعظم پہار اور مولوی صالح محمد نے حملہ آوروں سے منت وسماجت کی تھی کہ ہندوؤں کو نہ مارا جائے لیکن ان کی ایک نہ سنی گئی۔مورخ رویندر ارسل ایک انگریز مُبصر مورس کوہن کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں راجوری میں تیس ہزار لوگ مارے گئے ۳۴؎۔مگر حالیہ تحقیق کے مطابق اسے مبالغہ آمیز قرار دیا جا سکتا ہے۔بقول پرویز دیوان

"......... not only is Dr. Rosal's figure seven times that given by Mr. Maini, it is several times the

31. A. De. Mhaffe, P.70.
32. Parvez Dewan , 2007, Jammu , New Delhi, P.126.
33. K.D. Mani, Rajouri Reclamed, Daily Excelsior, April 15, 2001, Jammu.
34.Dr. Ravindra Rasal, 2002-2003, J&K's Accession to India, Batrayal by the Muslim Sub-units of the J&K State Army, Shivajinagar, Nanded, 431602 India, cited in Parvez Dewan, P. 126.

population of Rajouri town- then or even now" ۳۵

غیر مسلموں کی قتل وغارت کے بارے میں ایک تازہ تحقیق کی بدولت مندرجہ ذیل اعداد وشمار سامنے آئے ہیں:

"Martyrs in Muzafarabad, Mirpur, Poonch and Jammu are nearly about 1368. Hence in the state about 1600 Sikhs, Women, Children laid lives in 1947 holocast "۳۶

ایک اور تازہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ مظفرآباد، میر پور، کوٹلی، پلندری، بھمبر، باغ، پونچھ، مینڈھر، منڈی، تھنہ منڈی، درہال، بدھل، راجوری، نوشہرہ، سندربنی، پونی بھارک اور ریاسی کے پہاڑوں میں لگ بھگ سوا لاکھ ہندو اور سکھ اس فساد میں کام آئے ۳۷۔ ان فسادات میں ہر فرقہ ملوث پایا گیا۔ جہاں جس کی اکثریت تھی وہاں اقلیت کو ظلم سہنا پڑا۔ یہ ایسی آندھی تھی جس میں ہر انسان خواہ وہ ہندو تھا یا مسلمان، سکھ تھا یا عیسائی، قاضی، مولوی، برہمن، گیانی، سید، چور، ان پڑھ یا تعلیم یافتہ، گویا پاگل ہو گئے تھے۔ بلکہ سب کے سب قاتل پرلے درجہ کے جانور بن چکے تھے ۳۸۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان علاقوں میں ہندوؤں کو قتل کرانے میں وہ مسلمان بھی ملوث تھے جن سے یہ ہندو صدیوں سے سُود در سود وصول کرتے آئے تھے۔ مسلمان حضرات ہندو کو مارنے سے زیادہ اپنی زمین وجائداد جو غیر مسلموں کے پاس مدتوں سے گروی تھی، کو چھڑانے کے لئے آمادہ بہ جنگ تھے۔ لہٰذا موقع غنیمت جان کر انہوں نے ہندو گھروں کو آگ لگا دی اور دُکانوں کو لوٹ لیا۔ تھنہ منڈی میں ہندو ساہوکاروں کی اکثریت تھی جس میں موہن لال نندہ کو سب سے امیر تصور کیا جاتا تھا۔ مسلمان بکر والوں نے اُسے بھاگتے ہوئے مارا۔ اسی طرح تھنہ منڈی کا بخشی حکیم ایک غریب آدمی عبدالسُبحان کا تین سال تک یرقان کی بیماری کا علاج کر رہا تھا۔ لیکن فرقہ وارانہ فسادات کی رو میں بہہ کر عبدالسُبحان

35. Parvez Dewan, P. 142.

36. Jasbir Singh Sarna, P.32.

۳۷ غلام احمد میر، ۲۰۰۷، میں نے کشمیر جلتے دیکھا، راجوری، ص ۱۰۳۔

۳۸ مذکورہ، ص ۹۵

نے حکیم صاحب کو تیز دھار کلہاڑی سے ہلاک کر دیا۔ واقعہ یہ ہے راجوری میں زبردست تباہی مچی اور بہت خون خرابہ ہوا یہاں تک کہ اسے "مُردوں کا شہر" بھی کہا گیا۔ یہاں کوئی عمارت ایسی نہ بچی تھی جو نقصان سے محفوظ ہو۔ سینکڑوں ہندو عورتیں اغواء ہوئیں جن کو پاکستان کے مختلف شہروں خاص کر پنجاب میں فروخت کیا گیا ۳۹۔ اپنی عزت بچانے کے لئے ہندو عورتوں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ میر پور کی درجنوں عورتیں دریاؤں اور کنوؤں میں کود گئیں۔ کئی عورتوں نے اپنے مردوں سے کہا کہ غیروں کے ہاتھ لگ جانے کے بجائے وہ انہیں خود قتل کریں۔ علی بیگ کیمپ میں عورتوں کو زبردست جسمانی ایذادی گئی اِس کیمپ میں ایک ہزار چھ سو مرد، عورتیں اور بچے تھے۔ جن کو پُراسرار طور قتل کیا گیا۔

اس قتل عام کے بارے میں پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے پہلے صدر رقمطراز ہے:

"میر پور سے تقریباً ۱۵ ر میل دور علی بیگ کے مقام پر رفیوجی کیمپ تھا۔ جس کا میں معائینہ کرنے چلا گیا۔ ان مہاجرین میں، میں نے اپنے وکیل دوست بھی دیکھے جو بڑی قابل رحم حالت میں تھے۔ میں نے انکو یقین دلایا کہ جلد ہی ان کو پاکستان بھیج دیا جائے گا۔ جہاں سے انہیں ہندوستان بھیج دیا جائے گا۔ دودن کے بعد جب میں دوبارہ اس کیمپ میں گیا تو مجھے یہ جان کر ازحد رنج ہوا کہ وہ قتل کر دیئے گئے ہیں" ۴۰۔

ان پناہ گزینوں کو قتل کروانے میں راولپنڈی کے کمشنر کا ہاتھ بتایا گیا ہے۔ ۴۱ جس نے میر پور کے غیر مسلموں کو "شہر دشمن" قرار دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کو قتل کروانے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ جی کے ریڈی کے بقول

"..... He delivers the most inflammatory speeches and call upon the people to kill as many Hindus and Sikhs as possible ...." ۴۲

۳۹۔ زاہد چودھری، ص، ۱۶۶۔

40. Sardar Mohd. Ibrahim Khan, 1965. The Kashmir Saga, Lahore pp.50-60.

41. Ibid, p. 56

42. G.K. Reddy, Lahore, P.15.

وہ کھلم کھلا کہتا تھا کہ جموں سے ڈوگروں کا صفایا ضروری ہے۔ کمشنر نے میر پور کی ہندو آبادی سے بھاری مقدار میں سونا اور چاندی زبردستی وصول کیا۔ اُس نے اکتوبر ۱۹۴۷ء کے تیسرے ہفتے میں میکسن روڑ راولپنڈی کنٹ میں واقع راجہ پونچھ کی تمام جائداد ''آزاد کشمیر'' حکومت کو منتقل کی۔ اسی طرح لاہور کے لُنڈا بازار اور سرائے سلطان علاقہ میں واقع مہاراجہ ہری سنگھ کی کروڑوں کی جائداد اور جلو کی والی اراضی ''آزاد کشمیر'' حکومت کے قبضہ میں دی گئی۔ ایسا ہی فیصلہ ''حویلی دھان سنگھ''، ''سنی ویو ہوٹل'' اور اس کے اردگرد میں واقع زمین کے متعلق بھی صادر ہوا۔[۴۳]

فرقہ وارانہ فسادات کے دوران مظفرآباد اور پونچھ کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔ کچھ لوگ اپنا گھریلو ساز و سامان سمیت بھاگ گئے۔ اور بعض لوگ ٹھٹھرتی سردی میں ننگے پاؤں فرار ہوئے۔ ذرائع کے مطابق پاکستانی مقبوضہ کشمیر سے تقریباً 10600 لوگ جموں اور کٹھوعہ کی طرف بھاگ گئے[۴۴]۔ اس کے علاوہ مظفرآباد، میر پور وغیرہ سے بہت سے پنڈت اور سکھ گھرانے اوڑی میں پناہ گزیں ہوئے جو تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق لگامہ، بانڈی اور دیار گاؤں میں آباد ہوگئے تھے۔ اور جن کی آبادی اس وقت ایک ہزار ہے۔ اسی طرح اوڑی اور سلام آباد اور لگامہ میں مہاجر سکھوں کے ۴۰ کنبے رہائش پذیر ہیں۔ جن کے کچھ رشتہ دار آج بھی سرحد کے اس پار مقیم ہیں۔ اِن میں سے کئی ایک نے اپنا مذہب تبدیل کیا۔ ناؤپورہ سلام آباد کے رہنے والے نریندر سنگھ ولد راول سنگھ کا کہنا ہے کہ ان کا دادا فقیر سنگھ اصل میں مہرا چکوٹی مظفرآباد کا رہنے والا تھا۔ جس وقت اس کے والدین چکوٹی سے اوڑی آئے تھے۔ اُس وقت اُس کے ایک چچیرے بھائی کی عمر صرف دس سال تھی۔ جس کے باعث وہ اس پار نہیں آسکا تھا بقول اس کے ''میرے اس چچیرے بھائی کا نام غنی شیخ ہے لیکن مجھے معلوم نہیں ہے کہ اس وقت وہ کہاں ہے''[۴۵]۔

---

۴۳ یادِ ایام، ۱۰۰-۱۰۱

۴۴ پرویز دیوان، ص، ۱۵۲۔

۴۵ کشمیر اعظمیٰ، ۲۸ر مئی ۲۰۰۸، بحوالہ نیوز ایجنسی، کشمیر میڈیا نیٹ ورک، سرینگر

روودادِ ورمل:

مظفرآباد پر قبضہ کرنے کے بعد قبائل لوٹ مار کرتے ہوئے اوڑی پہنچے جہاں انہوں نے زبردست تباہی مچائی۔ ایک چشم دید گواہ خواجہ عبدالرحمٰن ولد منشی عزیزالدین قبائلیوں کی تباہ کاری کے بارے میں کہتے ہیں:

"ہمارے گاؤں میں قبائلیوں نے آتے ہی اندھادھند گولیاں چلائیں اور عوام میں دہشت پھیلائی۔ گاؤں کے مال مویشی جمع کر کے آپس میں تقسیم کیے۔ کئی بیل ذبح کیے اور آگ جلا کر بھُننے لگے"۔۴۶

اوڑی سے قبائل سیدھے ورمُل پہنچے جہاں لوگ ڈر کے مارے قصبہ چھوڑ کر دور دراز علاقوں کی طرف بھاگتے رہے۔ لوٹ مار شروع ہوگئی۔ جس کی روداد اس اقتباس سے سامنے آتی ہے:

" Almost everything of valley was looted and the attackers clearly spent more time seeking cloth, crockery and valuables to take home with them than planing the next stage of their offensive". ۴۷

قبائلیوں نے غیر مسلموں کا قتل عام کیا اور بستیاں نذرِ آتش کیں ۴۸۔ علاقہ کپوارہ میں رہنے والے پائیر ذات کے لوگ بستیوں کو جلانے میں پیش پیش تھے۔ پائیروں نے حکومتی سپاہیوں سے بندوقیں چھین لیں، کپوارہ تھانے کو لوٹا، مندروں کو آگ لگادی اور ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنانے کی کوشش کی ۴۹۔ قبائلیوں نے بارہمولہ میں سینٹ جوزف نامی اسپتال پر ہلہ بول دیا اور درجنوں افراد کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ مرنے والوں میں چھٹیاں گذارنے والے ایک انگریز جوڑے سمیت چھ عیسائی، تین مسلمان اور چھ

---

۴۶ روزنامہ خالد کشمیر، ۲۱ جولائی، ۱۹۴۸ء، سرینگر۔

47. Andrew Whitehead, P. 30.

48. Rana Satya Paul, 1963, Vital Speeches and Documents of the day, New Delhi, P.804.

۴۹ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۳۶۴۔

ہندو عورتیں شامل تھیں۔ رابورٹ ترمبل کے بقول قبائل دیوار پھلانگ کر اسپتال اور گرجہ میں داخل ہو گئے جہاں چار ننوں کے علاوہ کرنل ڈائکس اور اُسکی بیوی کو ہلاک کیا گیا۵۰۔ اس کے علاوہ قبائلیوں نے اسپتال کے تمام آلات بشمول ایکس رے مشین لوٹ لیں۔ اور بیشتر ادویات باہر پھینک دیئے ۵۱۔ اس مشنری اسکول کے حوالہ سے سردار شوکت حیات خان رقمطراز ہیں:

"They started looting locals and cutting lockets and earrings from Nuns who were running a Convent at Baramulla." ۵۲

بازارِ بارہمولہ میں تین پنڈت اساتذہ شھنبو ناتھ، ویدلال اور ارجن ناتھ کو یکے بعد دیگرے گولی ماردی گئی ۵۳۔ کئی پنجابی سکھ تاجروں کو دن دہاڑے ہلاک کیا گیا۔ اور اُن کے دکان لوٹ لئے گئے۔ دیس راج کے گداموں کو پہلے لوٹا گیا اور پھر آگ لگا دی گئی۔ مغل پورہ ہندوارہ میں مسلمانوں نے کئی پنڈت گھرانوں کو پناہ دے رکھی تھی۔ لیکن قبائلی حمایتیوں نے اِن تمام پناہ گزینوں کو ہلاک کیا۔ جس میں مادھورام کے ۱۲؍افراد خانہ بھی شامل تھے ۵۴۔ ظلم وستم اور غارت گری کا سب سے زیادہ نشانہ سکھ آبادی بن گئی۔ قبائل انہیں ''بال والا کافر'' کہہ کر چُن چُن کر قتل کر رہے تھے ۵۵۔ خوف کے مارے سکھوں کی ایک جماعت بھاگتے ہوئے سوپور کی جنگلات نرسری میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئی۔ مگر قبائلیوں نے اُنکو وہیں قتل کر دیا۔ اچھی خاصی تعداد نے ویتھ، کشن گنگا اور نالہ نینگلی میں خود کو غرق آب کیا۔ ہائی گام سوپور کے ہائی ٹینگ میں بھی سینکڑوں سکھ پناہ گزینوں کو قتل کیا گیا اور اُن کی جائداد لوٹ لی گئی۔ اسی طرح سوپور سے کوئی سات کلومیٹر دور واگورہ

50. Margart Bourke White, 1949, Halfway to Freedom, New york, pp. 105-165.
51. Ibid, p.160.
52. Sirdar Shaukat Hyat-Khan, 1995, The Nation that losts its Soul, Lahore, P.216.
53. M.Y. Saraf, P. 860.

۵۴ رشید تاثیر، جلد سوم، ص، ۳۶۶۔
۵۵ رشید تاثیر، جلد سوم، ص، ۳۵۶

وتر گام کے نمبردار غلام رسول راتھر کو قبائلیوں نے پاکستان زندہ باد نہ کہنے پر گولی مار دی ۵۶؎۔ ان ہلاکتوں کے بارے میں ایک قبائلی رابطہ کار خان شاہ آفریدی کا کہنا ہے کہ:

"We shot whoever we saw in Baramulla. We did not know how many were killed. We forced Hindus to run for their lives." ۵۷؎

بارہمولہ فسادات میں دو ہزار سے زائد سکھوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا ۵۸؎۔ ان فرقہ وارانہ فسادات میں سینکڑوں عورتیں، بچے اور بوڑھے ایسے بھی تھے جنہوں نے قبائلیوں کے ہتھے چڑھنے کے بجائے اجتماعی خودکشی کو ترجیح دی۔ خواتین نے اپنے ہی مکانوں میں آگ لگا کر خودسوزی کی۔ بہت سے سکھوں نے اپنی بیٹیوں کو خود قتل کر دیا۔ اس سب کے باوجود قبائلیوں نے درجنوں خوبصورت عورتوں کو اغواء کر کے پاکستان پہنچایا ۵۹؎۔ اوڑی کے نمبردار عبدالعزیز لون کا کہنا ہے کہ جب ایک قبائلی نے سکھ لڑکی کو اغواء کر کے کشتی میں سوار کیا تو لڑکی نے ایک دم دریا میں چھلانگ لگا کر خودکشی کی۔ اور اغواء کار ہاتھ ملتا رہا ۶۰؎۔ بتایا جاتا ہے کہ پیر آف مانکی اور خان آف گڑھی نے بھی ایک ایک سکھ عورت مال غنیمت کے طور حاصل کی تھی ۶۱؎۔

بارہمولہ کے مسلمانوں نے قبائلی خوف سے بہو بیٹیوں کو رشتہ داروں کے ہاں دور دراز علاقوں میں بھیج دیا تھا۔ مگر قصبے میں موجود بے شمار خواتین کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوا جس کا سامنا غیر مسلم عورتوں کو کرنا پڑا تھا ۶۲؎۔ اس طرح کے بے شمار واقعات آج بھی زبان زدِ عام ہیں۔ جن میں سے چند ایک کو یہاں ں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا

۵۶؎ اپنے اسلافوں کے حوالہ سے ڈاکٹر محمد افضل میر سے ایک ملاقات کی نچوڑ۔ مورخہ اگست دوم، ۲۰۰۷ء سرینگر۔ ڈاکٹر مذکورہ کشمیر یونیورسٹی میں ایسوسیٹ پروفیسر کے عہدہ پر تعینات ہے۔

57. Andrew Whitehead, P. 123.

58. Jasbir Singh Sarna, P. 32.

59. Ibid, P. 29.

60. Rana Satya Paul, P. 805.

61. Andrew Whitehead, P. 128-129.

۶۲؎ امین کامل، ۱۹۵۸ء، گٹہ منز گاش، سرینگر، ص، ۱۱۹۔۱۵۲۔

ہے۶۳۔ ایک مسلمان عورت کو ایک قبائلی نے بارہمولہ کے سینما ہال میں قائم کیے گئے کیمپ میں آنے کے لئے کہا۔ عورت بظاہر آمادہ ہوئی۔ اُس نے کپڑے بدلنے، سونے کے زیورات اور نقدی باہر لانے کی غرض سے گھر کے اندر جانے کی اجازت لی۔ قبائل باہر انتظار میں رہا۔ عورت نے اندر جا کر گھر کو آگ لگا دی جو آناً فاناً پورے محلے تک پھیل گئی۔ آگ سے دو سو مکانات خاکستر ہو گئے جس میں نہ صرف آگ لگانے والی عورت جل گئی بلکہ درجنوں مویشی بھی جھلس کر ہلاک ہو گئے۶۴۔

بارہمولہ کے مسلم کانفرنسی کارکُن غلام رسول درزی نے دو سو قبائیلوں کو شام کے کھانے پر مدعو کیا۔ کھانا کھانے کے بعد انہوں نے عورتوں کی مانگ کی۔ قبائل وہاں صرف ایک بوڑھی عورت جو درزی کی دادی تھی، دیکھ کر بادل ناخواستہ چلدیئے۶۵۔

کئی پنڈت (ہندو) عورتوں کے زیورات اس طرح چھینے گئے کہ ان کے کان ہی کٹ گئے۔ صراف رقمطراز ہے:

> "In some cases the tribesmen snatched them (special golden ornament) in a most barbarous manner and did not even give their victims time or opportunity to take them off; their ears got pierced and started bleeding profusely. A pandit woman, Imberzal, whose husband was employed in the Shali Store, with ears profusely bleeding, was locked in a room by a Muslim neighbour until the tribesmen withdrew" ۶۶

اس ظلم وستم کا خمیازہ مسلمان عورتوں کو بھی اُٹھانا پڑا۔ اُن کے زیورات چھینتے وقت کان ہی کاٹ دئے گئے ۶۷۔ قبائلیوں نے عورتوں سے ایسے پھیرن ۶۸ چھینے جن پر

---

63. M.Y. Saraf, PP. 890-910, Andrew Whitehead, PP. 38, 40-139

64. Ibid, P. 810.

65. Ibid, P. 907.

66. Ibid, P. 907.

۶۷ یاد ایام، ص، ۱۵۴۔

۶۸ پھیرن کشمیر کا ایک خاص لباس ہے جو مرد اور عورتیں پہنتے ہیں۔ خواتین اپنے پھیرنوں کے سامنے والے حصہ پر طلاع کاری کرواتے ہیں۔ جسے پھیرن کی خوبصورتی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

سنہری رنگ کی طلا کاری کی گئی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ عورتوں کے یہ پھیرن انہوں نے خود پہن رکھے تھے مثلاً

"Many a tribesmen could be seen wearing Kashmiri Pherans, forcibly taken away from the locals and very often they were those, worn by women."۶۹

ایک عینی شاہد کا یہ بیان بھی قبائلیوں کی ننگی جارحیت اور لوگوں کی بے بسی کا منظر اس طرح پیش کرتا ہے کہ

" My elder brother was dealing in shoes and caps. There was a boot shop. All that property was brought to our home. When those armed tribesmen came, we served them with tea. Afterwords they went to the hall and took some shoes and some caps to their choice. The rest, one man bundled them in a blanket and went away. We couldn't do anything."۷۰

حملہ آوروں کی بربریت اور سفاکیت کی ایک اور دلدوز کہانی صراف یوں رقم کرتے ہیں:

"A tribesman snatched away the blanket of Ghani, a poor weaver with four daughters, when asked, whether this was the purpose for which they had come to Kashmir, the victim was shot dead on the spot."۷۱

اسی طرح بارہمولہ میں پیش آئے اُس دلخراش واقع کی یاد آج بھی تازہ ہے جب ایک بیوہ نابدٗ دیدہ کی گائے تمام تر آہوزاری کے باوجود قبائلیوں نے چھین کر ذبح کی اور اُسے بیوہ کے ہی صحن میں بھون کر کھایا جس کی دودھ پر بیوہ کا گذارہ چلتا تھا۷۲۔ قبائلیوں کے ظلم وستم سے علاقہ داور کے لوگ بھی محفوظ نہ رہے۔ روزنامہ خالد کشمیر

69. M.Y. Saraf, P. 907.
70. Andrew Whitehead , P. 124.
71. M.Y. Saraf, P. 906.
72. Ibid, PP. 906-907.

کے مطابق حملہ آوروں نے تقریباً دس ہزار بھیڑ بکریاں، تین ہزار گائیں اور بیل اور ایک ہزار سے زائد گھوڑے اور خچر لوٹ لئے۔ دیہاتیوں سے لوٹی پٹو، تکیے، لحاف، زیورات اور دوسری ضروریات زندگی کی چیزیں لاکھوں روپیوں کی مالیت کی تھیں۔ تحصیل کرناہ میں پہلے سرکاری اور عوامی املاک کو آگ لگا دی گئی اور پھر لوٹا گیا۔ سوختہ عمارتوں میں اسی فیصد اور لُوٹی ہوئی دکانوں میں نوے فیصدی مسلمانوں کی تھیں ۷۳۔ تحصیل ہندوارہ اور کرناہ کے لوگوں پر ڈھائے گئے مظالم کا احاطہ ایک روزنامہ نے کچھ اس طرح کیا ہے:

"قبائلی حملے کے دوران یہاں مکمل غنڈہ راج رہا۔ چور اور ڈاکو آگے آئے اور قبائلیوں کے ساتھ مل کر لوگوں کو لوٹا کھسوٹا اور موت کے گھاٹ اُتارا۔ قبائلیوں نے اپنی چند دنوں کی سکہ شاہی کے دوران کرناہ میں ایک تحصیلدار مقرر کیا جو ہر درخواست کے ساتھ ایک روپیہ نقد لیتا تھا جس گھر میں قبائلی گھستے تھے اُس پر اُن کی مہمانی فرض ہوتی تھی۔ جس کے لئے گوشت کی حسب ذیل شرح مقرر تھی۔ ایک سے تین قبائلیوں کے لئے مُرغا، چار سے سات تک بھیڑ، آٹھ سے بیس تک بیل ذبح کرنا ضروری تھا" ۷۴۔

یہ بھی کسی المیہ سے کم نہیں ہے کہ حملہ آور ساواروں کے دستوں ۷۵ کو سونا سمجھ کر اُڑاتے رہے۔ اپنے بزرگوں سے اِس بارے میں جو کچھ سنتے آئے ہیں، صراف اُسکی تصدیق کرتے ہیں:

"They carried away not only cash, valuables, clothing but even Samavaras and other utensils made of Nickel. They thought, it was gold" ۷۶

---

۷۳ روزنامہ خالد کشمیر، ۱۰ر جون ۱۹۴۸، سرینگر۔

۷۴ مذکورہ۔

۷۵ سماوار تانبے کا ایک مخصوص برتن ہے جس میں کشمیری چائے اور قہوہ بناتے ہیں۔ سماوار وسط ایشیا میں بھی پایا جاتا ہے۔ استعمال کرتے وقت سماوار کے دستے (کشمیری میں تھپ کہتے ہیں) کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ دستہ پیتل کا ہوتا ہے۔ قبائلیوں نے سماوار کے دستوں کو سونا سمجھ کر اڑایا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ پیتل گولیاں بنانے کے کام آتا ہے۔ چونکہ صوبۂ سرحد میں بندوق اور گولیاں بنانے کی سینکڑوں فیکٹریاں موجود تھیں۔ ممکن ہے کہ بعض قبائل نے اسی نیت سے سماواروں کے دستے لئے ہوں جبکہ بیشتر قبائل اِسے سونا سمجھ کر ہی لوٹتے رہے۔

76. M.Y.Saraf, P. 907

جب یہ خبر پھیلی کہ قبائل سوپور کی طرف آرہے ہیں جو سکھوں اور پنڈتوں کو مارتے ہیں تو پنڈت فرقہ کے لوگ بھاگنے لگے۔ صوفی محمد اکبر، غلام رسول کار، محدہ جو حاجن، ینگ عبداللہ، غلام محمد کاچرو، غلام احمد حلوائی اور غلام احمد واندورو جیسے بااثر لوگوں نے پنڈتوں کو بھاگنے سے روکا اور تحفظ کا یقین دلایا۔ اسی دوران بارہمولہ کے محمد مقبول شیروانی بھی سوپور آئے جس نے پنڈتوں کو بھاگنے سے منع کیا۔ ابھی تین ہی دن گذرے تھے کہ مقبول شیروانی گھوڑے پر سوپور پہنچے اور چلا کر کہنے لگے ''گنگہ دیدی بھاگ جاؤ، قبائلی بارہمولہ پہنچ گئے، صد واٹھ کو ہلاک کیا گیا''۔ یہ کہہ کر مقبول شیروانی واپس بارہمولہ روانہ ہوئے تو قبائلیوں کے نرغے میں آگئے جو پہلے سے ہی اِس کی تلاش میں تھے۔ محمد مقبول ساحل کے بقول جونہی قبائل بارہمولہ پہنچے تو سب سے پہلے انہوں نے مقبول شیروانی کی تلاش شروع کی ۷۷۔ شیروانی کے متعلق قبائیلیوں کو مسلم لیگی والنٹیر وں اور مسلم کانفرنسیوں نے یہ کہہ کر بدظن کیا تھا کہ اُس نے ۱۹۴۴ء میں محمد علی جناح کے گلے میں جوتوں کا ہار پہنایا تھا۔ یہ بھی الزام تھا کہ اُس نے قبائلیوں کو راستے سے بھٹکا دیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سرینگر پہنچنے میں ناکام ہوگئے۔ بدلہ لینے کے لئے قبائلی شیروانی کو بازارِ بارہمولہ میں بندوق کے بٹھوں سے مار مار کر لہولہان کر کے مجبور کرتے رہے کہ وہ ''پاکستان زندہ باد'' اور ''شیر کشمیر مردہ باد'' کے نعرے دے۔

برعکس اِس کے شیروانی نے ایک بڑے ہجوم کے سامنے بہ آواز بُلند ''شیر کشمیر کا کیا ارشاد، ہندو مسلمان، سکھ اتحاد'' کا نعرہ دیا۔ مارگریٹ رقمطراز ہے:

> " ..... he was told, he must shout, Pakistan Zindabad, Sheri Kashmir Murdabad, but he refused " ۷۸

نتیجہ یہ کہ قبائلیوں نے شیروانی کے ناخن نوچ لئے اور اِن میں لال مرچ ڈالدی۔ اُس کے ماتھے پر ٹین کا ایک ٹکڑا چپکایا جس پر ''جاسوس موت کا مستحق

۷۷۔ ہفتہ وار ''پُکار''، سرینگر، قسط ۲۱،،۲۰۱۰ء

78.Margaret Bourke White, 1949, Halfway to Freedom, New York, PP. 210-211

ہے'' لکھا گیا۷۹۔ یہ بھی اطلاع ہے کہ شیروانی کی ناک کاٹ لی گئی اور چہرہ مسخ کیا گیا۸۰۔ یہ دیکھ کر لوگ مشتعل ہوئے اور نعرے بازی کرنے لگے۔ لوگ نہتے تھے اس لئے ان کی کوشش بار آور ثابت نہیں ہوئی۔ قبایل اشتعال میں آ گئے اور شیروانی پر اندھا دُھند گولیاں برسا کر اُنہیں موت کی نیند سُلا دیا۔ محمد مقبول شیروانی کی موت کے بعد بارہمولہ کو مقبول آباد نام کہا جانے لگا مگر یہ نام چل نہیں پایا اور غیر معروف رہا۔ شیروانی کی حب الوطنی اور مجاہدانہ کردار کو شاعر کشمیر غلام احمد مہجور نے اِن پُر درد اشعار میں بیان کیا ہے:

ولو تارکو بوز میأنی آہوزأری
ولو وُچھ ژِ میأنی بے کُسی بے قرأری
ولو دوستو وطنہٕ کے نوجوانو
یہٕ چھُس لوسہٕ وُن بوز میأنی وِلہٕ زأری
ژٕ گنڈ ہمتک ہوٚل بچاوُن وطن چھے
تمی ستی کھسہٕ رتھہِ میأنی جاں نثأری
سُمِتھ آے پانژ اُلی گرٛد آدِمی کھاو
ژھنکھ بے گوناہ اُنتہٕ رُسی مأرک مأری
وطن میٚون جنت جہنم بنووکھ
وطن میٚون گلشن ووں کُرہَس وُجأری
ژے نے بے سلح آسہٕ ہکھ مارِہی کُس
یمن کھیلہٕ ناوان چأنی نابہٕ کأری
ولو شیرِ کشمیرِ پادن وندے جان
ژٕ یِکھنا وُچھکھ میأنہٕ موتچ تیأری۸۱

79. Ibid, P. 211
80.Statesman 22, Nov. 1947. Margaret Bourke White, P. 214
۸۱۔ کلیات مہجور، ۱۹۸۳ء، مرتب-محمد یوسف ٹینگ، سرینگر، ص، ۳۴۵

مقبول شیروانی کی موت کے متعلق ایک کشمیری مورخ رقمطراز ہے:

''شیروانی کو ایک لکڑی کی صلیب پر کیل ٹھونک کر پہلے لٹکایا گیا اور بعد میں اسے گولیوں سے بھون ڈالا.........سبھی جانتے ہیں کہ شیروانی کو بارہمولہ میں ہی قتل کر دیا گیا، دوم یہ کہ بلوائی بھارتی فوج کے وارد کشمیر ہونے سے پہلے پٹن اور شالہ ٹینگ تک پہنچ چکے تھے، بھارتی فوج نے ان بلوائیوں کے ساتھ پٹن میں ایک خونریز معرکہ آرائی بھی کی۔ اگر بالفرض محال شیروانی نے انہیں بھٹکایا ہوتا تو پھر وہ اسے کسی ایسے مقام پر ہلاک کرتے، جہاں تک وہ انہیں لے گیا ہوتا، لہٰذا اس بات میں کچھ خاص دم نظر نہیں آتا۔ البتہ یہ بات ممکنات کے بہت قریب نظر آتی ہے کہ بلوائیوں نے انہیں انتقام گیری کے جذبے کے تحت قتل کر دیا تھا''۸۲

اُدھر جب سوپور والوں نے مقبول شیروانی ۸۳ کی زبانی قبائلیوں کے آنے کی خبر سُنی تو وہاں سراسیمگی پھیل گئی۔ صوفی محمد اکبر ٹینگلی سے ننگے پیر بھاگ گئے۔ ایک بزرگ پنڈت سروانند پوتو کے کہنے پر بہت سے پنڈت عزیز مٹھ ہانجی کی کشتی کے ذریعہ سرینگر روانہ ہوئے۔ قبائلی خوف سے عزیز مٹھ نے پنڈتوں کو سُنبل میں ہی اتارا۔ سہمے ہوئے پنڈتوں نے سُنمبل میں اُترنے کو نیک شگوں قرار دیا۔ وہ نندہ کشوری کی زیارت پر حاضری دینے کے لئے گئے۔ جہاں ریش بھٹ سنمبلی کے بیٹے جانکی ناتھ کی میکھل ہو رہی تھی۔ جب وہاں قبائلیوں کی آمد کی خبر پہنچ گئی تو افراتفری مچ گئی۔ زیارت کر کے پنڈت ویتھ کے راستے سرینگر روانہ ہوئے۔ اس کے ڈیڑھ گھنٹے بعد قبائل سنمبل آپہنچے اور نندہ کشوری سمیت پورے سنمبل کو خاکستر کر دیا۔ مکھن لال کنول کا کہنا ہے کہ ''سوپور میں مسلمانوں

---

۸۲ محمد مقبول ساحل، ص، ۱۴۸

۸۳ محمد مقبول شیروانی ایک ایسی محب الوطن شخصیت تھی جس کی مثال ملنا محال ہے۔ انہوں نے کشمیر چھوڑ دو تحریک اور ڈوگرہ شاہی کے خاتمے کے لئے زبردست کام کیا ہے۔ جب بھی ڈوگرہ پولیس عام لوگوں خاص کر کسانوں کو مالیہ اور بیگار کے وقت رشوت طلب کرتی تھی تو شیروانی ان کی مدد کے لئے حاضر ہو جائے تھے۔ قبائلی حملہ کے وقت شیروانی نے علاقے کے لوگوں کو وطن کا دفاع کرنے کی قیادت کی جس میں ہندو بھی شامل تھے۔ لوگ اُسے مجاہد شیروانی کے نام سے پکارتے تھے۔

کی مہربانی سے ہی بیشتر پنڈت زندہ رہے"۸۴۔ بے خبری کے عالم میں ویتھ کے کنارے ایک پنڈت لمبھو دھر ہالی اور قبائلیوں کا آمنا سامنا ہوا۔ لمبھو دھر ہالی سے نقدی اور سونا طلب کیا گیا۔ جب قبائلیوں کی مانگ پوری نہ ہوئی تو ہالی کو گولی ماردی گئی۔ اسی طرح سوپور میں اور بھی کئی پنڈتوں کو ہلاک کردیا گیا۔ ایک چالاک پنڈت دیارام نے بھاگنے کے بجائے مسلمان بننے کو ترجیح دی۔ مشہور ہے کہ وہ ہر آدھ گھنٹے کے بعد اذان دیتا تھا۔ جب قبائل واپس بھاگ گئے تو دیارام اپنے پرانے مذہب کی پیروی کرنے لگا۸۵۔ ایک واقع کے متعلق سماجی کارکن محمد جوحلوائی کا بیان ہے کہ اُس نے نینگلی کے کنارے ایک سکھ لڑکے کوافسردہ حالت میں دیکھا۔ لڑکے کے بال کاٹ کر اپنے گھر میں پناہ دی۔ دوسال کے بعد جب لڑکے کے وارث اُس کی تلاش میں سوپور پہنچے تو لڑکے کو اُن کے سپرد کردیا۸۶۔ نیشنل کانفرنس کے ایک سماجی کارکن حاجی عبدالرحیم خان ہر شام اُن پنڈتوں تک رات کے اندھیرے میں کھانا پہنچاتا تھا جن کو مسلمانوں نے ایک خشک کنوے میں چھپا کے رکھا تھا جوسوپور کے موجودہ ڈگری کالج کے احاطے میں واقع تھا۔ اسی طرح سنمبل سوناواری میں بھی کئی پنڈتوں کو مارا گیا۔ جبکہ گوشہ بُگ پلہالن پٹن میں تقریباً اٹھائیس پنڈتوں کا قتل ہوا۔ ٹارہ ہامہ پٹن میں ایک پنڈت جی کو گولی ماردی گئی جس کے باعث لوگ گھربار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جس کے بعد قبائلیوں نے تمام پنڈتوں کو لوٹ لیا۔ پروفیسر ایس ایل بھٹ کے بقول "قبائلیوں نے خارہ پورہ بانڈی پورہ میں گلہ داررام ژندر کے سات افرادخانہ کو ہلاک کیا اِن میں دوعورتیں بھی شامل تھیں"۸۷۔

---

۸۴ یہ انفارمیشن ۱۲فروری، ۲۰۰۹ء کو مکھن لال کنول ساکنہ سنگرام پورہ سوپور، حال پُرکھو کیمپ جموں نے ایک غیر رسمی ملاقات کے دوران فراہم کی۔

۸۵ ان باتوں کا اظہار ۸ جولائی ۲۰۰۸ء کو مشتاق احمد حلوائی ولد غلام احمد حلوائی ولد محمد جوحلوائی ولد عزیز جو حلوائی ساکنہ خوش حال متو سوپور نے ایک غیر رسمی بات چیت کے دوران کیا۔ حاجی غلام احمد حلوائی کا انتقال ۱۱رفروری ۲۰۱۲ء کو ہوا

۸۶ مذکورہ۔ ۸۷ پروفیسر ایس ایل بھٹ ولد رادھا کرشن بھٹ ساکنہ خارہ پورہ حال نئی دہلی جو ۲رمئی ۲۰۰۹ء کو ایک کانفرنس میں شرکت کی غرض سے سرینگر آئے تھے۔ اُنہوں نے ۱۹۴۷ء کے حوالے سے کئی اہم واقعات سُنائیے۔

قصبہ سوپور، بانڈی پورہ اور گردونواح کی بستی سے لٹیروں نے خصوصی طور کپڑے اور برتن لوٹ لئے۔ مکھن لال کنول کا کہنا ہے کہ سوپور کی لوٹ کھسوٹ میں قبائلی حملہ آوروں کے مقابلے میں غُنڈوں، لفنگوں اور مقامی چوروں کا زیادہ عمل دخل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ لرہ ڈورہ کے کل فقیر بھی کمراز کے لوٹ میں پیش پیش تھے۔ جب سوپور کے علی محمد نے ایک جانے پہچانے کُلی فقیر کو اوتار کرشن بھٹ کے مکان کو لوٹتے دیکھا۔ تو اُس نے مذکورہ چور کو مالِ مسروقہ سمیت بزرگوں کے سامنے پیش کیا۔ تاہم خجالت و ملامت کے بعد اُسے چھوڑ دیا گیا۔ سوپور لوٹ میں مقامی ہاتھ ہونے کا پتہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب شیر کشمیر کی اپیل پر بہت سے لوگوں نے لوٹا ہوا مال واپس کر دیا۔ بانڈی پورہ میں بھی لوٹا ہوا ساز و سامان نیشنل کانفرنس کے سرگرم کارکن محمد افضل خان، کبہ خان، جیل بابا، سلام خان اور عمہ پیر وغیرہ نے بھی اس طرح کا مال برآمد کروایا۔ قبائلیوں نے سوپور سے کئی خوبصورت لڑکیوں کو اغوا کر لیا۔ مگر بعض مسلم کانفرنس ارکان کے بدولت اِن لڑکیوں کو فوراً ہی چھڑا کر واپس لایا گیا۔ قبائلیوں کو جب یہ محسوس ہوا کہ وہ علاقے پر مکمل طور قابض ہیں تو پیر آف مانکی نے سوپور کے مُنصف عاشق حسین کو حاکم سوپور مقرر کیا۔ مگر ہندوستانی فوج کے وارد کشمیر ہوتے ہی جب قبائلیوں کو بھاگنا پڑا تو حاکم سوپور بھی بعض مسلم کانفرنسی کارکنوں کے ساتھ فرار ہوئے اِن میں ایک معروف شاعر عمہ خوجہ الفت بھی شامل تھے۔

بڈگام میں حالات دیگر گوں

قبائلی ٹنگمرگ، بیرواور بڈگام میں ہر طرف پھیل گئے اور پہلی فرصت میں میر گنڈ کنزر اور ٹنگمرگ پر شب خون مارا کر پندرہ پنڈتوں کو قتل کر دیا ۸۸۔ دہشت اور خوف کی وجہ سے ورہامہ، سورش، سدوین، خانہ گنڈ اور گردونواح کی سکھ آبادی بیچھ ہامہ کھاگ میں جمع ہوگئی۔ مقامی باشندوں کے مطابق سکھوں نے کھاگ کے مفصلات کو لوٹنے اور نذر آتش کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ کمبرو گاؤں کے نصر اللہ شاہ نے یہ اطلاع قبائلیوں تک

۸۸۔ ایک بزرگ جناب غلام احمد ڈار ساکنہ ہردہ اوبر، ٹنگمرگ کے ساتھ ملاقات۔ مورخہ ۲۳/جون ۲۰۰۸ء

پہنچائی جو فائرنگ کرتے ہوئے بیچھ ہامہ کی طرف بڑھنے لگے۔ایک گولی بیچھ ہامہ کے ایک سکھ نوجوان کو لگی اور وہ جاں بحق ہوا۔سکھوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ سرینگر کی طرف بھاگنے لگے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بیچھ ہامہ میں قبائلیوں اور سکھوں کے درمیان تین روز تک مقابلہ ہوا۔جس میں فریقین کا بھاری جانی نقصان ہوا۔قبائل نے گاؤں کے گُردوارے کو آگ لگا دی جس میں کئی لوگ زندہ جل گئے۔اس کے علاوہ مزید کئی گردوارے نذرِ آتش ہوئے۔سورش، بیچھ ہامہ، سدوین اور ور ہامہ گاؤں مکمل طور خاکستر کئے گئے۔ان واقعات کی تصدیق پی این شرمایوں کرتے ہیں:

''جو لوگ دیہات سے بھاگ کر سرینگر کی طرف آرہے تھے اُن کے بقول قبائلی حملہ آور لوٹ مار کے علاوہ بستیوں کو جلا رہے ہیں''۸۹۔

سکھ آبادی کو بھگانے کے بعد بعض مسلمانوں نے بھی لوٹ مار شروع کی۔سینکڑوں کی تعداد میں مال ومویشی لوٹا گیا۔بسترہ، گھی اور برتنوں پر بھی ہاتھ صاف کئے گئے۔قبائلیوں نے حبیب اللہ شیخ نامی شخص کو حاکم کھاگ مقرر کیا۔جو زندگی بھر حبیب ڈی سی کے نام سے مشہور رہے۔

قبائلیوں کی ایک ٹکڑی نے بڈگام کے جنوب میں واقع قاضی باغ کے پنڈت سُدھرشن بھٹ کا مکان جلانے کی کوشش کی مگر گاؤں کے مکھیہ نے اسے ایک چادر کے عوض جلانے سے بچایا۔بڈگام کے بانڈے باغ گاؤں میں قبائلیوں نے ایک رات کو پانچ سکھوں کو ہلاک کیا۹۰۔اور گاؤں کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا۔۹۱

چند حملہ آور اپنی گردنوں میں داندِ کلہٖ (بیل کے سر) لٹکا کر بیچھ گام پہنچ گئے۔جس کے باعث پنڈتوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔تاہم گاؤں کے ذیلدار کی مداخلت سے تمام

89.P.N.Sharma, 1959, Inside Pak Occupied Kashmir, New Delhi Chapter, 1

۹۰ پریم ناتھ شاد۔

۹۱ غلام محمد راتھر ساکنہ بیچھ گام سے ملاقات جو ایس پی کالج سے بحیثیتِ چیف لائبریرین ریٹائر ہوئے۔ ملاقات ۱۲/۱۰ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو کشمیر کے دانشکدہ میں ہوئی۔

پنڈتوں کو بچالیا گیا ۹۲۔ بڈگام کے غیر مسلموں پر بھی رات کے اندھیرے میں حملہ ہوا۔ وہ جان بچاتے ہوئے نارہ کرہ پہنچے۔ ناگام چاڈورہ کے ایک پنڈت ڈاکیہ ستہ لال کو قبائلیوں نے حسن زوار نامی شخص کی مخبری کرنے پر بازار بڈگام میں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ بقول عبدالرحمان ایتو ''میں بچپن سے ہی سُنتا آیا ہوں کہ ستہ بٹس کرکھ ستھ بٹہ'' ۹۳ یعنی ستہ بٹہ کے سات حصے کئے گئے۔ اسکے برعکس بالہ پورہ راٹھن کے تین پنڈت کنبوں کو عزیز شیخ نامی بزرگ نے اپنے گھر میں پناہ دی۔ جواہر لال مسرور کے بقول قبائلیوں نے کاٹھوار میں بیس پنڈت گھرانوں کو راکھ کی ڈھیر میں تبدیل کیا۔ آریگام، ٹُر، کنہِ کوٹ، شولی پورہ، سوئیٹگ، ووٹپر، دریگام، پالہ پورہ، کرمیشر، واگام، ہوشُر، پاریبو، ییچھ گام، بانڈے باغ، ہانجورہ، موہنور، رانگر، چاڈورہ، ناگام، بادی پورہ اور واتھورہ کی غیر مسلم آبادی جان بچانے کے لئے سرینگر بھاگ گئی۔ سرور کے بقول چھ مہینے کے بعد جب یہ لوگ واپس لوٹے تو اُن کے گھر اور گھریلو ساز و سامان محفوظ تھا''۔

☆

بُت خانہٕ ژیٖۓ بنووُتھ کعبک بِنا ژےٚ ترٛووُتھ
گیتایہِ کیا خطاہ کھوٚت وٚتم قرآنہ واے
(عبدالاحد آزاد)

---

۹۲ غلام محمد راتھر ساکنہ ییچھ گام

۹۳ عبدالرحمان ایتو ساکنہ ناگام چاڈورہ کے ساتھ جموں میں انٹرویو، مورخہ ۳۱ جنوری، ۲۰۱۰ء۔ ایتو صاحب پولیس میں ڈی ایس پی کے عہدے پر تعینات ہے۔

سرکاری املاک تشدُد کی زد میں

ملک جموں وکشمیر کے سرکاری خزانوں اور دفاتر سے جو دولت قبائلیوں نے لوٹ لی، اُس کی تفصیل نہیں ملتی "مُشتے از خروارے" کے مصداق چند واقعات جو تاریخ میں محفوظ ہیں، پیش کئے جاتے ہیں۔ مثلاً بارہ مولہ کے سرکاری خزانے سے قبائلیوں نے تین لاکھ روپیہ لوٹ لئے جس پر خورشید انور اور قبائلی سرداروں کے درمیان تین دن تک لے دے ہوتی رہی۔ پاکستانی مصنف سردار شوکت حیات خان لکھتے ہیں:

"The dispute was over the petty amount lying in the Kashmir treasury. Khurshid Anwar....... argued that it would belong to Pakistan while tribesmen averred that it would belong to the Mujahids."[1]

حملہ آوروں نے کرناہ، اوڑی، ہندوارہ، مظفر آباد، اسکردو، میر پور، راجوری، بھمبر، گلگت، گوپس اور چیلاس کے سرکاری خزانوں پر دھاوا بول کر ۱۲/لاکھ اُنیس ہزار روپیہ لوٹ لئے[۲]۔ پبلک ورکس، جنگلات اور بجلی جیسے اہم محکموں کے خزانوں سے بھی لاکھوں روپیہ لوٹ لئے گئے۔ تنہا محکمہ جنگلات سے چھہتّر لاکھ اکاون ہزار روپئے کی رقم اُڑا لی گئی[۳]۔ عام لوگوں اور سرکاری خزانے کو لوٹنے میں قبائلیوں کے ساتھ ساتھ پاکستانی سرکار کے اعلیٰ افسران جو قبائلیوں کے معاون تھے، بھی شامل تھے۔ راولپنڈی کے راشی کمشنر نے میر پور کے غیر مسلموں سے آٹھ لاکھ روپئے زبردستی لوٹ لئے[۴]۔ اسی طرح جموں وکشمیر بینک کی مظفر آباد شاخ سے ۵/لاکھ چھتیس ہزار کی رقم لوٹی جانے کی غیر مصدقہ اطلاع بھی ہے جبکہ ایک چشم دید گواہ عبدالرشید بھٹ کے بقول قبائلیوں نے ڈاکخانہ اوڑی سے اسی ہزار روپے لوٹے۔ لوٹ کھسوٹ کی بدولت جہاں سے بھی مال و جائداد اور نقدی حاصل ہوئی، قبائلیوں کے درمیان لڑائی کا باعث بنی[۵]۔

---

1. Sirdar Shoukat Hayat Khan. P. 216.

۲۔ رشید تاثیر، ۱۹۸۴ء، تحریک حریت کشمیر، جلد سوئم، ص ۲۴۴۔

۳۔ مذکورہ

4. G.K. Reddy, 1948, The Great Conspiracy, Bombay. P.15

5. Krishna Mehta, 1954, Chaos in Kashmir, Calcutta. P. 55

حملہ آوروں کی مذمت

قبائل جو "جہاد" کا نعرہ دیکر واردِ کشمیر ہوئے، نے یہاں کے کو غیر مسلم حکومت کے جبر واستداد سے نجات دلانے کا بھیڑہ اُٹھایا تھا لیکن یہاں آکر وہ انسانیت سوز حرکات اور جرائم کے مرتکب ہوئے۔ ایک امریکی خاتون اخبار نویس جو قبائلیوں کے ہمراہ تھی، رقمطراز ہے:

"اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے آنے والے قبائلیوں کی ہمدردیاں اُس وقت سراب ثابت ہوگئیں جب وہ مال غنیمت سمیت بسوں اور ٹرکوں میں سوار ہوکر ایک یا دو دن کے اندر اندر واپس آگئے تا کہ اور قبائلیوں کو بُلا کر آزادی دلانے کے بہانے کشمیر کے چپہ چپہ سے مال و جائداد لوٹا جائے......"[1]

قبائلی مظالم کے خلاف نہ صرف کشمیریوں نے آواز اُٹھائی بلکہ حملہ آوروں کو یہاں بھیجنے اور اُن کی قیادت کرنے والوں نے بھی اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ سردار عبدالقیوم خان نے حملہ آوروں کو عام لوگوں کے ساتھ زیادتیاں کرنے سے روکنے کی ہمہ تن کوشش کی۔ حتیٰ کہ انہیں اس مسئلے پر قبائلیوں کے ساتھ مظفر آباد میں فائرنگ کرنے کا سہارا بھی لینا پڑا[2]۔ لیکن وہ کسی بھی صورت میں باز نہیں آئے۔ خان صاحب نے اُن لوگوں کی بھی مذمت کی جنہوں نے حملہ آوروں کو انسانیت سوز حرکات کرنے کی خندہ پیشانی سے اجازت دی تھی[3]۔ کئی قبائلی رہنماؤں نے لوٹ کھسوٹ کو "جہاد" کے منافی قرار دیا۔ ان کی رائے میں "جہاد" کو یا تو غیر مسلموں کے قتل عام تک محدود رکھنا چاہئے تھا یا اُنہیں مسلمان بنانے تک[4]۔

1. Margret Brouke-white, 1949, Halfway to Freedom, New York, P. 207-208.
2. Andrew whitehead, P. 48
3. Ibid, P. 47-48.
4. Times of India , 11 Nov., 1947

جب صوبۂ سرحد کے وزیرِ اعلیٰ عبدالقیوم خان کو قبائلیوں کی اِن ناشائستہ حرکات کے خلاف ردِ عمل کا علم ہوا تو اِسکا تدارک کرنے کے لئے انہوں نے پیر آف مانکی شریف کو ورمُل روانہ کیا۔ اس حوالے سے محمد یوسف صراف قمطراز ہیں:

"When Khan Abdul Qaiyum khan came to know of the situation, he last no time in sending the Pir Sahib of Mankisharif who adressed them at Baramulla and forcefully reminded them that plunder was not the primary purpose for which they had entered Kashmir. He also told them what were the Commands of God and our Holy Prophet (Peace be upon him) about the rules of conduct in a war and how essential it was to protect every body's honour, life and property, regardless of religious belief". ۶

لیکن ورمُل میں قبائلیوں نے پیر صاحب سے کھُل کر کہا کہ کچھ بھی ہو وہ لوٹ کا مال اور اغواء کی گئی عورتوں کو اپنے ساتھ لے ہی جائینگے۔

"Every tribesmen and civilian who got hold for a Woman or possessed looted property, was eager to deposit such loot or Woman under his own roof."۷

اس کے جواب میں پیر آف مانکی نے واضح کر دیا کہ جو لوگ اصل مقصد کو حاصل کئے بغیر اپنے گھروں کو جانا چاہتے ہیں اُن کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی بلکہ انہیں سفری ضروریات سے بھی محروم رکھا جائے گا۸۔ وہائیٹ ہیڈ کے مطابق قبائلیوں نے پیر صاحب پر واضح کر دیا کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنے خرچہ پر گھر جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ

---

6. M.Y. Saraf P. 908.
7. Ibid, P. 934
۸۔ قبائلیوں نے ایبٹ آباد میں ''وار کونسل'' کا قیام عمل میں لایا تھا۔ جہاں سے قبائل کو ایک کارڈ فراہم کیا جاتا۔ جس پر انہیں راشن اور گاڑی کے لئے پٹرول دی جاتی تھی۔ اس کی نگرانی مسلم لیگی رہنما اور رضا کار کر رہے تھے۔

وہ لکھتے ہیں:

"The tribesman told the Pir, they would have their own fuel as they wanted to turn up in their villages alive" 9

پیر صاحب کی اِن پُر جوش تقریروں اور وعظ و نصیحت کا قبائلی لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

" The other sections, mostly tribles, had refused to listen to them and insisted on looting" 10

توجہ طلب بلکہ حیران کن بات یہ تھی کہ پیر صاحب نے اپنی تقریر کے دوران لوٹ کھسوٹ کو ثانوی درجہ دیا۔ یعنی واضح طور ناجائز قرار نہیں دیا۔ شاید اس لئے کہ خود ان کے بارے میں بھی طرح طرح کی افواہیں گشت کررہی تھیں۔ مثلاً:

"He is said to have got away with a good deal of loot during the brief disturbance in Peshawar city last September, and to have sent several lorry-loads home for himself from Kashmir." 11

ادھر ملکِ کشمیر میں ایک مسلم کانفرنسی رہنما محمد یوسف قریشی نے سرینگر کے محلّہ کلادوری میں قبائلی حملوں آوروں کی مذمت ان الفاظ میں کی:

''اگر کوئی اِن پاکستانی حملہ آوروں اور لٹیروں کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہوتو وہ دراصل پاکستان کو محفوظ بنانا نہیں چاہتا۔ بلکہ گرانا چاہتا ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ سر توڑ اور سینہ پھوڑ کوشش کر کے حملہ آوروں کو بھگادیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو عالمگیر جنگ کا خطرہ ہے'' 12

---

9. Andrew whitehaed, P. 134.
10. Times of India , 11 Nov., 1947.
11. Do142/494, British National Archives. The Diplomatic memo in question appears to have been written in early December, 1947-cited in Andrew whitehead, P. 55.

12 روزنامہ خدمت، ۷/نومبر ۱۹۴۷ء، سرینگر۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے کہ قبائلیوں کے کئی رہنما کشمیر کی لڑائی کو ''جہاد'' نہیں، فساد قرار دے چکے تھے۔ وزیری قبیلے کے سردار ''فقیر آف اپی'' سرے سے ہی کشمیر ''جہاد'' کے خلاف تھے۔ وہ اپنے ہزاروں مریدوں سے یوں مخاطب ہوئے:

''کشمیر کی لڑائی کوئی مذہبی لڑائی نہیں ہے۔ جو مسلمانوں کے خلاف تلوار اُٹھائے وہ اسلام کے دائرہ سے خارج ہے بلکہ اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ جو لوگ پٹھانوں کو کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے اُکساتے ہیں وہ اسلام کے دشمن ہیں۔ میں پٹھانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ان لوگوں کو اچھی طرح جان لیں جو ان کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے دھوکہ دیتے ہیں۔ وہ لوگ مکار اور خود غرض ہیں۔ پاکستان کی حکومت خود پاکستان میں پٹھانوں کو غلام بنانا یا پٹھانوں کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے۔ میں اپنے پٹھان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ پاکستان کی فریب کاریوں میں نہ آئیں بلکہ وہ ہمیشہ ان کی چالاکیوں سے ہوشیار رہیں۔ پاکستان مسلم لیگ نے نہیں بنایا بلکہ یہ انگریز نے بنایا ہے۔ پاکستان بن جانے سے جناح کی امیدیں پوری ہوگئیں مگر یہ دریافت کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو کیا ملا''۔ [۱۳]

پاکستانی مورخ اے ایچ سہروردی نے اس حملہ کو بدنظمی کی ایک داستان قرار دیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے:

"The story of tribal invasion was not one merely of bad planning but of no planning at all." [۱۴]



---

[۱۳] روزنامہ خالد کشمیر، ۲۵ر مارچ ۱۹۴۸ء، جلد ۱۱، سرینگر۔

14. A.H. Suharwardy, 1983, Tragedy in Kashmir, Lahore, P. 114.

حملہ آوروں کی تعداد

قبائلی حملے کے دوران کب کتنے حملہ آور داخل ہوئے، وثوق سے کہنا مشکل ہے۔ میجر خورشید انور جو قبائلی سرگرمیوں کے نگران تھے، کے مطابق حملہ آوروں کی تعداد چار ہزار تھی۔ میجر اکبر خان جنہوں نے حملہ کا منصوبہ ترتیب دیا، کے نزدیک یہ تعداد پانچ ہزار کے قریب تھی جو ایبٹ آباد سے ہوتے ہوئے کوہالہ کے راستے واردِ کشمیر ہوئے تھے[1]۔ یہی تعداد ایچ ڈی ہڈسن[2]، اسٹینلی والپرٹ[3]، اور میجر برہما[4] کی تحریروں میں ملتی ہے۔ برطانوی ہائی کمیشن کے ایک برقیہ کے مطابق حملہ آوروں کی تعداد چھ ہزار تھی[5]۔ صوبۂ سرحد کے گورنر سر جارج کننگھم نے اپنے روزنامہ میں حملہ آوروں کی تعداد سات ہزار لکھی ہے[6]۔ ''آزاد کشمیر فورس'' کے ایک انگریز بریگیڈیئر آر کے ہائیٹ[7] نے یہ تعداد پندرہ

1. Maj. Gen. Akbar Khan. P. 22-23.
2. H.V. Hodson, 1969, The Great Divide, Karachi, P. 446.
3. Stanley Wolpert, 1984, Jinnah of Pakistan, New York , P. 348.
4. Maj. K. Brahma Singh, 1990, Histoy of Jammu and Kashmir Rifles 1820-1956, New Delhi, P. 232.
5. Telegram from U. K High Commission, 11:35pm; 30 October; IORL/P&S/13/18456. cited in Prem Shankar Jha, P. 34.
6. Cunningham's Diary, 7 Nov., 1947, cited in Whitehead, P. 197.

7. آر کے ہائیٹ نیویارک کے رہنے والے تھے۔ امریکی فوج میں پچیس سال تک کام کیا۔ پھر افغانستان کی ایک تعمیراتی کمپنی کے ساتھ وابستہ رہے۔ کسی وجہ سے زخمی ہو کر امریکہ جانے کے لئے راولپنڈی کا سفر کیا۔ یہاں اس کی ملاقات ڈیلی ایکسپریس لندن کے نامہ نگار سڈنی سمتھ سے ہوئی جس نے آپ کا تعارف سردار محمد ابراہیم خان سے کرایا جو ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملک کے اُس حصے کے صدر بن چکے تھے۔ جس کو بعد میں ''آزاد کشمیر'' کہا گیا۔ موخرالذکر نے آر کے ہائیٹ کو ''آزاد کشمیر فورس'' میں بحیثیت کپتان تعینات کیا۔ مذکورہ فورس بنانے کی ضرورت ۱۹۴۹ میں تقسیم ہند کے بعد محسوس ہوئی تھی۔ یہ فورس ہنگامی بنیادوں پر قائم کیا گیا تھا۔ نتیجتاً اس میں غیر منظم رضاکار اور سابقہ فوجی بھرتی کئے گئے جن کے ساتھ آر کے ہائیٹ کو ہندوستانی فوج کے خلاف کئی محاذوں پر (باقی اگلے صفحہ پر)

ہزار بتائی ہے۔ مگر ڈیلی ٹیلی گراف کے مطابق ساٹھ ہزار پٹھان وارد کشمیر ہوئے ۸۔ کشمیر پیس بریگیڈ کے سربراہ اور اُس وقت کے نائب وزیر اعظم (بعد کے وزیر اعظم) بخشی غلام محمد کے بقول پچاس ہزار قبائلی ریاست میں گھس آئے تھے ۹۔ ہندوستانی قرطاس ابیض میں ان کی تعداد ۷۰۰۰۰ بتائی گئی ہے ۱۰۔ مذکورہ بالا آراء میں اختلاف کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ حملہ آور ستمبر ۱۹۴۷ء سے لیکر مارچ ۱۹۴۸ء تک مختلف راستوں سے جموں و کشمیر میں داخل ہوئے تھے۔



(گذشتہ سے پیوستہ) لڑنے کا موقع ملا۔ ہائیٹ نے پونچھ اور کوٹلی کے جنگی محاذوں پر قبائلی حملہ آوروں کی مدد کی۔ نیز سرحد کے اُس پار والے کشمیریوں کو تربیت دینے میں اس نے اہم کردار ادا کیا (ڈیلی ایکسپریس، ۲۵ نومبر ۱۹۴۷ء لندن)۔

8. Daily Telegraph, 11 January 1948. Sisir Gupta, P. 115.
9. Presidential adress in the Twentieth session of the All J&K National Conference, held in Srinagar from October 30 to November 2, 1954.
10. White Paper on Kashmir, p. 21

حملے کی ناکامی

جونہی ورمُل حملہ آوروں کے قبضے میں آ گیا، لوٹ مار، قتل وغارت، آتشزنی اور اغواء کاری کا بازار گرم ہوا۔ لاقانونیت عروج پر پہنچ گئی۔ تین دنوں تک جاری رہنے والی لوٹ مار کے بعد قبائلیوں کی ایک قلیل تعداد سرینگر کی جانب روانہ ہوئی۔ لیکن قبائلی لشکر کے کمانڈر خورشید انور سرینگر جانے میں پس وپیش سے کام لے رہے تھے۔ میجر اکبر خان کا کہنا ہے کہ خورشید انور کشمیری لیڈروں[۱] سے یہ وضاحت اور یقین دہانی چاہتے تھے کہ کشمیر کی آزادی کے بعد حکومت میں اُس کی پوزیشن کیا ہوگی[۲] یعنی کس عہدے پر اُن کا تقرر ہوگا۔

خورشید انور اپنے سیاسی مستقبل کے حوالے سے نہ صرف کشمیری لیڈروں کو اعتماد میں لینے کی کوشش کرتے رہے بلکہ پاکستانی لیڈروں خاص کر لیاقت علی خان، خان عبدالقیوم خان اور اپنے رشتہ دار وزیر مالیات غلام محمد کی حمایت حاصل کرنے کے لئے بھی تگ ودو کرتے رہے۔ درحقیقت مُسلم کانفرنس اور لیگ کے رہنماؤں نے خورشید انور کو حکومت کشمیر میں اہم عہدہ دینے کی حامی بھر لی تھی۔ دراصل باغ، کوٹلی، میرپور، پونچھ اور مُظفر آباد پر قبضہ ہونے کے ساتھ ہی مُسلم کانفرنس اور مُسلِم لیگی قائدین کے درمیان وزارتی عہدوں کے لئے رسہ کشی شروع ہوگئی تھی۔ اس وجہ سے خورشید انور کو دو دن تک کوئی جواب نہ مل سکا۔ البتہ انہیں یہ اطلاع ملی کہ سردار ابراہیم خان کی سربراہی میں ''آزاد کشمیر'' نام کی حکومت قائم ہوئی ہے جس میں اس کا نام شامل نہیں ہے۔ انہیں یہ حیران کُن خبر بھی ملی کہ سردار محمد ابراہیم خان ''آزاد حکومت'' کی سربراہ کی حیثیت سے سرینگر آنے والے ہیں۔ جی کے ریڈی لکھتے ہیں:

۱۔ کشمیری لیڈروں سے اُس کا مراد تھا چودھری حمید اللہ خان، غلام الدین وانی، غلام رسول پنڈت، سردار عبدالقیوم خان، سردار محمد ابراہیم خان اور مولوی محمد یوسف شاہ۔

2. Maj. Gen. Akbar Khan, P. 38. Andrew Whitehead, P. 132.

" They were over-confident that the raiders would capture at least the whole of Kashmir valley and Sardar Ibrahim and his gang held in readiness to leave for srinagar any moment." [۳]

کشمیری لیڈروں سے بدظن ہونے کے باوجود خورشید انور نے ورمُل میں قبائلی سرداروں کا جرگہ بُلایا اور اُن سے اپیل کی کہ وہ سرینگر پہنچنے پر مکانوں کو نذرِ آتش کرنے، مسلمانوں کی املاک لوٹنے اور عورتوں کی اغواء کاری سے احتراز کرنے کا عہد کریں۔ مگر قبائلی سرداروں نے ایسا کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ اُن کا کہنا تھا کہ وہ لوٹ مار کے شرائط پر ہی کشمیر آئے [۴]۔ جرگہ میں ابھی اس صورتحال پر بحث چل ہی رہی تھی کہ ہندوستانی فوج کشمیر میں داخل ہونے کی خبر آئی۔ جب یہ خبر قبایلی لشکر تک پہنچ گئی تو وہ لوٹی ہوئی مال و جائداد اور اغواء کی گئی عورتوں کو لے کر فوری طور مظفرآباد کی طرف بھاگنے لگی [۵]۔ میجر خورشید انور اور رحیم داد سالار نے قبائلیوں کے اس معقول اور قابلِ لحاظ دعوے کہ ''لوٹ کرنا اُن کا حق بنتا ہے'' کو صحیح ٹھہراتے ہوئے سینکڑوں قبایل کو واپس بُلانے میں کامیاب ہو گئے۔ صلح و مشورہ کرنے کے بعد خورشید انور نے باقی ماندہ قبائل کو میجر اسلم خان [۶] کی سربراہی میں سرینگر کی جانب روانہ کیا۔ اور خود حسب وعدہ پانچ سو مسحودیوں کے ہمراہ سرینگر کے ہوائی اڈے پر قبضہ کرنے کی نیت سے روانہ ہوئے۔ یہ فیصلہ ہندوستانی فوج واردِ کشمیر ہونے کے چار دن بعد ہوا، جب بہت دیر ہو چکی تھی۔ خورشید انور یکم نومبر کو ہوائی اڈے کے نزدیک پہنچنے میں کامیاب تو ہوئے لیکن وہ اُسے پہلے ہی ہندوستانی فوج کے قبضے میں آچکا تھا۔ اُدھر میجر اسلم خان نے پٹن تک لشکر کا ساتھ نبھایا۔ وہاں اُس نے موقع پاتے ہی خفیہ طور اپنے آپ کو لشکر سے الگ کیا اور یکم

3. G.K. Ready, 1948, The Great Conspiracy, Bombay, p. 7.
4. According to M.Y. Saraf (P. 930), "Their contention was that they had been brought with in promise of " the loot being theirs" .

۵ وہ ڈر کے مارے نہیں بھاگے بلکہ وہ لوٹی ہوئی دولت کو ٹھکانے لگانا چاہتے تھے۔
۶ اسلم خان مہاراجہ ہری سنگھی فوج میں میجر تھا جس نے دوسری عالمی جنگ میں نمایاں کام انجام دئے تھے۔ اُس کا باپ ٹور گل بھی ڈوگرہ فوج میں اعلیٰ عہدہ دار تھا۔

نومبر کو مالِ غنیمت سمیت ایبٹ آباد پہنچ گیا۔ پاکستانی حکام کو صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے اُس نے کہا کہ قبائلی اب مائل بہ جنگ نہیں ہیں۔ تاہم خان کو حکم دیا گیا کہ "کوئی لڑے یا نہ لڑے، آپ ایک سو سرحدی سپاہیوں کو ساتھ لے کر فوراً وادی کا رُخ کریں"۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ مگر مُظفر آباد سے آگے بڑھانے کے لئے ایک بھی سپاہی یہ کہہ کر تیار نہ ہوا کہ "ہندوستانی فوج نزدیک پہنچ چکی ہے۔ اس لئے وہ ایسی خودکشی کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہیں"۔ پھر بھی سابقہ فوجیوں، رضا کاروں اور مسعودی قبائل پر مشتمل ایک ٹکڑی میجر اسلم خان کی سربراہی میں وادی کی طرف روانہ ہونے پر رضامند ہوگئی۔ ادھر خورشید انور کو جب میجر اسلم خان کے گریزان ہونے کی خبر ملی تو وہ بھی اوڑی کے جانب بڑھنے لگے۔ حالانکہ قبائل پہلے ہی سے فرار ہو رہے تھے۔ پانچ نومبر کی درمیانی رات تک بیشتر قبائلی لشکر ورمُل اور اوڑی سے ہوتے ہوئے مظفر آباد پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ۷۔

اس صورتحال سے پریشان ہو کر پاکستانی حکام نے خورشید انور کے بجائے میجر اکبر خان کو کشمیر محاذِ جنگ کا انچارج بنا کر فوراً روانہ کر دیا۔ مظفر آباد کی نواحی بستی میں اکبر خان کو رات کے وقت فوج کی ایک ٹکڑی سے واسطہ پڑا۔ معلوم ہوا کہ وہ سواتی فوج تھی جو باغ (پونچھ) کی لڑائی میں حصہ لینے کے بعد واپس آرہی تھی۔ اُن کی تعداد تین سو تھی۔ اُن کا ڈپٹی کمانڈر کیپٹن رشید تھا۔ میجر اکبر خان کا کہنا ہے کہ اُس نے رشید کو ورمُل آنے کی گذارش کی۔ جس نے جواباً کہا کہ "اگر کمانڈر نے اجازت دی تو وہ ضرور کشمیر کا رُخ کریں گے"۔

ایک طرف پاکستانی حکام کی ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے میجر اسلم خان، دو رٹائیر فوجی، سابقہ آزاد ہند فوج کا ایک صوبیدار، ایک سیاسی کارکن لطیف افغانی، دو ڈرائیور، ایک باورچی، تین رضا کار اور میجر اکبر خان کا حقیقی بھائی مظفر آباد سے اوڑی پہنچے ۸۔ اور دوسری طرف بریگیڈیئر شیر خان کی سربراہی میں پاکستانی فوج کی خاصی

7. Maj. Gen. Akbar Khan, P. 56-57.
8. Ibid, P. 70.

تعداد سرحد کے اس پار داخل ہوگئی۔ ساتھ ہی میجر اکبر خان نے منتشر قبائیلوں اور سابقہ فوجیوں کو اکٹھا کر کے کئی نئے محاذ کھولے۔ تمام تر مشکلات کے باوجود خان نے اوڑی سے چکوٹی تک بھارتی افواج کو ایک خاص حکمت عملی کے تحت چھ دنوں تک جنگ میں مصروف رکھا۔ وہ رُک رُک کر گولیاں چلاتا رہا اور وقفہ وقفہ سے ایک ایک پُل کو اڑتا رہا۔ جس کے باعث ہندوستانی فوج کی آگے بڑھنے کی رفتار بہت سُست رہی۔

دریں اثناء قبائیلوں کا ایک دوسرے کو باخبر کئے بغیر وادی سے بھاگنا مسلم لیگ اور حکومت پاکستان کے لئے باعث تشویش بن گیا۔ جس کا تدارک کرنے کے لئے جناح صاحب کے قریبی ساتھی اور دفاعی مشیر سکندر مرزا کو مقرر کیا گیا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب ''داستان حیات'' میں رقمطراز ہیں:

> ''میں نے فوری طور ایک کار میں چھلانگ لگائی اور پوری تیزی سے راولپنڈی پہنچا۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ دو میل کے مقام پر قبائیلی مُلاؤں سے ملا۔ اُن میں پیر آف مانکی شریف اور بادشاہ گُل شامل تھے۔ انہوں نے بلیک میل کرنے کی اپنی پُرانی ترکیب استعمال کی اور واپس (کشمیر) جاکر لڑنے کے لئے اسی (۸۰) لاکھ کا مطالبہ کیا۔ میں نے انہیں ایک طرف دھکیل کر قبائیلوں سے براہِ راست بات کی''۹۔

تاہم سکندر مرزا کی تگ و دو سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ اِدھر میجر اسلم خان کے ماتحت قبائلی اور رضا کار یہ خبر سن کر پھر منتشر ہوگئے کہ خورشید انور مُلکی افواج کا مقابلہ کرتے ہوئے ۱۰ نومبر کو شدید زخمی ہوئے ہیں۱۰۔ اکبر خان کی بروقت کاروائی سے گِنے چُنے قبائیلوں نے بڑی مُستعدی کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس دوران مسودیوں کا ایک لشکر گلاب خان کی سرپرستی میں اکبر خان کی مدد کو پہنچا۔ اس طرح ہندوستانی فوج کو چکوٹی سے پیچھے

۹۔ بحوالہ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۳۵۹۔

۱۰۔ شدید زخمی حالت میں خورشید انور کو کراچی اسپتال لے جایا گیا۔ جہاں مدت تک اُس کا علاج ہوتا رہا۔ آخر اُسے لندن ریفر کیا گیا۔ جہاں وہ چھ مہینے تک زیر علاج تھے مگر زخم شدید نے ۱۳/ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو اُس کا کام تمام کیا۔

ہٹنے پر مجبور کیا گیا۔ دوسری طرف جس قلیل قبائلی لشکر نے سرینگر شہر کے شمال مغربی دروازے شالہ ٹینگ پر دستک دی تھی، وہ آہستہ آہستہ پسپا ہو رہا تھا۔ اگر چہ اکبر خان نے بھیس بدل کر یہاں کا دورہ بھی کیا اور پاکستان کی ریگولر آرمی کا سہارا بھی لیا مگر حالات اُن کے لئے روز بہ روز دیگر گوں ہوتے گئے۔ چنانچہ مجبور ہو کر پاکستانیوں کو اپنی ''در پردہ جنگی پالیسی'' کے برخلاف کھُلم کھُلا میدان جنگ میں کودنا پڑا۔ اس طرح یہ لڑائی طول پکڑ گئی۔ جس سے نہ صرف فریقین کا مالی و جانی نقصان ہوا بلکہ ملک کشمیر دو حصوں میں بٹ گیا۔ جس کی تمام تر ذمہ داری پاکستان پر اِس لئے عائد کی جاسکتی کہ اُن کی کشمیر پالیسی ہمیشہ ناقص رہی۔ ''کم سے کم اگر پاکستان نے بھرپور مداخلت کی ہوتی تو ساری وادی بانہال ٹنل تک پاکستان کے زیر قبضہ ہوتی اور مسئلہ کشمیر اس لحاظ سے خود ہی حل ہوا ہوتا۔ مگر پاکستان نے پراکسی جنگ لڑی جس سے فائدے کے بجائے نقصان ہوا اور کشمیر کے مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے۔ اگر قبائلی حملہ نہ کرتے تو ''آزاد مملکتِ کشمیر'' پاکستان کے لئے فائدہ مند رہتی کیونکہ یہاں پر اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ بھلے ہی راجہ ہندو تھے''۔ [11] کہا جاتا ہے کہ اگر قبائلی حملہ نہ کرتے تو ہندوستان پھر بھی کشمیر پر فوج کشی کرنے سے باز نہیں رہتا۔ اس لئے پاکستان نے ''بھاگتے چور کی لنگوٹی سہی'' کے مصداق ایک حصہ پر قابض ہونے میں کامیابی حاصل کی۔ تاہم ایم جی حسن مختار کے بقول ''یہ محض ایک مفروضہ ہے۔ حقیقت میں اگر بھارت بھی قبائلی ٹائپ کا حملہ کرتا تو صرف جموں کے علاقے کو زیر کرسکتا تھا نہ کہ پورے کشمیر کو''۔ [12] بہر حال جو کچھ ہوا، اُس کے نتیجے میں مہاراجہ ہری سنگھ پست ہمت ہو کر ہندوستان کے ساتھ عارضی الحاق کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس لئے کچھ جذباتی لوگ پاکستان کی نیم دلانہ اور ناقص کشمیر پالیسی پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کرتے آئے ہیں لیکن عصری شواہد اور جدید ناقدین کی آراؤں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے سوا نہیں کوئی چارہ نظر نہیں آرہا ہے۔

۱۱۔ ایم جی حسن مختار، کشمیر...... شیخ محمد عبداللہ سے موجودہ لیڈر شپ تک ہفت روزہ ''چٹان''، ۱۰ ر ستمبر تا ۱۶ ر ستمبر ۲۰۰۷، سرینگر، ص ۵۔

۱۲۔ ایضاً مذکورہ۔

قبائلی حملہ آوروں کی نا اتفاقی اور ناکامی کے متعلق ٹائمز آف انڈیا کے نامہ نگار رقمطراز ہے:

''اگر قبائلی لوٹ مار اور اغوا کاری کے بجائے فوجی اہمیت کی جنگی حکمت عملی پر اپنی توجہ مرکوز کرتے تو ۲۲ر اکتوبر کو ہی سرینگر پہنچ جاتے''۱۳۔

پاکستان کے ایک مشہور مورخ حسن ظہیر حملہ کے سرغنوں کو نہ صرف ڈانٹتا اور پھٹکارتا ہے بلکہ انہیں بے ہنر، ناتجربہ کار، غیر موزون، غیر ذمہ دار، جاہل اور ناشائستہ قرار دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ملک غیر پر حملے کی منقسم کمانڈ اور ناقص حکمت عملی کو بڑی تباہی اور ناقابل تلافی نقصان سے بھی تعبیر کرتا ہے۱۴۔

جنگی ماہرین کا خیال ہے کہ ستمبر میں مقرر کئے گئے حملہ ڈی ڈے پر عمل نہ ہونے سے ہندوستان کو اپنی فوجیں کشمیر میں اتارنے کا یک نادر موقعہ ہاتھ آیا۔ جس سے ملک کی تاریخ ہی بدل گئی اور کشمیر پاکستان بنتے بنتے نہ رہ گیا۔ اس رائے سے جُزوی اتفاق کیا جاسکتا ہے کیونکہ پہلے ڈی ڈے پر عمل نہ ہونے کے باوجود پاکستان نے دوسری ڈی ڈے کو عملانے میں چھ گھنٹوں کے بجائے چھ دن گنوائے جس کا خمیازہ نہ صرف کشمیریوں کو اُٹھانا پڑ رہا ہے بلکہ پورے برصغیر کو۔ پاکستان کی کمزور کشمیر پالیسی کو تسلیم کرتے ہوئے قبائلی حملے کا منتظم اعلیٰ سردار شوکت حیات خان کہتے ہیں:

" We lost Kashmir through our own blunders and bungling" ۱۵

۲۷ر اکتوبر کو جب ہندوستانی فوج سرینگر کے ہوائی اڈے پر اُتری تو مقامی حکام سے بات چیت کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد فوج کے میجر پی این شرما قبائلی حملہ کی ناکامی پر لکھتے ہیں:

---

13. Times of India, Nov. 6, 1947, Delhi.
14. Hasan Zaheer, 1998, The Time and Trial of Rawalpindi Conspiracy 1951: The first coup Attempt in Pakistan , Karachi, P. 85.
15. Sirdar Shoukat Hyat Khan. P. 216.

"Frankly speaking, I felt that if the raiders were more intelligent they would have entered the city of Srinagar and occupied it the same day. Since they were about 5000 strong and Srinagar was defended by hardly 200 men." [١٦]



16. P.N. Sharma , 1956, In Side PAK Occupied Kashmir, New Delhi , Chapter I.

محمد علی جناح اور قبائلی حملہ

کیا قبائلی حملہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے حُکم سے ہوا، کیا وہ حملے سے باخبر تھے؟ یا یہ کہ وہ سب کچھ جان کر مصلحتاً خاموش رہے۔ مورخین اور محققین کے نزدیک یہ سوالات باعثِ اختلاف بنے ہوئے ہیں۔ کاغذات قائدِ اعظم کے ترتیب کار پروفیسر، ایچ زیدی کوئی ثبوت فراہم کئے بغیر کہتے ہیں کہ محمد علی جناح کو قبائلی حملہ کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ جناح صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری کے ایچ خورشید کا کہنا ہے کہ قائدِ اعظم قبائلی حملے سے بالکل بے خبر تھے۔ فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

"...... جہاں تک میں جانتا ہوں۔ وہ اس سے (قبائلی حملے سے) آگاہ نہیں تھے۔ دراصل یہ لیاقت قیوم کمپنی کی ہی کارستانی تھی اور اس کے پس منظر میں اُن کی اپنی مصلحتیں تھیں"[۱]

اس کے برعکس لارڈ ماؤنٹ بیٹن ایک صحافی ائین سٹیفن سے ۲۶/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی رات کو بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

" After the invasion, Jinnah at Abbotabad had been expecting a ride in triumph into Kashmir."[۲]

اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۶/ اکتوبر کو قائد اعظم محمد علی جناح کراچی میں موجود نہیں تھے بلکہ وہ راجدھانی سے باہر تھے۔ اس کا تذکرہ پاکستانی وہائٹ پیپر میں یوں ملتا ہے:

"ہندوستانی افواج کو کشمیر روانہ ہوتے وقت جو احکامات دئے گئے تھے وہ ۲۶/ اکتوبر کی شام کو ہی ڈیسفر (Decipher) کر کے راولپنڈی کے فوجی ہیڈ کواٹر میں مقیم انگریز کمانڈر انچیف جنرل گریسی کو بھیج دئے گئے

---

۱ شیرازہ...... شیر کشمیر نمبر، ۱۹۸۳ء کلچرل اکیڈمی، سرینگر، ص ۱۱۷۔

2. Compbell-Jhonson, 1951,Mission with Mountbatten , London, P. 255- Ian Stephens, 1965, Horned Moon, London, P. 109.

تھے۔ جس نے اس رپورٹ پر بالکل خاموشی اختیار کی تھی۔ حتیٰ کہ پاکستان کے گورنر جنرل کو بھی اُس نے مطلع کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ حالانکہ قائداعظم اُس دن لاہور میں موجود تھے''۳۔

ایک اور انگریز محقق لارڑ بورڈوڈ رقمطراز ہے:

"Mr. Jinnah first recieved news of the Indian action at Lahore on the evening of 27th October. At the time he was the guest of the Governor, Sir Francis Mudie , a host of generosity and infectious geniability."۴

محمد علی جناح نے قبائلی حملہ کے بارے میں ایک اخباری نمائندہ روبارٹ ٹرمبل سے گفتگو کی تھی اور وہ لکھتے ہیں:

"He was doing his utmost to hold back Muslim tribes-men, who were demanding a holy war against the Hindus and Sikhs. He admitted that he was not sure he could restrain them overlong."۵

ہندوستانی فوج کے وارد کشمیر ہونے کے پانچ دن بعد یکم نومبر کو ماؤنٹ بیٹن کی صدارت میں لاہور میں ہندوستان اور پاکستانی لیڈروں کے درمیان تنازعہ کشمیر پر بات چیت ہورہی تھی تو لارڑ اِسمے نے دونوں ملکوں سے جنگ بند کرنے کی اپیل کی۔ اس کے جواب میں محمد علی جناح نے دونوں طرف کے فوجیوں کو کشمیر سے واپس بُلانے کی تجویز رکھی۔ ماؤنٹ بیٹن نے پوچھا کہ قبائلیوں کو کیسے واپس بُلایا جائے گا تو محمد علی جناح فوراً بولے:

"If you do this, I will call the whole thing off."۶

---

3. White Paper on The Jammu and Kashmir Dispute, Ministry of Foreign Affairs Government of Pakistan, 1977, P. 17.
4. Lord Birdwood, 1956, Two Nation and Kashmir, London, P. 83.
5. New York Times, 31 October, 1947, U.S.A
6. Compbell-Jhonson, 1951, Mission with Mountbatten, London, P. 229.

ایک اور جگہ درج ہے کہ محمد علی جناح نے ماؤنٹ بیٹن سے اعتماد بھرے لہجے میں صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "اگر ہندوستان اپنی افواج کشمیر سے واپس بلا لیگا تو میں قبائلیوں کو کشمیر سے فوراً چلے جانے کا حکم دونگا" ۷۔ اسی طرح "اِکنامسٹ" اخبار میں شائع ہوئے ایک مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ حملے کی جڑیں گہری تھیں بلکہ جناح صاحب بھی اس میں خوب دلچسپی لے رہے تھے۔ اخبار لکھتا ہے:

" It is probable therefore that Mr. Jinnah by supporting the invasion of Kashmir hoped to kill two birds with one stone- to annex Kashmir and to direct the aggressive energies away from Peshawar and the Punjab." ۸

لارڑ بورڈوڑ کا کہنا ہے کہ محمد علی جناح کو حملہ کی لاعلمیت سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا ۹۔ جبکہ ایک پاکستانی مصنف اور مورخ بڑے اعتماد کے ساتھ دعویٰ کرتا ہے کہ اتنا بڑا فیصلہ کرنا قائداعظم کی اجازت کے بغیر ناممکن تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"My ten years experience of Governmental activity after watching its working from a very close quarter, has left no room for doubt that, to put it bluntly, in the provinces, even the leaves of trees do not move without the permission of the Central Government." ۱۰

محمد یوسف صراف لکھتے ہیں کہ اگر حملہ قائداعظم کے کہنے پر نہ کیا گیا ہوتا تو حملے کے روح رواں صوبۂ سرحد کے وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان کو اپنے عہدے سے کسی بھی حالت میں ہاتھ دھونا پڑتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حملہ میں قائد

---

7. LP&S/13/1845b. FF. 213-9, Indian Office Record, Cited in Andrew Whitehead, P. 138.
8. Economist, December 13, 1947, London.
9. Lord Birdwood, PP. 73-78.
10. Muhammad Yousuf Saraf. P. 988.

اعظم کی مرضی شامل تھی ۱۱۔ یہ بھی اطلاع ہے کہ محمد علی جناح کو ۱۱/۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے ہی حملے کی علمیت تھی ۱۲۔ یہی رائے صوبہ سرحد کے گورنر جنرل کننگھم پاکستان کے دفاعی سیکریٹری اسکندر مرزا کے حوالے سے قلم بند کرتے ہیں:

"Apparently Jinnah himself first heard of what was going on about 15 days ago, but said" Don't tell me anything about it, my conscience must be clear." ۱۳

کننگھم اپنی ڈائری میں مرزا اسکندر کے حوالہ سے شاید اس لئے بات کرتے ہیں کہ حملہ پوری طرح سے کامیاب نہیں ہوا۔ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر قبائل سارے ملکِ کشمیر پر قابض ہو گئے ہوتے تو کننگھم بہ بانگ دہل اعلان کرتے کہ حملہ قائد اعظم نے ان کے مشورے سے کیا تھا۔ عین ممکن ہے کہ ایسے ہی بیانات لیاقت علی خان اور خان عبدالقیوم خان بھی جاری کر دیتے۔ کننگھم نہ صرف جناح صاحب کے پُرانے جگری دوست تھے بلکہ ان کا شمار مسلم لیگ کے قریبی معاونوں اور بااعتماد دوستوں میں کیا جاتا تھا ۱۴۔ تقسیم ملک کے بعد قائد اعظم نے کننگھم کو گلاسگو سے بُلا کر صوبہ سرحد کا گورنر بنایا تھا۔ ان حالات میں یہ کیسے ممکن ہے کہ جناح اور کننگھم کے مشورے کے بغیر سرحد سے حملہ کیا جاسکتا تھا۔ اسی حوالہ سے یہ آراء بھی پیش کی جاسکتی ہے تا کہ معاملہ فہمی میں آسانی ہو جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ قبائل ابھی ملکِ کشمیر کی طرف کوچ کرنے میں مصروف ہی تھے کہ پاکستان بھر میں یہ افواہیں گشت کرنے لگیں کہ حملے کی کامیابی جناح صاحب کی اہم کارکردگی ہوگی ۱۵۔

11. Ibid, P. 988.
12. Maj. Gen. Kuldip Singh Bajwa, 2003, Jammu and Kashmir War (1947-48), New Delhi, P. 80.
13. Victoria Schafield, 2004, Kashmir in Conflict, New Delhi, P.51.
۱۴۔ محمد فاروق قریشی، ص، ۷۷۔
15. M.S.M. Sharma , 1954, Peeps into Pakistan, Patna, P. 153.

بہر حال یہ ساری بحث پنجاب کے ایک وزیر سردار شاکت حیات خان جو حملہ کے نگران اعلیٰ تھے، کے اس بیان سے پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے:

''ہم نے فوراً مظفر آباد پر قبضہ کیا۔ لیکن وہاں سے آگے مجھے جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ کیونکہ حکومت کو خدشہ تھا اگر میں گرفتار ہوا تو حکومت کشمیر ساری دنیا کو یہ دکھائی گئی کہ پاکستان کا ایک وزیر حملے کی قیادت کر رہا تھا۔ اس سے دنیا کو اصلی حقیقت کا پتہ چلے گا کہ یہ حملہ سرکاری سطح کا تھا جو ہر حال میں صیغۂ راز رہنا چاہئے''۔[16]

ایسا ہی بیان انہوں نے ۱۹۹۷ء میں بی بی سی کے ایک ٹیلی ویژن پروگرام میں دیا جس میں شوکت حیات خان نے واشگاف طور قبول کیا کہ حملہ قائداعظم کی اجازت سے ہوا تھا:

"Shoukat Hayat Khan confirmed that the raid into Kashmir had been approved by the Quaid-e-Azam himself."[17]



16. Sirdar Shawkat Hyat Khan. P 215.

17. C. Dasgupta. P. 39.

قبائلی حملے کے اسباب

قبائیلوں کوملکِ کشمیر کی طرف راغب ہونے کی کئی وجوہات بتائی جاتی ہیں۔ بعض مصنفین کے مطابق دراصل افغان حکمران قبائیلوں کو پاکستان میں لوٹ کھسوٹ کے لئے اُکسا رہے تھے تو پاکستان نے اُن کا رُخ جہاد کے نام پر کشمیر کی طرف موڑ دیا[۱]۔ قبائل ملکِ کشمیر میں فرقہ وارانہ فسادات اور قتل وغارت کے بعد نہ صرف یہاں کی حکومت سنبھالنے کا خواب دیکھ رہے تھے بلکہ ریاست پٹیالہ اور امرتسر کو تباہ کرنے کے بعد دہلی کا رُخ کرنا بھی مقصود رتھا[۲]۔ یہ بھی سچ ہے کہ تقسیم سے پہلے جب انگریز صوبہ سرحد میں قبائیلوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے تو سکھوں نے قبائیلوں کا جینا حرام کردیا تھا۔ سکھوں کے خلاف اُن ہی دنوں سے نفرت شروع ہوچکی تھی۔ اس سے پہلے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں بھی قبائیلوں کو سخت ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے آس پاس پنجاب میں سکھ آبادی مسلمانوں کا صفایا کر رہی تھی تو اس کا بدلہ مہاراجہ کشمیر اور یہاں کی غیر مسلم آبادی سے لینے کی غرض سے قبائیلوں نے مُلکِ کشمیر کا رُخ کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لوٹ مار کی عادت سے مجبور یہ قبائلی کشمیر کا رُخ کرنے پر بہ ضد تھے۔ ایک قبائلی کا کہنا تھا کہ:

> "We had heard there was plenty of gold in Kashmir." [۳]

ایک رائے یہ بھی رہی ہے کہ ریڈ کلف اواڑ کا بدلہ لیا جائے۔ اسی طرح ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ قبائیلوں کو کشمیر کی طرف دھکیل کر تحریک پختونستان یا پٹھانستان سے

۱۔ لیری کونس اور دامنک لیپیر، ۱۹۸۸ء، آدھی رات کی آزادی، سرینگر، ص ۲۳۲۔۲۳۳۔
2. Sisir Gupta , 1966, Kashmir: A study in Inda-Pakistan Relations , New York, P. 120-122.
3. Krishna Mehta , 1954, Chaos in Kashmir, Calcutta, P. 54.

توجہ ہٹانے میں مدد ملے گی۔ اِس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ قبائلی سرداروں کے تعلقات ہمسایوں کے ساتھ کبھی بھی خوشگوار نہیں رہے۔ دارا اول سے لیکر لارڈ ماؤنٹ بیٹن تک یہ لوگ مار دھاڑ اور لوٹ کھسوٹ میں اپنا وقت صرف کرتے آئے ہیں۔ صوبۂ سرحد سے جونہی برطانوی راج ختم ہونے کا اعلان ہوا تو قبائلیوں نے آس پاس کی کئی جگہوں کو لوٹنا شروع کیا۵۔ اس طرح کے دلخراش واقعات سے نوزائد ملک پاکستان میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ خدشہ تھا کہ قبائلی لوگ پاکستان کی سالمیت اور آزادی کے لئے مشکلات پیدا نہ کریں۔ اس لئے پاکستانی حکام خاص کر مسلم لیگی رہنماؤں نے صوبۂ سرحد میں نہ صرف مختلف قسم کی افواہیں پھیلائیں بلکہ اس کام کے لئے جاسوس بھی مقرر کئے۶۔ چنانچہ یہ افواہیں زور پکڑنے لگیں کہ مہاراجہ ہری سنگھ کشمیری مسلمانوں کے قتل عام میں مصروف ہے۔ اُن کی بہو بیٹیوں کو اغوا کیا جارہا ہے اور املاک کو لوٹا جارہا ہے۔ مسلم بستیاں نذر آتش کی جارہی ہیں۔ مسلمانوں کو دینی فرائض ادا کرنے سے روکا جارہا ہے۔ دین اسلام خطرے میں پڑ چکا ہے۔ جو بھی شخص مصیبت کی اس گھڑی میں کشمیر کے مسلمان بھائیوں کے کام آئے گا، اُس کی جگہ جنت میں ہوگی اور یہ واقعی جہاد ہے۷۔

ایک مغربی نامہ نگار اس بارے میں لکھتے ہیں:

"Mulla in the village started preaching Jihad against the Dogra regim." ۸

اس سلسلے میں پاکستان کے معروف ماہر عمرانیات ڈاکٹر اکبر ایس احمد کی یہ سطور بھی قابل توجہ ہیں:

"......اس امر کی نشاندہی ضروری ہے کہ ڈیورند لائین کے دونوں طرف

4. Sisir Gupta, 1966, Kashmir: A study in India-Pakistan Relations, London, P. 119.
5. Josef Korbel, PP. 74-75.
6. Ibid, P. 75
7. Ibid, P. 73-74, M.Y. Saraf, Vol. 2, P. 890.
8. Ian Stephens, 1963, Pakistan, London, P. 207.

کے پختوں قبائل نے کشمیر کی لڑائی کو جہاد سمجھا اور دور افتادہ برمل علاقے
کے وزیری قبائل بھی کشمیر جانے والے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اس صورتحال
میں نسلی ہم آہنگی جس میں ڈیورنڈ لائین حائل نہیں ہو سکتی تھی، اس جنگ
میں اصل محرک بن گئی۔ جسے سیدھی سادی مذہبی جنگ سمجھا گیا"۹۔

کشمیر سے متعلق جو افواہیں پھیلائی گئیں، ان میں بہر حال سچائی بھی تھی ۱۰۔ پاکستانی ارباب اقتدار کو جب اس حکمت عملی میں کامیابی نظر آنے لگی تو انہیں زبردست راحت ملی ۱۱۔ اب وہ کھل کر قبائلی جذبات سے کھیلنے لگے۔ وہ صوبۂ سرحد میں جہاد کا نعرہ دینے والوں کی پشت پناہی کرنے لگے اور ان کی جنونی صورتحال کا بھرپور فائدہ اُٹھانے کی ایک اور ترکیب سوچی جس کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ کشمیر کو پاکستان میں ضم کرنے کے لئے قبائلیوں کو استعمال کیا جائے ۱۲۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف مختلف سطحوں پر مزاحمتی تحریک جاری تھی۔ ایک طرف پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے پر زور دیا جا رہا تھا تو دوسری طرف آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ کشمیر کے داخلی انتشار سے پاکستان کو سیاسی فائدہ اٹھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔

لیکن لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ پاکستان نے شیخ محمد عبداللہ سے انتقام لینے کی غرض سے قبائلیوں کا سہارہ لیا۔ علاوہ ازیں اس حملے کے پیچھے کئی لوگوں کے ذاتی اغراض و مقاصد بھی تھے۔ جو قبائلیوں کو اُکسانے میں جلتے پر تیل چھڑکنے کا کام کر گئے۔ صوبۂ

۹۔ اکبر ایس احمد، ص ۲۳۹۔
۱۰۔ سردار محمد ابراہیم خان، ۱۹۶۶ء، کشمیر کی جنگ آزادی، لاہور، ص ۷۱-۹۱
11. Josef korbel, P. 75.
12. Krishna Mehta. P. 53.
۱۳۔ جب ۱۹۴۴ء میں جناح صاحب کشمیر کے دورہ پر تھے تو خان عبدالقیوم خان گرفتاری سے بچنے کے لئے کشمیر میں روپوش تھے۔ جو ان دنوں کانگریس کے سرگرم رہنما تھے۔ ان ہی دنوں ضلع بارہ مولہ کے تحصیل پٹن میں اپنے آبائی گاؤں وانی گام میں قیوم خان نے ایک عالیشان کوٹھی بنائی۔ اور سرینگر میں وکالت شروع کی۔ وہ ہمیشہ سلطان کشمیر بننے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اگر قبائلی حملہ ناکام نہ ہوتا، قیوم خان اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو گئے ہوتے۔

سرحد کے وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان ۱۳ کو شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ذاتی دشمنی تھی۔اس لئے وہ قبائلی حملے کو منظم کرنے میں پیش پیش رہے۔ بلکہ قبائیلوں کو کشمیر سے واپسی پر فوج میں ملازمت دلوانے کی لالچ بھی دی۔ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے ایک نامور محقق لکھتے ہیں:

''اس 'مارشل پلان' کے سرگرو صوبہ سرحد کے خان عبدالقیوم خان تھے۔ جنہیں فاتح کشمیر بننے کا بہت شوق تھا اور شیخ محمد عبداللہ سے اس بات کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ کہ شیخ نے چندسال قبل خان صاحب کو جموں و کشمیر کا وزیر اعظم بنوانے میں تعاون نہیں کیا تھا۔ یادرہے خان موصوف صرف دوسال قبل تک ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں کانگریس پالیمانی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر تھے اور اُن موقع شناس لیڈروں میں شمار ہوتے تھے جو تحریک پاکستان کو کامیاب ہوتے دیکھ کر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے......'' ۱۴۔

اس بیان کی تائید فیلڈ مارشل ایوب خان کے ان الفاظ سے ہوتی ہے:

''قیوم خان تو کشمیر کا جاگیردار بننا چاہتا تھا۔ تبھی اس نے قائداعظم کو غلط راستے پر ڈال دیا'' ۱۵۔



---

۱۴ ایچ ایم میر، ۱۹۹۹ء، کشمیر شناسی، میرپور، ص ۲۵۴۔
۱۵ آتش چنار، ص ۳۱۸۔

جموں میں خونریزی

مملکت پاکستان کے وجود میں آنے سے قبل ہی مشرقی پنجاب خاص کر لدھیانہ، جالندھر، امرتسر، پانی پت، کرنال، گوڑگاون، سلطان پور، کپورتھلہ، فرید کوٹ، پٹیالہ، فیروز پور، زیرہ، رسول پور اور شکر گڑھ وغیرہ میں مسلمانوں کا قتل عام جو پاکستان وجود میں آنے سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا، سے فارغ ہونے کے بعد ہندو فرقہ پرست ہتھیاروں سمیت جموں و کشمیر میں داخل ہونے لگے تھے[1]۔ یہ لوگ مقامی مسلم دشمن عناصر سے مل کر بٹوت، ادھمپور، جموں، سوچیت گڈھ، رنبیر سنگھ پورہ، بشناہ، رام گڈھ، ہیرانگر، سانبھا اور کٹھوعہ علاقوں میں پھیل گئے۔ سیکیورٹی ایجنسیاں انہیں روکنے میں دلچسپی نہیں لے رہی تھیں۔ برعکس اس کے مسلمانوں کی تلاشیاں لی جا رہی تھیں۔ حالانکہ جموں کے مسلمان کشمیری مسلمانوں کے مقابلے میں مہاراجہ کے نزدیک زیادہ قابلِ بھروسہ تھے۔ اُن کی خاصی تعداد پولیس اور فوج میں ملازمت کرتی تھی جو کشمیری مسلمانوں کے لئے شجر ممنوع تھی۔ اس کم و بیش اعتماد کو اس وقت دھچکا لگا جب ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آنے پر مسلمانانِ جموں نے زبردست جشن منایا۔ مسلمانوں نے جموں شہر کے مسلم اکثریتی علاقوں کو سبز جھنڈیوں سے سجایا، گھر گھر چراغاں کیا، نوجوانوں نے سبز پوشاک پہن کر جلوس نکالے اور پورا شہر پاکستان زندہ باد، قائداعظم زندہ باد، مسلم لیگ زندہ باد کے نعروں سے گونجتا رہا۔ اس صورتحال سے مہاراجہ ہری سنگھ خوف زدہ بھی ہوئے اور مشتعل بھی۔ چنانچہ اُس نے مسلمانوں سے لائسنس یافتہ ہتھیار چھیننے کا حکم دیا[2]۔ آناً فاناً کئی ہزار بندوقیں پولیس تھانوں میں جمع ہو گئیں۔ اُدھر میرپور، مظفر آباد، کوٹلی اور باغ سے جب مہاراجہ کو اطلاع ملی کہ ڈوگرہ فوج کے مسلم سپاہی اپنی وفاداریاں تبدیل کر رہے ہیں تو مہا اُنہوں نے جموں، پونچھ اور راجوری کے تمام مسلمان فوجیوں کو غیر مسلح

1. A. De. Mhaffe, 1948, Road to Kashmir , Lahore, P. 171
2. K. Sarwar Hasan, 1960, Pakistan and the United Nations , New york , p. 94.

کرنے کے احکامات صادر کیے۔ ساتھ ہی فوج کے نام ایک حکم نامہ بھی جاری کیا گیا جس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

"The Maharaja then ordered his troops to expell thousands of Muslims from the district of Jammu."[۳]

جموں شہر کے ڈی آئی جی عبدالرشید اور ایس ایچ او راجہ صحبت علی کے ہتھیار بھی چھین لئے گئے۔ اِن دونوں کو بعد میں مسلمانوں کی طرفداری کرنے کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ جس پر موخر الذکر کے ہندو دوست سب انسپکٹر ٹھاکر ناتھا سنگھ نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔ اسی بنا پر سنگھی فسادیوں نے مذکورہ سب انسپکٹروں کو قتل کر دیا[۴]۔ مہاراجہ نے فوج، پولیس اور سول انتظامیہ کے مسلمان افسروں کو بھی سرکاری کام وکاج سے الگ تھلگ کرنا شروع کیا اور انہیں اہم عہدوں سے ہٹا کر غیر ضروری منصبوں پر تعینات کیا۔ عدالت خان کو کوارٹر ماسٹر جنرل کے عہدے کے بجائے دھان کی خوش وخرید کا کام سونپا گیا۔ خدا بخش کو جموں سے تبدیل کر کے کٹھوعہ میں فوجی بھرتی کا کام تفویض کیا گیا۔ اسی طرح رنبیر سنگھ پورہ، بشناہ، ہیرانگر، سانبہ، کٹھوعہ، ڈوڈہ، کشتواڑ، بھدرواہ، رام بن اور بٹوت کے تحصیلداروں اور نائب تحصیلداروں کو اپنے عہدوں سے ہٹا کر غیر اہم منصبوں پر فائز کیا گیا۔ یہاں تک کہ اکتوبر کے آخر میں کوئی بھی مسلمان کسی ذمہ دار اور کلیدی عہدہ پر تعینات نہ تھا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ سینکڑوں مسلمان سپاہیوں کو برطرف کر دیا۔

اگست شروع ہونے کے ساتھ ہی ڈوگرہ منتظمین نے ذاتی حفاظت کی آڑ میں ہندوؤں کو ہتھیار فراہم کئے اور تقریباً سات ہزار سے زائد بندوقیں تقسیم کیں[۵]۔ دوسری طرف ستمبر کے اواخر تک ہندو مہا سبھا، راشٹریہ سیوک سنگھ اور انڈین نیشنل آرمی نے اپنے دفاتر امرتسر سے جموں منتقل کئے جہاں وہ مسلمانوں کے قتل عام میں باضابطہ مصروف

3. Hector Bolitho, 1954, Jinnah , Creator of Pakistan , USA, P. 26.

4. M.Y. Saraf, P814

5. Lord Birdwood, P. 65-66.

ہو گئے ۶۔ اس حقیقت کا برملا اعتراف بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو، سردار پٹیل کے نام ایک خط میں یوں کرتے ہیں:

''ہمیں انفارمیشن ملی ہے کہ مشرقی پنجاب سے آر ایس ایس والنٹیر وں کو اکٹھے کیا جا رہا ہے تا کہ انہیں جموں روانہ کیا جائے۔ جہاں وہ مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہونگے۔ ایک مصدقہ اطلاع ہے کہ چند روز پہلے پانچ سو رضا کاروں کو ٹرکوں کے ذریعہ پٹھان کوٹ کے راستے سے جموں روانہ کیا گیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ریاستی سرکار نے ایک خصوصی افسر کو گورداسپور اور کانگڑہ روانہ کیا ہے جو وہاں سنگھیوں اور ڈوگرہ رضا کاروں کو بھرتی کر رہا ہے۔ اطلاع ہے کہ اس افسر کو آر ایس ایس کے ساتھ قریبی رابطہ ہے'' ۷۔

سنگھیوں، مہاسبھائیوں اور رٹائیر فوجی افسروں نے وید مندر، روگناتھ مندر، تالاب رانی اور پکا ڈنگا وغیرہ جگہوں پر ڈوگروں، ہندوؤں اور اوباش نوجوانوں کو ہتھیار چلانے کی تربیت شروع کی ۸۔ ڈوگرہ شاہی اور سنگھ پریوار سے وابستہ عملے نے سابقہ فوجیوں اور تربیت یافتہ ہندو جوانوں میں فی کس تھری ناٹ تھری قسم کی رائفل اور پچاس رونڈ گولیاں تقسیم کیئں ۹۔ اس کے علاوہ تربیت یافتہ فرقہ پرستوں کو جیپ گاڑیاں اور ٹرک وغیرہ بھی مہیا کیئے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ راشٹریہ سیوک سنگھ اور دوسرے فسادیوں نے ستمبر کے اوائل سے ہی جموں کے شہر و دیہات میں مسلمانوں کے خلاف نہ صرف نفرت کے بیج بوئے بلکہ اُدھمپور، رام نگر، بسنت گڈھ، چنہنی، ریاسی، کالاکوٹ، سندربھنی، بھمبر، کٹھوعہ، سانبھا، رام گڈھ، بشناہ، آر ایس پورہ، میران صاحب، اکھنور، ہیرانگر، بسھولی، اسماعیل پور، گڈھ، پونی، چوکی چورہ، دیواوٹالہ، بھدرواہ، کشتواڑ، بٹوت اور رام بن وغیرہ

6. A. De. Mhaffe, P. 184.
7. Selected works of Jawaharlal Nehru 1984, Second series Vol. 4, P. 221.
8. M.Y. Saraf, Vol. ii, P. 814.
9. Ibid, P. 820.

میں مسلمان بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور عورتوں کا قتلِ عام بھی کیا۔ کئی مقامات پر مسلمانوں کی املاک نذرِ آتش کی گئی۔ اُدھمپور کے کٹرہ وزیران کو خاکستر کر دیا گیا اور وہاں کے سرکردہ مسلمان لیڈر کرنل عبدالرحمان اور اُدھمپور کے وزیر وزرات راجہ سرور خان کو بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ موخرالذکر جو کسگوم میرپور کے رہنے والے تھے، کو کچھ سنگھیوں نے بتایا کہ ادھمپور میں اب مسلمان محفوظ نہیں ہیں۔ اس لئے آپ کو راجہ چِنہانی نے پناہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ جب وہ چِنہانی کی طرف چل پڑے تو گھات میں بیٹھے سنگھیوں نے آپ کا کام تمام کیا۔ اسی طرح جب ہندوؤں کا ایک قافلہ میرپور سے ہجرت کر کے جموں جا رہا تھا تو راجہ سرور خان کے آبائی گاؤں کسگوم پہنچنے پر انہیں قتل کیا گیا[10]۔

ماہ اکتوبر میں مسلم کُش فسادات نے صوبۂ جموں کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ۲۰ر اکتوبر کو کٹھوعہ، سانبھاہ، ہیرانگر، راجپور، بدھی، خسیال اور اکھنور علاقوں میں نہتے مسلمان ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے۔ اسی روز بُلا ٹینک (کٹھوعہ) میں آٹھ ہزار لوگوں کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا[11]۔ سینکڑوں مکان نذرِ آتش کئے گئے اور درجنوں عورتیں اغواء کی گئیں۔ ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے کہ ۲۰ر اکتوبر کو جب مسلم کُش فسادات میں شدت آگئی تو ڈوگرہ حکمرانوں نے مسلمانوں کو پاکستان جانے کے لئے آمادہ کیا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اکھنور پُل کے نزدیک جمع ہوگئی۔ اچانک راشٹریہ سیوک سنگھ اور ڈوگرہ فوج نے چاروں طرف سے فائرنگ شروع کی۔ چند لمحوں میں ہزاروں افراد ابدی نیند سُلا دئے گئے۔ بھگدڑ اور خوف و ہراس کے ماحول میں سینکڑوں لوگ دریائے چناب کی نذر ہو گئے۔ اسکے علاوہ بے شمار لاشوں کو بھی دریا بُرد کیا گیا[12]۔ ایک تخمینہ کے مطابق

---

10. Interview with Krishan Dev Sethi by Yoginder Sikand, Kashmir Affairs, Security and Conflict Analysis of Kashmir, mht. internet.

11. Aziz Beg, 1957, Captive Kashmir, Lahore, P. 33.

۱۲۔ چودھری گل محمد اکھنور اسی سالہ بزرگ ہے جو ۱۹۴۷ء کا چشم دید گواہ ہے۔ اُس وقت اُس کی عمر بیس سال تھی۔ راقم نے یہ گفت و گو اکھنور میں ۱۲ر فروری ۲۰۰۸ء میں کی۔

اس حادثہ میں پندرہ ہزار لوگ مارے گئے۔۱۳

۲۳ را کتوبر کو دہشت گردانہ کاروائیوں سے بچنے کے لئے جموں کے دور دراز علاقوں خاص کر چورلی، پنڈوریال، گول گجرال، سرور، دیولی، بشناہ، مرالیہ، کھوڑ اور مکن پور سے آئے ہوئے تقریباً پچیس ہزار لوگ رنبیر سنگھ پورہ کے قریب میراں صاحب نامی قصبہ میں جمع ہو گئے۔ اُن پر بھی ڈوگرہ افواج اور سنگھی دہشت پسندوں نے بے تحاشہ فائرنگ کی۔ صرف دو سو لوگ بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۱۴۔ اسی روز کٹھوعہ کے بارہ ہزار افراد پر مشتمل ایک قافلہ کو کھیال کے مقام پر ڈوگرہ سپاہیوں اور سیوک سنگھ کے افراد نے موت کے گھاٹ اُتارا۔ اُدھمپور میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ درجنوں ملازمین جن میں سِول اور پولیس افسروں کی خاصی تعداد بھی شامل تھی، کو قتل کیا گیا۔ ۲۵ را کتوبر کو ہندو فرقہ پرستوں نے اُدھمپور میں نمازِ عید کے دوران حملہ کیا اور کئی افراد کو جن میں حبیب اللہ، اس کے دو بیٹے، داماد اور دو پوتے شامل تھے، کو شہید کیا گیا۱۵۔ چنڈال اور بڈھانہ قبیلے کے کئی افراد کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا اور سینکڑوں مکانات نذرِ آتش کئے گئے۔ ایسے ہی واقعات علاقہ رام نگر اور ریاسی میں وقوع پذیر ہوئے۔ ایک ہندو طالب علم جو ریاسی میں پیش آئے واقع کا چشم دید گواہ ہے کا کہنا ہے کہ بلوائیوں کی ایک جماعت نے مسلمانوں کو ریاسی کے پریڈ گراونڈ میں زبردستی جمع کر کے دھمکی دی کہ اُن کے بچنے کی صرف ایک صورت یہ ہے کہ اپنا مذہب چھوڑ کر ہندو مت قبول کریں۔ جن لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا انہیں گولی ماردی گئی۱۶۔ کہا جاتا ہے کہ اس ضلع میں تقریباً چار ہزار مسلمانوں کا قتل ہوا۱۷۔

۲۵ را کتوبر کو بھارتی حکومت کے ایلچی وی پی مینن نے جب مہاراجہ ہری سنگھ کے

---

13. Pakistan Times , Dec. 16, 1947, Lahore.
14. A. De. Mhaffe, P. 190.
15. Parvez Dewan, 2007, Jammu, New Delhi, P. 121.
16. Ibid, P. 122.
17. M.Y. Saraf, P. 811.

دل میں مسلمانوں اور قبائلی حملہ آوروں کا خوف بٹھا کر سرینگر سے بھاگنے پر مجبور کیا تو مہاراجہ اور مہارانی کے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ حد سے زیادہ تیز ہوگئی جس کا اندازہ ''آتشِ چنار'' کے اِس اقتباس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

''..........سرینگر سے بھاگ کر جوں ہی وہ (ہری سنگھ) رام بن پہنچے تھے تو انہوں نے پہلا فائر داغ کر ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانے کی مہم شروع کی تھی۔ وہ جب سفر کی تھکان دور کرنے کے لئے رام بن کے ریسٹ ہاؤس میں پہنچے تو انہوں نے چائے طلب کی۔ شومئ قسمت سے چائے لانے والا بیرا ایک مسلمان تھا اور اس کے سر پر رومی ٹوپی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی مہاراجہ کے منہ کا مزہ بگڑ گیا اور اُس نے چائے پینے سے انکار کر دیا''۔[۱۸]

مسلم آبادی کو جموں سے کھدیڑنے اور اُن کا قتل عام کرنے کے پیچھے مہارانی تارا دیوی کا بڑا ہاتھ تھا[۱۹]۔ اولڈ سیکٹریٹ (سرینگر) کے گداھر مندر کی طلائی مورتی گود میں لے کر جب مہارانی سرینگر سے فرار ہوئی تو بانہال پار پہنچتے ہی اُس نے سر سے دوپٹہ اُتارا اور اپنے چمکیلے لمبے گھنے بال خوبصورت چہرے اور ریشمی کپڑوں سے ڈھکی سیماآبی جسم پر پھیلا کر بقول ایک قلمکار کے چلانا شروع کیا کہ ''مسلمان غلاموں نے کشمیر ہم سے چھین لیا''[۲۰]۔ ایک مضمون نگار میر شاہد سلیم بحوالہ عینی شاہد چودھری عیسیٰ لکھتے ہیں کہ جب مہاراجہ ہری سنگھ کا قافلہ سرینگر سے جموں کی طرف فرار ہو رہا تھا تو راستے میں مہارانی اپنے حمایتیوں کو مسلمانوں سے انتقام لینے کی ہدایت جاری کرتی رہی اور نگروٹہ پہنچ کر مہارانی اور اس کے بھائیوں نے مُقامی راجپوت آبادی کو ہدایت دی کہ وہ پورے نگروٹہ کو تین روز کے اندر گوجر آبادی سے پاک کریں۔ اس مقصد کے لئے ڈوگرہ فوج کے اہلکار

۱۸۔ شیخ محمد عبداللہ، ۱۹۸۶ء، آتش چنار، سرینگر، ص ۴۳۳۔ اس کے علاوہ دیکھئے کشمیر عظمیٰ، ۷ نومبر ۲۰۰۷ء۔

۱۹۔ مذکورہ، ص ۴۳۵۔

۲۰۔ سیّد ین وقار، ''۶ر نومبر...... جب جموں زخم زخم ہوا''، کشمیر عظمیٰ، ۵ر نومبر ۲۰۰۷ء، سرینگر۔

تعینات کیئے گئے۔ یہ خبر پھیلتے ہی مسلمان گھر بار چھوڑ کر ریاسی کی جانب بھاگنے لگے۔ اُنہوں نے پنگالی نامی جگہ پر ڈیرہ ڈالا۔ اُن کا پیچھا ڈوگرہ فوج کر رہی تھی۔ جب وہ قافلے کے نزدیک پہنچے تو انہوں نے اعلان کروایا کہ مہاراجہ کا حکم ہے کہ تمام گوجر لوگ اپنے گھروں کو واپس آئیں تاکہ اُنہیں بحفاظت گاڑیوں کے ذریعہ پاکستان روانہ کیا جائے۔ چار یا پانچ سو لوگ اُن کے بہکاوے میں آکر نگروٹہ اپنے گھروں میں واپس آئے جو پہلے ہی لوٹ لئے گئے تھے۔ رات کے اندھیرے میں اس بستی کو آگ لگادی گئی جس میں سینکڑوں مسلمان زندہ جل گئے[۲۱]۔

فسادات اُس وقت اور بھڑک اُٹھے جب مہارانی اپنا منہ پیٹتی ہوئی اور واویلا کرتی ہوئی جموں شہر میں داخل ہوئی اور مسلمانوں کا صفایا کرنے کی خاطر انتہا پسند ہندوؤں میں مُہلک ہتھیار تقسیم کروائے[۲۲]۔ بعض ذرائع کے مطابق مہارانی ''تارا دیوی نے اعلان کیا کہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لئے ہر ہندو آزاد ہے''[۲۳]۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے۔

۲ رنومبر کو مہاسبھائی بلوائیوں نے تالاب کھٹیکاں کے انجینئر عبدالحمید اور سردار اکرم خان کے مکانوں میں تمام پناہ گزین مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا۔ خون کی اس ہولی نے پھر رُکنے کا نام نہیں لیا اور آناً فاناً یہ فسادات جموں کے شہر و دیہات میں آگ کی طرح پھیل گئے۔ اس خونِ آشام میں بعض قلمکاروں کے بقول اُس وقت مزید شدت آگئی جب ۴ رنومبر کو ہندوستان سے وزیر داخلہ سردار ولبھائی پٹیل، وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ اور مہاراجہ پٹیالہ جموں پہنچے اور مہاراجہ کے ساتھ خفیہ گفت وشنید کی۔ اُس کے ایک دن بعد تحصیلدار رنبیر سنگھ پورہ چودھری بھارت بھوشن نے اپنے علاقے کے تمام مسلمانوں کو باغِ آم جہاں تحصیل آفس واقع تھا یہ کہہ کر جمع ہونے کی مُنادی کرائی کہ اُن کی حفاظت کا بندوبست کیا گیا ہے۔ یہ اعلان سُنتے ہی لاتعداد مسلمان اُمڈ آئے۔ چند لمحوں کے بعد انتظار

---

[۲۱] میر شاہد سلیم، ''جب نگروٹہ میں مسلمانوں کو زندہ جلادیا گیا''، اطلاعات، ۸ رنومبر ۲۰۰۷ء، سرینگر۔
[۲۲] شیخ محمد عبداللہ، ۱۹۸۶ء، آتش چنار، سرینگر، ص ۴۵۱۔
[۲۳] کشمیر عظمیٰ، ۵ رنومبر ۲۰۰۷ء، سرینگر۔

میں بیٹھی ڈوگرہ فوج نے مجمع پر بے تحاشہ فائرنگ شروع کی۔ سینکڑوں مسلمان موقعہ پر ہی جاں بحق ہو گئے جن میں کئی بزرگ علماء خاص کر مولوی حیات محمد ساکنہ چوہالہ، مولوی عبداللہ اور حافظ تاج الدین بھی شامل تھے۲۴۔

اسی دوران جموں کے گورنر چیت رام چوپیڑہ کے حکم سے اعلان ہوا کہ تمام مسلمان ۵ر نومبر کو جموں کی پولیس لائنز (موجودہ دہلی پبلک سکول) میں ایک ٹرنک اور بسترہ لیکر جمع ہو جائیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی بھاری تعداد جمع ہوگئی جن کو چالیس ٹرکوں میں سوار کیا گیا اور جموں سے تیس کلومیٹر دور سانبھا میں ایک پہاڑی کے نزدیک سبھوں کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ لکھتے ہیں کہ شیر خوار بچوں کو اُن کی ماؤں کی گود میں نیزوں کی انی سے ہلاک کیا گیا۲۵۔ مُبصرین کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو ۵ر نومبر کے واقع کی بھنک آتی تو شاید ۶ر نومبر کا واقع پیش نہیں آتا۔ چنانچہ ۶ر نومبر کو صبح نو بجے ۲۵ ٹرکوں اور لاریوں کا ایک اور قافلہ رنبیر سنگھ پورہ کے راستے پاکستان روانہ ہوا۔ جب قافلہ میران صاحب پہنچا تو قافلے کو یہ کہہ کر بشناہ کا راستہ اپنانے کی ترغیب دی گئی کہ بلول پُل فسادیوں نے ناکارہ بنا دیا ہے۔ قافلے میں شامل ایک چشم دید گواہ چودھری شبیر احمد سلاریہ کہتا ہے کہ "جب ہم بشناہ کے گاؤں سے بابلیانہ پہنچے تو گاڑیاں روک لی گئیں۔ یکا یک گولیاں چلنے کی آواز آئی۔ بلوائیوں نے چاروں طرف سے ہلہ بول دیا۔ چھتوں پر سوار لوگ گولیاں کھا کر نیچے گرنے لگے۔ رہی سہی کسر تلوار اور نیزہ بردار سپاہیوں نے پوری کی۔ میں ایک جھاڑی کی طرف بھاگنے لگا جہاں ایک فوجی مشین گن سے فائرنگ کر رہا تھا۔ اُس نے مجھے دیکھا تو اپنی بندوق میری طرف موڑنے کی کوشش کی لیکن اُسے پہلے ہی بلوائی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میرا داہنا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور پشت پر تلوار سے گہرے زخم دئے۔ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ شاید مجھے مردہ سمجھ کر چل دیئے۔ جب ہوش آیا تو چاروں طرف لاشوں کے انبار

---

۲۴ میر شاہد سلیم، "جب آر ایس پورہ کے تحصیلدار نے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ کروایا"، اطلاعات، ۷ر نومبر ۲۰۰۷ء، سرینگر۔

۲۵ شیخ محمد عبداللہ، ۱۹۸۶ء، آتش چنار، سرینگر، ص ۴۲۸۔

دیکھے''۲۶۔ ایک اندازہ کے مطابق اس قافلے میں چار ہزار لوگ شامل تھے۔ جس میں چند سو ہی بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

جموں کے خون آشام میں کتنے لوگوں کو قتل کیا گیا، کتنے بے گھر ہوگئے، کتنی عورتوں کو اغواء کیا گیا اور ہجرت کرنے والے لوگوں کی تعداد کیا تھی۔ اس حوالہ سے مختلف اعداد و شمار سامنے آئے ہیں۔ اخبار ''دی ٹائمز'' کے مطابق ۱۹۴۷ء میں جموں میں دو لاکھ پینتیس ہزار مسلمان قتل کئے گئے ۲۷۔ جبکہ کئی پاکستانی محققین اس تعداد کو سینتیس ہزار کم بتاتے ہیں ۲۸۔ تریسٹھ سال گذرنے کے بعد سرینگر سے چھپنے والے ایک اردو روزنامہ اطلاعات نے اپنے اداریہ میں لکھا کہ ۱۹۴۷ء میں اڑھائی لاکھ مسلمان تہہ تیغ کئے گئے ۲۹۔ اس کے بعد یہی تعداد کشمیر کے ایک اور اردو اخبار کشمیر اعظمیٰ نے دہرائی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مارے گئے مسلمانوں کی تعداد ساڑھے تین لاکھ کے قریب تھی ۳۰۔ ایک پاکستانی مصنف کا کہنا ہے کہ صرف جموں کے علاقے میں کم از کم تین لاکھ مسلمان شہید ہوگئے ۳۱۔ بعض قلمکار یہ تعداد ایک لاکھ بتاتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ تعداد بیس سے تیس ہزار تک ہے ۳۲۔ ایک محقق اِن ہلاکتوں کی تعداد بیس سے بائیس ہزار تک لکھتا ہے ۳۳۔ انفرادی آراء کے باوجود جموں کے خونِ آشام کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا

۲۶۔ رحمت اللہ رونیال، ''۶ رنومبر کی دلدوز کہانی، چشم دید گواہ کی زبانی''، کشمیر عظمیٰ، ۶ رنومبر ۲۰۰۷ء، سرینگر۔

27. The Times, October 10, 1948, London.

28. The News, July 25, 2001, Pakistan.

۲۹۔ روزنامہ اطلاعات، ۲۲ رستمبر ۲۰۰۷ء، سرینگر۔

۳۰۔ یہ اعداد و شمار ۷ رنومبر کو بلائے گئے اُس تعزیتی اجلاس میں پیش کئے گئے جو ۱۹۴۷ء کے شہداء جموں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ جس کا اہتمام حریت کانفرنس (ع) ضلع پونچھ نے کیا تھا (مذکورہ تفصیلات کے لئے دیکھئے ۷ رنومبر ۲۰۰۷ء کا روزنامہ اطلاعات بھی)۔

۳۱۔ محمد حنیف شاہد، ۱۹۸۷ء، سوانح راجہ محمد سرور، لاہور، ص ۱۲۰۔

32. Dr. S. P. Vaid. 2002, How Partition Rocked Jammu and Kashmir, Jammu, P. 53.

33. Parvez Dewan , 2007, Jammu , New Delhi, P. 152.

گیا ہے۔ ڈاکٹر نوید لکھتے ہیں:

".....there worst massacre took place on November 6. 1947, when the buses carrying Muslim refugees towards Pakistan, were attacked near Miran Sahib in R.S. Pura tehsil. However, it is very difficult to make an estimate of the exact number of Muslims killed and others who were forced to leave the state"۳۴

جموں میں جو مسلمان عورتیں اغواء کی گئیں، اُن کی صحیح تعداد کے بارے میں متضاد بیانات ملتے ہیں۔ اِن کی تعداد ایک ہزار سے لے کر تین ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ ایک پاکستانی محقق کے بقول جموں سے تقریباً پانچ سو عورتیں اغواء ہوئی تھیں ۳۵۔

جہاں تک بے گھر ہوئے افراد کا تعلق ہے تاریخ میں اس موضوع کو نہ ہونے کے برابر جگہ ملی ہے۔ تاہم مورخین کی بلاواسطہ آروں سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ دوران فسادات جموں کی بیشتر آبادی یا تو عارضی طور دوسری جگہوں پر منتقل ہوگئی تھی یا اس کو سرے سے ہی ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ شیخ محمد عبداللہ رقم طراز ہیں:

''جموں میں مسلمانوں کے چند ہی گھر ایسے بچ گئے جو اپنی جگہ نہیں اُکھڑے''۳۶۔

رہی بات اُن لوگوں کی جنہیں جموں چھوڑنے اور دیارِ غیر میں رہنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اُن لوگوں کی صحیح تعداد کے بارے میں بھی مورخین کے درمیان اختلاف ہے۔ ان کی تعداد دو لاکھ، تین لاکھ، چار لاکھ، حتیٰ کہ پانچ لاکھ بھی بتائی جارہی ہے ۳۷۔ تاہم بعض محقق دعویٰ کررہے ہیں کہ ہجرت کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ تریاسی

---

34. Dr. S.P. Vaid, PP. 52-53.

۳۵۔ محمد فاروق قریشی، ۱۹۸۷ء، ولی خان اور قرارداد پاکستان، لاہور، ص ۱۲۵۔

۳۶۔ شیخ محمد عبداللہ، ۱۹۸۶ء، آتش چنار، سرینگر، ص ۴۵۱۔

37. Parvez Dewan, 2007, Jammu, New Delhi, P. 152.

(183000) ہزار سے زیادہ نہ تھی ۳۸۔

بہر حال ۱۹۴۷ء میں جب ہر طرف انسانیت کا جنازہ اُٹھ رہا تھا۔ حیوانی اور درندہ خصائل لوگ اقلیتوں کا جینا حرام کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ گھر اُٹے جا رہے تھے۔ مکانات کو آگ لگائی جا رہی تھی اور عورتوں کو اغواء کیا جا رہا تھا تو اس کربلائی صورتحال اور خونچکان حالات میں بھی جموں کے کئی چھوٹی بڑی ذی عزت شخصیات مسلمانوں کے مصائب ومشکلات دور کرنے کی کوشش میں نظر آ رہے تھے۔ ان میں سردار بُدھ سنگھ، رام پیارا اصراف، موتی رام بیگڑہ، سرداری لال مہاجن، بخشی ہردت، اندر جیت ملہوترہ، کرشن دیو کٹھوعہ، ڈاکٹر کرم چند کٹھوعہ، بھگت رام ریاسی، مہنت رام بسولی، بدری ناتھ بسولی، سردار فقیر سنگھ، لالہ امرناتھ اُدھمپور اور گرداری لال ڈوگرہ کے نام نہ صرف قابل ذکر ہیں بلکہ قابل فخر بھی۔ سردار بدھ سنگھ اور ہندوستان کی ممتاز سماجی کارکن مس مردولا سارا بائی نے اغواء شدہ مسلمان عورتوں کی بازیافت کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ جموں اسپتال کے میڈیکل سُپر انٹیڈنٹ ڈاکٹر پرتاپ سنگھ نے مسلمان بیماروں اور زخمیوں کے علاج کے لئے ڈِگیانہ میں ایک طبّی کیمپ قائم کیا۔

پاکستان مظفر آباد، کوٹلی اور میر پور وغیرہ سے بھاگ کر جو غیر مسلم جموں پہنچے تھے، اُن میں سے کئی سرکردہ اشخاص نے جموں کے مُسلم کُش فسادات اور مسلمانوں کی ہجرت کو نہ صرف روکنے کی ہر ممکن کوشش کی بلکہ اُن کی باز آبادی کاری کے لئے بھی کام کیئے۔ اِن میں خاص طور سے بلراج پوری، کامریڈ کرشن دیو سیٹھی اور شانتا بھارتی ۳۹ شامل ہیں۔ میر شاہد سلیم بحوالہ شانتا بھارتی لکھتے ہیں کہ "جب امرتسر، پٹیالہ اور پنجاب کے

---

۳۸ محمد حنیف شاہد، ۱۹۸۷ء، سوانح راجہ محمد سرور، لاہور، ۱۲۰۔

۳۹ شانتا بھارتی لاہور میں ۱۹۲۵ء پیدا ہوئی۔ ۲۲ ربرس کی عمر میں وہ اگست ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات سے بھاگ کر جموں پہنچی لیکن یہاں بھی قسمت نے یاوری نہ کی بلکہ ان کے پہنچنے کے چند ہفتوں بعد ہی جموں بھی خاک وخون کی گھٹا ٹوپ اندھیروں کی نذر ہوگیا۔ ان کی بھابھی کو قبائلیوں نے سرئیں سر کے مقام پر ہلاک کر دیا تھا لیکن پھر بھی اُس کے دل میں انسانی ہمدردی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ ۱۹۷۲ء میں نگروٹہ جموں اسمبلی حلقے سے کانگریس کی منتخب ممبر اسمبلی تھی۔

دوسرے مقامات سے بلوائی جھتے مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے لئے جموں پہنچ رہے تھے تو پاکستان اور آزاد کشمیر سے ہجرت کر کے آئے کچھ لوگوں نے جموں کے روشن ضمیر ہندوؤں جن کی قیادت ایک نامور شخصیت اوم صراف کرر ہے تھے، کے ساتھ مل کر نجی ہوم گارڑ بنائی جس کا مقصد مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ اس تنظیم میں سینکڑوں ہندو نوجوان مرد اور خواتین شامل ہو گئیں۔ شانتا بھارتی کو مسلمانوں کی حفاظت کرنے کی پاداش میں کئی بار بلوائیوں اور ڈوگرہ فوج کے حملوں کا سامنا کرنا پڑا اور اُن کے کئی ساتھی بُری طرح زخمی ہو گئے [۴۰]۔ شانتا بھارتی نے ہوم گارڑ کی مہلا منڈل بھی تشکیل دی۔ اس منڈل نے پکا ڈنگا میں متاثر خواتین کا ایک کیمپ قائم کیا گیا جہاں تقریباً ڈیڑھ ہزار لاوارث عورتوں کے قیام وطعام کا انتظام ہوتا تھا۔



قدرتس بیوٗن بیوٗن تھٲوِنۍ یوٗد آسہٕ ہن مِلت تہٕ قوم
پرٛتھ اُکس بیوٗن بیوٗن زمیٖنا آسمانا آسہِ ہے
(عبدالاحد آزاد)

---

[۴۰] ماخوذ از "نجی ہوم گارڈ: اندھیروں میں انسانیت کی شمع فروزاں"، روزنامہ اطلاعات، ۹ رنومبر ۲۰۰۷ء، سرینگر۔

شیخ محمد عبداللہ کو قتل کرنے کی سازش

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کشمیر کو اپنا پانچواں صوبہ بنانے میں جہاں حکومتِ پاکستان اور وہاں کے سیاستداں اپنی غیر موثر حکمت عملی کی وجہ سے مہاراجہ کشمیر کو ہمنوا بنانے میں بری طرح ناکام ہو گئے وہیں شیخ محمد عبداللہ کا ''نیا کشمیر'' ایجنڈا بھی اُنہیں قبول نہ تھا۔ مشاہدے میں آیا ہے کہ لیگ کے عہدہ داروں کو شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ معاملات طے کرنے میں صلاحیت کا فقدان آڑے آرہا تھا۔ لیگ کے خیال میں کشمیر کو ہتھیا لینے میں شیخ محمد عبداللہ سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ اس لئے انہوں نے شیخ صاحب کو ہی راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔ حکومت ''آزاد کشمیر'' کے سابقہ پبلک ریلیشنز ڈائریکٹر شری جی کے ریڈی اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

> "It is true that several attempts have been made to send some dare-devil fanatics to Kashmir to assassinate Sheikh Abdullah...."[1]

شیخ عبداللہ کو قتل کرنے کی ذمہ داری راولپنڈی کے کمشنر کو سونپی گئی۔ کمشنر موصوف کسی ایسے کشمیری کی تلاش میں رہے جو وادیٔ کشمیر یا جموں جا کر شیخ محمد عبداللہ کو گولی مار کر ہلاک کردے۔ لیکن کوئی بھی کشمیری اِس کام کے لئے تیار نہیں ہوا۔ کچھ وقت کے بعد مذکورہ کمشنر نے کھلے عام منادی کرائی کہ شیخ محمد عبداللہ کا قتل کرنے والے کو بیس ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اِس کے باوجود بھی وہ کسی کشمیری کو اس کام کے لئے آمادہ نہ کر سکے۔ روپیوں کی لالچ میں آ کر چند پنجابی مسلمان اگرچہ اس کام کے لئے آگے آئے لیکن کمشنر صاحب ان کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ اس دوران فریضۂ حج ادا کر کے سعودی عرب سے جو کشمیری حاجی صاحبان راولپنڈی پہنچنے لگے تھے، کمشنر مذکور نے اُن کو بھی طرح طرح کی لالچ دیکر شیخ محمد عبداللہ کو قتل کروانے کی بہت کوشش کی۔ مگر کوئی بھی

1. G.K. Reddy, 1948, The Great Conspiracy, Bombay, P. 27

کشمیری حاجی اس کام کے لئے آمادہ نہ ہوا۲؎۔

پاکستان میں مقیم برما کے سفیر یو پی۔کن ایک سازش کا انکشاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اُس وقت ایبٹ آباد میں موجود تھے جب راولپنڈی سے بذریعہ ٹیلیفون اطلاع ملی کہ شیخ محمد عبداللہ کو قتل کرنے کے منصوبہ کو حتمی شکل دی گئی ہے۔جس کے مطابق شیخ صاحب کا پونچھ جانے والا ڈکوٹہ گرانے کے لئے Terific Barrage تیار رکھا گیا ہے۳؎۔کن کو یہ بھی اطلاع مل چکی تھی کہ سازش کو منطقی انجام تک پہنچانے کی غرض سے جدید قسم کے ہتھیار پونچھ پہنچائے جارہے ہیں۔تاہم اس منصوبہ کو عملی جامہ نہ پہنایا جاسکا۔پاکستانیوں کی شیخ دُشمنی کا اظہار اس واقع سے بھی ہوجاتا ہے کہ جب غلام محمد صادق،بخشی غلام محمد اور چودھری محمد شفیع الحاق پر بات چیت کرنے کے لئے لاہور پہنچ گئے تو مسلم لیگی کارکنان نے کشمیری وفد کے خلاف نہ صرف شدید ترین مظاہرہ کیا بلکہ شیخ محمد عبداللہ کو قتل کی دھمکی بھی دی۔آزاد لکھتے ہیں:

> ''............اتنا ہی نہیں بلکہ شیخ محمد عبداللہ کی ماں بہن کو کھری کھری سُنائی اور اعلان کیا کہ کشمیر پر قبضہ کرنے کے بعد اُس غدار کو شاہی قلعہ کے دروازے پر پھانسی دی جائے گی......''۴؎۔

اسی طرح کئی اور سازشیں بھی رچی گئیں۔مثلاً نوشہرہ کے بزازوں نے شیخ محمد عبداللہ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی سازش رچائی۔لیکن یہ سازش چالیس منٹ پہلے ہی بے نقاب ہوئی ۵؎۔قتل کی ایک ایسی ہی سازش اس وقت تیار کی گئی جب شیخ محمد عبداللہ ۸/اگست ۱۹۵۳ء کو سرینگر سے گلمرگ جارہے تھے کہ راستے میں اُن پر گھات لگا کر حملہ کرنے

---

2. Ibid, P.27
3. Ibid, P.19

۴؎ عباس آزاد،2009ء،میرا پیام اور ہے،کراچی،ص،۴۴-۴۵

۵؎ ان باتوں کا انکشاف غلام احمد بزاز ساکنہ بمنہ،شیخ محمد اسماعیل وغلام احمد راتھر ساکنہ کرالہ پورہ چاڈورہ نے راقم کے ساتھ آج سے پچیس برس قبل ایک غیر رسمی بات چیت کے دوران کیا۔جب ہم موخرالذکر کے گھر پر ٹھہرے تھے۔ان آراؤں کی تصدیق نیشنل کانفرنس کے جنرل سیکریٹری شیخ نذیر احمد نے راقم الحروف کے ساتھ ایک رسمی گفت وشنید کے دوران 9۔دسمبر 2010ء کو سرینگر میں کی۔

والے نے گولی چلانے کا ارادہ اچانک بدل دیا۔۶۔ اس سازش کے بارے میں شیخ محمد عبداللہ کے فرزند ڈاکٹر مصطفٰے کمال کہتے ہیں:

"۸ر اگست ۱۹۵۳ء کو شیخ محمد عبداللہ گلمرگ جارہے تھے۔ نار بل کے مقام پر دشمنوں نے ایک کٹر نیشنل کانفرنسی کارکن عبدالغفار عُرف "غوفُر گور" کو شیر کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے تیار رکھا تھا۔ شیخ صاحب کی عادت تھی کہ وہ سورج غروب ہونے کے بعد سفر کے دوران گاڑی سے جھنڈا اُتار دیتے تھے۔ اس لئے غوفر گورو کو یہ پتہ نہ چل سکا کہ شیخ صاحب کس گاڑی میں سوار تھے جسے نشانہ بنانا تھا"۷۔

اس طرح شیخ محمد عبداللہ ان تمام حملوں وغیرہ میں معجزاتی طور محفوظ رہے۔



۶۔ ان باتوں کی راز افشانی برزلہ باغات کے میرے محقق و نقاد دوست ڈاکٹر شیخ طلال نے آج سے آٹھ برس پہلے کی تھی۔ جس کی تصدیق بعد میں ڈاکٹر مصطفٰے کمال نے بھی کی ہے۔

۷۔ ڈاکٹر مصطفٰے کمال: انٹرویو 14 جولائی 2011ء سرینگر

کشمیری قائدین اور پاکستانی رویہ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ۱۳۲۰ء سے لیکر دور حاضر تک کسی بھی حکمران نے کشمیریوں کو اعتماد میں لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی ۔رینچن کشمیر کے تختِ شاہی پر بیٹھا لیکن شب خون مار کر شہمیر بادشاہ بنا۔مگر مقامی عہدہ داروں کو ہٹا کر۔مغلوں نے شیعہ سُنی فسادات کروا کر کشمیر پر قبضہ کیا۔افغانوں اور سکھوں نے طاقت کے بل پر کشمیر کو اپنے ماتحت کیا۔جبکہ ڈوگروں نے مردم سمیت کشمیر کا ذرہ ذرہ خرید کر اس پر مالکانہ حقوق حاصل کئے۔اسی طرح ۱۹۴۷ء میں پاکستان نے مسلم کانفرنس جیسی پاکستان حامی تنظیم کو اہم مشوروں اور فیصلوں سے دور رکھا۔اس تنظیم نے ابتداء سے ہی کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرانے کی منظّم تحریک چلائی تھی۔جس کے روح رواں چودھری غلام عباس خان،عبدالقیوم خان،سردار محمد ابراہیم خان،مولوی محمد یوسف شاہ،خواجہ غلام الدین وانی، چودھری حمیداللہ خان اور محمد یوسف قریشی تھے۔۱۲؍ستمبر ۱۹۴۷ء کو جب پاکستانیوں نے ملک کشمیر پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تو مذکورہ لیڈروں کے ساتھ صلح ومشورہ کرنا انہیں گوارا نہ ہوا۔مولوی محمد یوسف شاہ اور الحاق پاکستان کے سب سے بڑے حامی سردار محمد ابراہیم خان سمیت سبھی لیڈران اُن دِنوں پاکستان میں موجود تھے۲۔مؤخرالذکر کے تئیں پاکستانی رویہ کے بارے میں صراف لکھتے ہیں:

> "Even Sardar Ibrahim, then chief whip of the parliamentary group who was already in Pakistan and whose unmistakably poised for a leading role, was not invited" ۔۳

---

1. Mirdu Rai, 2004, Hindu Rulers, Muslim subjects, Delhi, P.4
2. M.Y. Saraf, Vol. 2, P. 861. Historical Diary, 1885-1947 by Noor Mohd. , P. 842-843.
3. M.Y. Saraf. P. 861.

پاکستان نے سردار محمد ابراہیم خان کے ساتھ مشورہ کرنے کی زحمت گوارہ کیوں نہیں کی۔ ممکن ہے کہ اس کے چند وجوہات ہو سکتے تھے۔ ایک یہ کہ مسلم کانفرنس کا اثر ملکِ کشمیر خاص کر وادی میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ جس کا اعتراف سردار ابراہیم خان مندرجہ ذیل الفاظ میں خود کرتے ہیں۔

"The Muslim Confrence organisation was much weaker in Srinagar and throughout the valley ۴

پاکستان کا رویہ سردار محمد ابراہیم خان ۵ کے ایک اور بیان سے یوں مزید واضح ہو جاتا ہے:

''اس نے یہاں امیر الدین سے ملاقات کی اور اس کے ذریعہ قائد اعظم محمد علی جناح سے ملاقات کرنے کی کوشش کی تا کہ انہیں کشمیر کی تازہ صورتحال سے آگاہ کیا جا سکے......لیکن قائد اعظم نے مجھے ملاقات کا موقعہ نہ دیا......اُس کے بعد میں نے راجہ غضنفر علی خان کے ذریعہ ملاقات کی کوشش کی لیکن وہ بھی ناکام ہوا......میں پورے ایک ہفتہ تک مختلف سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں سے ملاقاتوں میں مصروف رہا تا کہ کسی طرح کشمیری حریت پسندوں کی عملی امداد کرنے کے لئے کوئی صورت پیدا ہو سکے مگر مجھے ہر جگہ ناکامی کا ہی سامنا کرنا پڑا......'' ۶

اسی طرح مسلم لیگ اور پاکستان کی اعلیٰ قیادت نے شیخ محمد عبداللہ کو بھی اعتماد میں لینے کی کبھی مخلص کوشش نہیں کی۔ لیگ سے وابستہ جن لوگوں کو جب کبھی شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت کرنے کا خیال آیا، تنظیم میں اُن کی اہمیت کوئی خاص نہ تھی۔ لیگ کے

4.Sardar M. Ibrahim Khan, 1965, The Kashmir Saga, Lahore, P.55.

۵ سردار ابراہیم خان ۱۹۱۵ء میں ریاست پونچھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں انگلستان سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور سرینگر میں وکالت شروع کی۔ ۱۹۴۷ء میں ریاستی اسمبلی کے رکن بنے۔ آپ قبائلی حملے سے پہلے ہی سرینگر سے فرار ہو کر مری پہنچے۔ جہاں مہاراجہ کے خلاف مزاحمتی تحریک شروع کی۔ قیام پاکستان کے بعد آزاد کشمیر کے اُس حصے کا صدر چُنا گیا جس پر پاکستان نے قبضہ کیا تھا۔

۶ سردار محمد ابراہیم خان، [illegible]ء، کشمیر کی جنگ آزادی، لاہور، ص ۱۰۱-۱۰۲۔

ایک ثالث میاں افتخارالدین نے جب بڑی مشکل سے شیخ محمد عبداللہ کو ۲۹ ستمبر ۱۹۴۷ء میں رہا ہونے کے فوراً بعد بات چیت کی غرض سے خفیہ طور پاکستان پہنچایا تھا تو قائداعظم نے شیخ صاحب کے ساتھ بات چیت کرنے سے انکار کر دیا۔ حواس باختہ ہو کر جب میاں نے یہ خبر شیخ محمد عبداللہ کو سُنائی تو ان کا جواب یہ تھا:

" I came here at your persuation; true, you are all Pakistani, but i am also a Kashmiri"ے

لیگ کے رہنماؤں نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کشمیری لیڈروں کو بات چیت کرنے کے لئے پھر آمادہ کیا لیکن پاکستانی حکام حسب سابقہ نہ صرف وفد سے دور رہے بلکہ لاہور چیرنگ کراسنگ کے قریب ان کو پکڑ کر اتنا مارا پیٹا گیا کہ وفد کے ایک رکن کے سارے دانت ٹوٹ گئے ۸۔ اگر بلقیس تاثیر کے بیان کو صحیح مان کر چلیں تو لیاقت علی خان کے بقول جناح صاحب شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ بات چیت کرنے کے حق میں نہیں تھے ۹۔ اسی طرح جب ۱۹۶۵ء میں وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو، کیبنٹ سیکریٹری جناب عزیز احمد اور جناب نذیر احمد کے کہنے پر صدر پاکستان ایوب خان نے ہندوستان کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا تو کشمیر کے آر پار لوگوں کو اعتماد میں نہیں لیا گیا ۱۰۔ اطلاع ہے کہ جب پاک مقبوضہ کشمیر کے سابقہ صدر جناب کے ایچ خورشید نے ایک نجی محفل میں یہ سوال اُٹھایا کہ پاکستان نے کشمیریوں سے مشورہ کئے بغیر جنگ کا اعلان کیوں کیا تو یہ بات پاکستانی حکام کو ناگوار گذری۔ انہوں نے وقت ضائع کئے بغیر خورشید صاحب کو راولپنڈی میں گرفتار کر لیا اور اُنہیں دلائی کیمپ میں مقدمہ چلائے بغیر قید ہی میں رکھا گیا ۱۱۔ تاہم یہ بات سمجھ سے بالاتر معلوم ہوتی ہے کہ اس جنگ کے تین ترجمانوں میں دو کشمیریوں کو کیوں کر شامل کیا گیا۔ جس میں مولوی محمد یوسف شاہ، ترجمان برائے پاکستان اور شیخ محمد عبداللہ

---

7. C. Bilqees Taseer P. 301.

۸۔ عباس آزاد، ص ۴۴-۴۵۔
۹۔ سی بلقیس تاثیر، ص ۵۳۔
۱۰۔ مسئلہ کشمیر، آج، کل اور آج، ص ۳۲۔
۱۱۔ مذکورہ، ص ۳۲۔

کے فرزند طارق عبداللہ ماباقی دنیا کے لئے ترجمان اعلیٰ مقرر کئے گئے تھے[۱۲]۔ مبصرین کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ یہ محض ایک سیاسی تماشا تھا۔ ورنہ مندرجہ بالا واقعات سے یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ پاکستانی حکام کشمیری قائدین کو ابتداء سے ہی کسی خاص وجہ سے لائق احترام نہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے محمد یوسف صراف کشمیریوں کے تئیں روا رکھی گئی سیاسی پالیسی کو اس کشمیری مقولہ سے تعبیر کرتے ہیں:

یِس کورِ خاندر، سو کؤ رلو برن   چو برن گُری تو مأنزے راتھ[۱۳]

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ شعر کا دوسرا بند عمومی طور اس طرح بیان کیا جاتا ہے جو زیادہ موقع و محل، موزوں اور صحیح ہے:

نچھے چو برن مأنزے راتھ

اس صورتحال سے کشمیری قوم آج بھی دوچار ہے۔ اور کل بھی رہے گی۔ وجوہات وہی ہونگے جو سات سو سال پہلے یا ۱۹۴۷ء میں تھے۔



---

[۱۲] مذکورہ، ص ۳۲۔

[۱۳] محمد یوسف صراف، ص ۸۶۱۔

مہاراجہ ہری سنگھ، شیخ محمد عبداللہ اور الحاق

۲۹ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو جب شیر کشمیر رہا ہوئے تو مہاراجہ سے اقتدار چھوڑنے کی مانگ کی۔ انہوں نے الحاق کی باتیں کرنے والوں پر واضح کر دیا کہ جب تک کشمیریوں کو شخصی راج سے آزادی نہیں ملے گی تب تک نہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کی بات ہو سکتی ہے اور نہ پاکستان کے ساتھ[1]۔ اُن کا کہنا تھا:

> ''الحاق کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ اہمیت اگر ہے تو وہ آزادی کی۔ ہم کسی کے ساتھ بطور غلام شامل ہونا نہیں چاہتے ہیں۔ میں حکومت ہندستان اور پاکستان کو خبردار کرتا ہوں کہ اگر مہاراجہ ان دو ملکوں کے ساتھ ریاستی عوام سے پوچھے بغیر الحاق کرے گا ہم اس کے خلاف بغاوت کریں گے''[2]۔

برصغیر کے بدلتے سیاسی حالات میں شیخ محمد عبداللہ کا نعرہ ''الحاق سے آزادی'' ہندوستان اور پاکستان کے مفاد میں نہیں تھا۔ بھارت کی خواہش تھی کہ اگر مہاراجہ کشمیر، الحاق کے لئے راضی ہو جائیں تو شیخ عبداللہ کا دعویٰ کمزور پڑھ جائے گا۔ پھر اُن سے نمٹنا آسان ہوگا۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے انہیں عبداللہ ازم سے بے حد نفرت تھی۔ وہ اُن کا نام سننے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔ جبکہ مہاراجہ کشمیر پاکستان کے ساتھ بات کرنے میں راحت محسوس کر رہا تھا۔ لیکن پاکستانی ایلچیوں کی ناتجربہ کاری نے مہاراجہ ہری سنگھ کو، شش و پنج میں ڈال دیا۔ جب مہاراجہ نے ہندوستان کے ساتھ معاملات طے کرنے شروع کئے تو مشکلات نے یہاں بھی گھیر لیا۔ وہ ہندوستان سے ضمانت چاہتا تھا کہ اپنے مستقبل کا فیصلہ لینے سے پہلے انتظامی اختیارات شیخ عبداللہ کو منتقل کرنے کے لئے اُسے مجبور نہ کیا جائے اور نہ ہی اُسے ریاست میں قانونی، زرعی اور اقتصادی

1. Sisir Gupta, 1966, Kashmir - A Study in India - Pakistan Relations, New York, P. 102.

۲۔ روزنامہ خدمت، سرینگر، ۹ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

اصلاحات کی توقع رکھی جائے[3]۔ سردار پٹیل کی خواہش تھی کہ برصغیر میں انتقال اقتدار کے موقع پر ریاست جموں و کشمیر میں ہندو مہاراجہ ہری سنگھ کے بجائے مسلمان شیخ محمد عبداللہ برسر اقتدار نہ آنے پائیں[4]۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سرحدوں پر زبردست تناؤ تھا۔ اِن حالات میں مہاراجہ ہری سنگھ انتظامی اختیارات شیخ عبداللہ کو سونپنے کے لئے بالکل تیار نہیں تھے۔ انہیں شیخ عبداللہ پر کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ وہ ریاست کے مستقبل کے حوالہ سے کون سے سیاسی گل کھلائیں گے[5]۔ مہاراجہ کو یقین تھا کہ شیخ عبداللہ کو اقتدار سونپنے کے بعد ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک میں پھر سے جان آسکتی ہے۔ اور اس طرح شیخ محمد عبداللہ زبردست طاقتور بن جائیں گے[6]۔ اقتدار کی منتقلی سے انکار کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مہاراجہ کو اعتماد تھا کہ اس کی فوجیں کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتے ہیں[7]۔ دریں اثناء مہاراجہ نے شیخ عبداللہ کو سٹیٹ پیوپلز کانفرنس کی صدارت سے روکنے کی کافی کوشش کی جس کے وہ ۲۷ رستمبر ۱۹۴۶ء میں صدر منتخب ہوئے تھے[8]۔ مہاراجہ ہرگز اس حق میں نہیں تھے کہ شیخ عبداللہ کشمیر سے باہر جائیں۔ وہ باخبر تھے کہ شیخ اور نہرو کے گہرے تعلقات ہیں۔ اس لئے اُن کا دلی جانا ٹھیک نہیں ہوگا[9]۔ تاہم مرکزی سرکار کے ''ایجنٹ'' مہر چند مہاجن نے کانگریس کے کہنے پر مہاراجہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ شیخ صاحب کو ریاست کے باہر جانے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ ۱۵ را کتوبر ۱۹۴۷ء کو شیخ محمد عبداللہ دلی روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچتے ہی انہوں نے ایک بیان کے ذریعہ اس بات کی پھر

---

3. C. Dasgupta, 2002, War and Diplomacy in Kashmir 1947-48, P.36.

۴۔ زاہد چودھری، جلد ۳، ص ۱۳۸۔

5. H. L. Saxena, 1975, The Tragedy of Kashmir, New Delhi, PP. 401- 493.

6. Mehrchand Mahajan, 1963, Looking Back, New Delhi, P. 129.

7. Major K. Brahma Singh, 1990, History of Jammu and Kashmir Rifles 1820-1956, New Delhi, P. 232.

۸۔ روزنامہ خدمت، ۲۷ رستمبر ۱۹۴۶ء۔

9. Looking Back, P. 129.

وضاحت کی کہ ''جب تک ہمیں آزادی نہیں ملے گی تب تک ہم کسی ڈومین میں شامل نہیں ہونگے''[10]۔ ۲۰ / اکتوبر ۱۹۴۷ء کی شب کو شیخ عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ اور غلام محی الدین قرہ نے دہلی میں گاندھی جی، جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، رفیع احمد قدوائی، مولانا ابوالکلام آزاد، دیوان چمن لال، جے پرکاش نارائن اور کامریڈ پی سی جوشی سے ریاست کی سیاسی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔ بات چیت کے دوران مذکورہ لیڈروں نے شیخ عبداللہ پر حد سے زیادہ دباؤ ڈالا کہ وہ کشمیر کی رائے عامہ الحاق ہند کے لئے ہموار کریں۔ ردِعمل کے طور شیخ صاحب نے صاف کہہ دیا تھا کہ الحاق پر تبھی بات ہوسکتی ہے جب اقتدار عوام کو سونپا جائے گا[11]۔ تاہم ایام گردش نے کچھ اور ہی گل کھلائے کہ قبائلی حملے کے باعث مہاراجہ ہری سنگھ کو ۲۶ / اکتوبر کی رات کو کشمیر سے بھاگنا پڑا۔ اور ''ایمرجنسی حکومت'' معجزاتی طور نیشنل کانفرنس کے ہاتھ آگئی۔ اس پس منظر میں شیخ عبداللہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ''انہوں نے کشمیر کا تاج دھول سے اٹھایا ہے۔ اس لئے ہم ہندوستان کے ساتھ الحاق کریں یا پاکستان کے ساتھ، بعد کا سوال ہے۔ پہلے ہمیں مکمل آزادی ملنی چاہئے''[12]۔ جہاں تک مہاراجہ ہری سنگھ پر لگنے والا الزام کہ وہ قبائلی خوف سے بھاگ نکلے تھے، سراسر بہتان ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ بھاگ نکلنے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے تھے بلکہ انہیں وی پی مینن نے بھاگنے پر مجبور کیا تھا[13]۔ اس واقع کی تصدیق مہاراجہ ہری سنگھ کے اے، سی، ڈی، کیپٹن دیوان سنگھ یوں کرتے ہیں:

> ''وی پی مینن ۲۵ / اکتوبر کو سرینگر پہنچے۔ اس نے پریشان حالت میں مہاراجہ سے کہا کہ آپ کا سرینگر میں رہنا احمقانہ پن ہوگا۔ حملہ آور نزدیک پہنچ چکے ہیں۔ وہ آپ کو گرفتار کرکے کوئی بھی بیان دلوائیں گے۔ اس لئے

۱۰۔ تاریخ کشمیر کی روزنامہ ڈائری، ص ۸۲۶۔
۱۱۔ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۸ ۱۲۔

12. Sheikh Abdullah, Then and Now, p. 91.
13. Letter from the Maharaja Hari Singh to Sardar Patel, 13th January 1948, 19480131, Internet.

مہاراجہ سرینگر سے بھاگ نکلنے کے لئے مجبور ہو گئے'' ۱۴۔

مہاراجہ کے فرار ہوتے ہی وادیٔ کشمیر میں ایک مخصوص گروہ نے بدامنی پھیلائی۔ نیز لوٹ مار اور خوف و دہشت کا بازار گرم کیا۔ لوگ افراتفری کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ ریڈیو پاکستان وقفہ وقفہ سے اعلان کرتا رہا کہ قبائلی لشکر شہر سرینگر کے دروازے پر چند لمحوں میں دستک دینے والا ہے۔ وہ سرینگر کو فتح کر کے وہاں پاکستانی پرچم لہرائیں گے۔ اس بیچ سرینگر کے اُن پائین علاقوں میں قبائلیوں اور پاکستان کے حق میں اور نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کے خلاف جلسے اور جلوس نکالے گئے جو زیادہ تر مولوی محمد یوسف شاہ کے دائرہ اثر میں تھے۔ اس ماحول کو مظفر آباد اور بارہمولہ کے خونین واقعات نے اور بھی گھناؤنا بنادیا۔ جسے نہ صرف کشمیری ہندو سہم گئے بلکہ نیشنل کانفرنس قیادت بھی قبائلیوں کی انسانیت سوز حرکات سے انتہائی پریشان ہوئی۔ فرقہ وارانہ اور تنظیمی فسادات کو روکنے اور امن وامان بحال کرنے کے لئے شیخ محمد عبداللہ نے بخشی غلام محمد کی قیادت میں بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک پیس بریگیڈ قائم کیا جو فوری طور نہ صرف سرکاری عمارتوں اور پُلوں کی نگرانی کرنے لگا۔ بلکہ لوگوں کو حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کرتا رہا۔ مہاراجہ کے جانے سے شخصی راج کا خاتمہ تو ہوا لیکن ملک کے بھی ٹکڑے ہوئے۔ قبائلیوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے مہاراجہ نے ہندوستان سے فوجی امداد کی درخواست کی۔ جس کے لئے وہ پہلے ہرگز تیار نہ تھے۔ حالانکہ گاندھی جی، نہرو، پٹیل، ماؤنٹ بیٹن، اسمے اور مہر چند مہاجن نے مہاراجہ کو الحاق کے لئے آمادہ کرنے کی بے حد کوشش کی تھی۔ موقع کا فائدہ اُٹھا کر مہاراجہ سے بدلہ لینے کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے گورنر ہند کے بجائے تاج برطانیہ کے ایجنٹ کا کردار نبھایا۔ انہوں نے تب تک فوجی امداد دینے سے انکار کیا۔ جب تک کشمیر کا ہندوستان کے ساتھ باضابطہ الحاق نہ ہو جائے۔ فوجی امداد میں تاخیر کرانے کا واحد مقصد قبائلیوں کو آگے بڑھنے کا موقعہ فراہم

14. Captain Dewan Singh, Interview, Jammu, 11 April, 1994, Cited in Victoria Schofield, 2004, Kashmir in Conflict, New Delhi, P.53.

کرنا تھا۔لیکن وہ اس سنہری موقعہ کو بھی گنواں بیٹھیں۔ بالآخر مہاراجہ نے چند شرائط کے تحت بادل ناخواستہ الحاق کی حامی بھرلی۔ اس طرح ہندوستانی فوج کی کشمیر میں داخل ہونے کی راہ ہموار ہوگئی۔ جب الحاق کے مُسودے پر مہاراجہ نے دستخط کئے تو وی پی مینن نے دہلی میں مذکورہ دستاویز کو ہاتھ میں لہراتے ہوئے برطانوی ہائی کمشنر الیکز نڈر سیمنز سے تکبرانہ انداز میں کہا:

"Here it is, he said, '. we have Kashmir. The bastard signed the act of Accession and now that we, have got it ', we will never let it go" ۱۵

اِدھر قبائلی حملے اور ہندوستانی فوج وارد کشمیر ہونے سے شیخ عبداللہ کی پوزیشن بھی کمزور ہوگئی۔ الحاق سے پہلے آزادی کا خواب چکنا چور ہوا۔ آزادانہ فیصلے لینا دور کی بات، جدید کشمیر تعمیر کرانا ناممکن دکھائی دینے لگا۔ بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی صحیح، شیخ صاحب نے زمان و مکان کی سیاست فوراً جانچ لی اور اقتدار ریاستی عوام کو سونپنے کی شرط پر بہ حالت مجبوری عارضی الحاق کے حق میں بیان جاری کیا۔ جس کے بغیر اُن کے پاس اور کوئی راستہ بچا ہی نہیں تھا۔ اگر وہ ایسا نہ بھی کرتے تب بھی ہندوستانی فوج وارد کشمیر ہوتی۔ کیونکہ الحاق کرنے یا نہ کرنے کا اصلی مجاز مہاراجہ تھا۔ آثار و قرائن بتاتے ہیں کہ اگر الحاق عارضی نہ ہوتا تو شیخ محمد عبداللہ کیا رویہ اپناتے، کہنا مشکل ہے۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ شیخ صاحب نے الحاق کی تائید عارضی ہونے کی صورت میں ہی کی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر پنڈت نہرو اور پٹیل وغیرہ شیخ عبداللہ پر الحاق ہند کے لئے کیوں کر اصرار کر رہے تھے۔ اس کا جواب شاید یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہندوستانی قائدین خاص کر پنڈت جی شیخ محمد عبداللہ کو اقتدار کی لالچ میں پھنسا کر "نیا کشمیر" کو عملانے سے روکنا چاہتے تھے۔ جسکا معمولی سا اشارہ ان الفاظ سے اخذ کیا جاسکتا ہے:

"........ it was absolutely essential, both for national and international for Sheikh Abdullah to be fully involved in the government of the state. " ۱۶

---

15. Freedom at Midnight, P. 356. M.Y. Saraf, P. 922.

16. Heir Apparent, P. 83.

ویسے تو شیخ محمد عبداللہ کو الحاق سے کوئی لینا دینا تھا ہی نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مہاراجہ سے بدلہ لینے کے لئے پنڈت نہرو شیخ عبداللہ کو غیر ضروری طور الحاق سے منسلک کرنے کی کوشش کرر ہے تھے تا کہ مہاراجہ پر دباؤ جاری رہے۔ اگر شیخ عبداللہ الحاق ہند کے حق میں ہوتے بھی، تب بھی وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ الحاق کا فیصلہ کر سکتے۔ کیونکہ ایسا کرنے کے لئے اُن کے پاس کوئی قانونی جواز ہی نہ تھا[17]۔ تاریخ میں یہ بھی درج ہے کہ ۲۴ راکتوبر ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا سٹیٹ پیوپلز کانفرنس کے سیکریٹری دوار کا ناتھ کاچرو نے سرینگر سے پنڈت جی کو ایک خط میں لکھا کہ "شیخ صاحب اور اُس کے نزدیکی ساتھیوں نے ہند یونین کے حق میں فیصلہ لیا ہے"[18]۔ وہ مذید لکھتے ہیں کہ نیشنل کانفرنس کے بیشتر لیڈر ابھی جیلوں میں ہی ہیں۔ اس بیان سے کاچرو کی اپنی ہی عبارت متضاد بن جاتی ہے۔ اگر شیخ صاحب کے نزدیکی ساتھی ابھی جیل میں ہی تھے تو الحاق کا مشورہ کس کے ساتھ ہوا۔ کاچرو کے خط سے یہی کچھ اخذ ہوتا ہے کہ ہندوستان اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ ایسا پروپیگنڈا کر رہا تھا۔ جس سے تاثر مل رہا تھا کہ نیشنل کانفرنسی قیادت الحاق ہند کے لئے بے تاب ہے۔ ایسے میں ہندوستانی قیادت کوئی مسائل حل ہونے کی توقع تھی۔ ہندوستان تو اول یہ چاہتا تھا کہ پاکستان اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان خلیج اور وسیع ہو جائے۔ اور دوسرے یہ کہ مہاراجہ ہری سنگھ کو الحاق ہند کے لئے جلد بازی پر مجبور کیا جائے۔ اگر کاچرو کی رائے میں کوئی صداقت ہوتی تو شیخ محمد عبداللہ کا وہ بیان بھی سامنے نہ آتا جو انہوں نے قبائلی حملہ سے چند گھنٹے پہلے ۲۱ راکتوبر کی شام کو دہلی میں "چائے ملن" پر ایسوسیٹڈ پریس آف انڈیا کو "الحاق" کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں دیا تھا:

> "So far as Pakistan was concerned they were very keen on her accession. For, due to the strategic position that the state held, if the state joined the Indian dominion, he thought Pakistan would be completely encircled." [19]

---

17. Crisis in Kashmir, PP. 42-43.
18. Rashid Taseer, Vol. III, P. 260.
19. A. G. Noorani, Kak and Sheikh, Frontline, August 25, 2010, The Hindu Archives, Internet.

اس بیان سے شیخ محمد عبداللہ کا موقف بالکل واضح ہوتا ہے۔اور اگر معاملہ برعکس ہوتا تو شیخ عبداللہ کی طرف سے پاکستان کے لئے کسی بھی صورت میں ہمدردی کا جذبہ اُبھر کر سامنے نہیں آنا چاہئے تھا۔قبائلی حملے تک شیخ صاحب الحاق ہند کے حق میں نہیں تھے۔

۲۱/اکتوبر کی شام کو ہی شیخ عبداللہ نے ''نیا دور'' نامی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ آزادی اور اقتدار ریاستی عوام کو منتقل ہونے کے بعد الحاق کی بات ممکن ہے۔[۲۰] ان بیانات کے پس منظر میں محمد یوسف صراف اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ نے قبائلی حملے تک ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کی آمادگی ظاہر کی تھی۔اُن کے الفاظ ہیں:

"It is obvious that a man of Sheikh Abdullah's experience could not have taken such a line in Delhi as late as 21st October, 1947, if he was already committed to a pro-India and anti-Pakistan line. If not only represented a softening of his attitude but amounted to a discreet public assurance to Pakistan."[۲۱]

ان آراء اور خیالات کی روشنی میں برصغیر کے ممتاز قانون دان اور محقق اے.جی نورانی شیخ عبداللہ کے مندرجہ بالا بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"This was not the language of one who plotted to accede to India. He showed understanding for Pakistan."[۲۲]

حقیقت یہ ہے کہ شیخ محمد عبداللہ ۲۱/اکتوبر کی نصف شب تک بھی الحاق کے لئے راضی نہیں ہوئے تھے۔۲۲/اکتوبر کو اخبار اسٹیٹمن نے لکھا:

"As late as 21 October, just hours before the tribal

۲۰۔ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۲۷۸۔

21. M. Y. Saraf, PP. 801-802.

22. A. G. Noorani, Kak and Sheikh, Frontline, August 25, 2010, The Hindu Archives, Internet.

lashkar entered Kashmir, he was pleading for more time to think about, which dominion to join." ۲۳

۲۶ر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جب قبائل سرینگر کے شمالی دروازے پر آ کھڑے ہوئے تھے تو شیخ محمد عبداللہ نے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ

"اگر اس کے (کشمیر کے) چالیس لاکھ باشندگان کو نظر انداز کر کے ریاست کا الحاق ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ کیا جائے تو میں شورش برپا کردوں گا" ۲۴۔

ان آراؤں سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ الحاق کے لئے بالکل تیار نہیں تھے۔ نہ ہی پاکستان کے ساتھ اور نہ ہی ہندوستان کے ساتھ۔ لیکن حالات کی چنگیزی تھپیڑوں نے ایسے تمام راستے مسدود کردیئے۔ اگر تاریخی اعتبار سے جانچا جائے تو ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان کسی بھی فردِ واحد نے بھی کبھی مصالحت کرانے کی کوشش نہیں کی۔ اگر ۱۹۴۷ء میں ان دونوں کے مابین کوئی سمجھوتہ ہوگیا ہوتا تو آج کشمیر کیا، برصغیر کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ اس بات کا اعتراف مہاراجہ ہری سنگھ کے بیٹے ڈاکٹر کرن سنگھ نے بھی ترسیٹھ سال کے بعد نئی دہلی میں ایک کتاب کی رسم رونمائی کے دوران کیا:

"......اگر الحاق کے بعد بھی شیخ محمد عبداللہ اور مہاراجہ ہری سنگھ کے درمیان مفاہمت ہوئی ہوتی تو برصغیر ہندوپاک کی تاریخ مختلف ہوتی......" ۲۵۔

یہ بات اپنی جگہ کہ مہاراجہ کی حکومت، مسلم کانفرنس حتیٰ کہ نیشنل کانفرنس میں بھی ایسے افراد موجود تھے جو کانگریس اور مسلم لیگ کے لئے بالواسطہ یا بلاواسطہ جاسوسی کا کام انجام دے رہے تھے اور اکثر و بیشتر مہاراجہ اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان حالت بگاڑنے

23. Statesman, 22 October, 1947. Dawn, 22 October, 1947, cited in Andrew whitehead, P. 34.

24. White Paper on Kahsmir, 1948, Government of India P. 14

۲۵ روزنامہ سرینگر ٹائمز، ۲۱ر ستمبر ۲۰۱۱ء۔

کا کردار ادا کرتے تھے۔ کبھی وہ کانگریس اور مہاراجہ کے مابین لڑائی کے بیج بونے میں مصروف رہتے تھے اور کبھی اُن کا کام مسلم لیگ اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنا تھا۔ مختصراً ایسے تمام لوگوں کی ایک ہی منزل تھی کہ مہاراجہ اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان کسی بھی صورت میں کوئی مصالحت اور اتفاق نہ ہونے پائے۔ جس کے لئے کانگریس اور مسلم لیگ کوئی بھی قربانی دینے کے لئے ہمہ وقت تیار بیٹھی تھی۔ ریاستوں کے تیئں ہندو پاک کی پالیسی کو ہی لیجئے۔ ہندوستان نے شیخ محمد عبداللہ کو الحاق کے معاملے میں گھیر کے رکھ دیا تھا۔ ایسے میں مہاراجہ کو بدستور دباؤ میں رکھنا ممکن ہوا۔ یہاں تک کہ وہ یہ یقین کر بیٹھے کہ شیخ عبداللہ اُس کا پیچھا چھوڑنے والے نہیں ہے۔ نتیجتاً دونوں کے درمیان خلیج اور بڑھ گئی۔ دوسری طرف پاکستان کا رویہ مہاراجہ کے تیئں دوستانہ تھا۔ یہی دوستی مہاراجہ کو شیخ عبداللہ کے ساتھ بات کرنے میں آڑے آرہی تھی۔ مگر مہاراجہ نے پاکستان کی خیر سگالی کا جواب ''جوں کا توں'' معاہدہ کرکے دیا۔ اس ایگریمنٹ سے مہاراجہ نے اپنی آزادی کی ضمانت بھی حاصل کی اور شیخ محمد عبداللہ کا توڑ بھی کیا۔ اسی طرح مہر چند مہاجن بھی اپنے طور پر مہاراجہ اور شیخ عبداللہ کے درمیان خلیج برقرار رکھنے کے لئے کوشاں تھے۔ جب مہاراجہ کشمیر چھوڑ کر چلے گئے تو مہر چند مہاجن کے مشورہ کے بغیر ایسا ممکن ہی نہ تھا۔ کیونکہ وی پی مینن نے مہاراجہ کو سرینگر چھوڑنے کا مشورہ دینے سے پہلے مہاجن سے تنہائی میں طویل ملاقات کی تھی۔ وِکٹوریہ شوفیلڈ لکھتے ہیں:

"Menon gives no details of their discussion, but merely states that their first priority was to get the Maharaja and his family out of Srinagar." ۲۶

مہر چند اور مینن کے اس فیصلہ کا واحد مقصد یہ تھا کہ مہاراجہ اور شیخ محمد عبداللہ اتنے دور رہیں کہ ان کو آپس میں ملنے یا ملانے کا کسی کے وہم و گمان میں نہ آئے۔ تاہم جب ہندوستانی فوج کشمیر میں داخل ہوگئی تو مہاراجہ اور شیخ محمد عبداللہ کو نزدیک لانے کی ایک

26. Victoria Schofield, 2004, Kashmir in Conflict, New Delhi, P.63.

رسمی کوشش ضرور ہوئی۔ جس کی شروعات وزیر اعظم ہند نے ۱۳ر نومبر ۱۹۴۷ء میں مہاراجہ کے نام ایک خط میں یوں کی تھی:

> "The only person who can deliver the goods in Kashmir, is Sheikh Abdullah. He is obviously the leading popular personality in Kashmir...... Full confidence must be placed in him.... 1 would suggest to you to keep in close personal touch with him and deal with him directly and not through intermediators." [27]

لیکن تاریخ کشمیر کو مسخ کرنے کا دور بہت پہلے سے چل پڑا ہے۔ اس لئے بیشتر قلم کار حضرات حقائق اور تحقیق وتنقید کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر چلو بھر پانی میں ڈوبنے کی تقلید کر رہے ہیں۔ جس سے پوری قوم گمراہی کے راستہ پر چل پڑی ہے۔ اسی طرح سیاسی داؤ پیچ کھیلنے والے سیاسی طالع آزما بھی جو کشمیری قوم کے خودساختہ لیڈر بن بیٹھے ہیں، اپنی شناخت کے لئے تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔ اگر تعصبی عینک ہٹا کر تاریخ کو وقت کے مقامی اور بین الاقوامی حالات کے پس منظر میں دیکھا اور پرکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ قوم کو گمراہی سے بچایا نہیں جاسکتا ہے۔ لیکن......!۔



---

27. Heir Apparent, P. 83.

بھارتی افواج کا کشمیر میں ورود

۲۷/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو صبح نو بجکر دس منٹ پر سکھوں پر مشتمل بھارتی فوج کی پہلی بٹالین کرنل دیوان رنجیت رائے کی سربراہی میں سرینگر کے ہوائی اڑے پر اُتری۔ بٹالین نے اپنا دفتر سرینگر کے سونہ وار علاقے میں نواب خسرو جنگ کی کوٹھی (جہاں آج کل جموں کشمیر کے چیف جسٹس رہتے ہیں) میں قائم کیا۔ فوج کی ٹکڑیوں کو فوراً حساس مقامات پر تعینات کیا گیا۔ ایک فوجی دستے کو شہر سرینگر اور رام باغ پُل کی حفاظت کے لئے سولنہ میں واقع ابھیدانندن ہوم میں ٹھہرایا گیا۔ فوج کی خاصی تعداد ائیر پورٹ کی نگرانی کے لئے مقرر کی گئی۔ ہوائی اڑے کے نشیب و فراز دیکھ کر فوجی حکام نے نہ صرف لوگوں کی نقل و حرکت پر پابندی عاید کی بلکہ دیکھتے ہی گولی مار دینے کے احکامات بھی صادر کئے۔ اُن دنوں ذرائع ابلاغ نہ ہونے کے برابر تھے۔ مُشکل سے کسی بڑے آدمی کے پاس ریڈیو سیٹ ہوا کرتا تھا۔ عوام تک اطلاعات پہنچنے میں دیر لگتی تھی۔ بقول معروف کشمیری شاعر پریم ناتھ شاد[1] ہندوستانی فوج نے وارِدِ کشمیر ہونے کے فوراً بعد قاضی باغ بڈگام کے ایک اٹھارہ سالہ کشمیری پنڈت نوجوان رادھا کرشن بھٹ ولد واسدیو بھٹ ولد

---

[1] پریم ناتھ شاد ولد سدھرشن بھٹ ولد گوپال بھٹ ولد سہزہ رام بھٹ بڈگام کے قاضی باغ گاؤں میں ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ آپ پیشہ سے استاد ہیں۔ حملہ کے وقت چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے۔ ۱۹۹۰ء میں کشمیر سے بھاگ کر بن تالاب جموں میں رہائش پزیر ہوئے۔ کشمیری زبان میں کئی کتابیں لکھی ہیں جسمیں "یادن ہُند آدن گام" قابل ذکر ہے۔ رادھا کرشن آپ کا رشتہ دار تھا جو پیر باغ میں ایک دکاندار کے پاس سیلزمین تھا جہاں رادھا کرشن بھٹ کو غلام رسول لون کے ساتھ دوستی ہوئی تھی۔ ۲۶/اکتوبر ۱۹۴۷ء کی شام کو یہ دونوں دوست قاضی باغ آگئے۔ رادھا کرشن کی ماں اپنے میکے حبہ کدل گئی تھی۔ باپ نے رادھا کرشن اور اسکے دوست سے کہا کہ حالات خراب ہوتے جارہے ہیں۔ آپ دونوں حبہ کدل جاکر رادھا کی ماں کو گھر لاؤ۔ صبح کے وقت یہ دونوں دوست سائیکل پر سوار ہوکر دامودر کریوہ کے اوپر سے ہوتے ہوئے حبہ کدل روانہ ہوئے۔ کریوہ پر انہیں فوج نے روکنے کی کوشش کی۔ گھبراہٹ کے عالم میں یہ دونوں بھاگنے لگے کہ فوج نے گولی چلائی اور دونوں کو ہلاک کیا۔ ان کو معلوم نہیں تھا کہ بھارتی فوج وارد کشمیر ہوچکی ہے جنہوں نے کرفیو نافذ کر رکھا تھا۔

آنند رام بھٹ اور اس کے بیس سالہ دوست غلام رسول لون ساکنہ پیر باغ بڈگام کو کریوہ دامودر ہمہامہ میں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

ابھید انندن ہوم میں مقیم فوج نے ۵ر نومبر ۱۹۴۷ء کی رات کو پیس بریگیڈ سے وابستہ نیشنل کانفرنس کے رضا کاروں کو دشمن سمجھکر گولیوں سے بھون ڈالا۔ جو بڈگام ہمہامہ، حیدر پورہ، نارہ کرہ، گلوان پورہ اور راولپورہ دیہات میں ''جنگ باز و خبردار، ہم کشمیری ہیں تیار'' کے نعرہ لگا کر گشت کرنے کے بعد ریشم خانہ میں قائم کردہ دفتر واپس لوٹ رہے تھے۔ اس سانحہ میں گیارہ افراد کی موت ہوئی۔ جس میں غلام قادر وانی، محمد صدیق بیگ، ڈرائیور قریش احمد، پنڈت راجناتھ، عبدالرحمٰن، غلام احمد پہلو، محمد رمضان خان اور ریشی ڈار شامل تھا[۲]۔ اس حادثہ میں باقی تین ہلاک شُدگان کے نام علی محمد[۳] کے بقول عبدالاحد بٹ، محمد سلطان بنگرو اور عبدالصمد صوفی تھا۔ اول الذکر یعنی غلام قادر وانی کے متعلق کالم نویس ظہیر الدین نے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ وہ مائسمہ کا رہنے والا تھا۔ جس نے دوسری جنگ عظیم کے دوران بیشتر یورپی شہروں میں نازیوں کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لیا تھا۔ یورپ میں اُس کی دوستی ایک پنجابی سِکھ فوجی کے ساتھ ہوئی جو افسر بن کر سکھ بٹالین کے ہمراہ کشمیر پہنچا تھا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ فائرنگ میں اس کا دوست غلام قادر وانی بھی مارا گیا ہے تو وہ افسوس کرتے ہوئے مرحوم کے لواحقین کے پاس مائسمہ پہنچا۔ اور وانی کے آخری رسومات میں شرکت کی[۴]۔ اس واقعہ کی وجہ سے لوگوں میں نہ صرف نفرت پیدا ہوئی بلکہ بھارتی فوج کے خلاف جلوس بھی نکالے گئے۔ اس لئے ابھیدانندن ہوم میں قیام پزیر فوجی ٹکڑی کو ورمُل منتقل کرنے کے احکامات صادر کئے گئے۔ وہاں پہنچتے پہنچتے فوج نے کئی مقامات پر لوگوں کے ساتھ بُرا سلوک کیا۔ سنگھ

---

۲ رشید تاثیر، ۱۹۸۴ء، تحریک حریت کشمیر، جلد سوم، ص ۳۵۴۔

۳ علی محمد رام باغ کا رہنے والا تھا۔ اُسے جلد سازی میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ پرنٹنگ پریس چلانے کے ماہر تھے۔ وہ خود بھی ایک لیتھو پریس کا مالک تھا۔ اس نے مندرجہ بالا ناموں کا تذکرہ راقم سے ۳۰ر ستمبر ۱۹۹۵ء میں ایک غیر رسمی گفتگو کے دوران کیا۔

۴ روزنامہ اطلاعات، ۱۸ر اگست [illegible] سرینگر

پورہ ہارترٹھ گاؤں کے غلام احمد بیگ، عبدالعزیز انصاری اور سردار خان کو قبائلیوں کو پناہ دینے کی پاداش میں آنکھیں نکالی گئیں۵۔ پٹن کھور کے پٹھان پورہ میں ۸ر لوگوں کو قتل کیا اور درجنوں تشدد کا نشانہ بنے۔ نعیم خان۶ کے بقول "فوجیوں نے ہمارے محلے میں آباد پٹھانوں کی خوب خبر لی اور ان کے گھر جلا دئے ۷"۔ اسی طرح ہندوستانی فوج گوگو، ہمہامہ، حیدر پورہ، گلوان پورہ، ژُر پورہ (موجودہ پرے پورہ)، نادر گنڈ اور راولپورہ دیہات میں قبائلیوں کی تلاش کے دوران لوگوں سے انڈے اور مرغے زبردستی وصول کرتی تھی۸۔ جہاں سے بھی فوج گذری، خوف ودہشت پھیلایا۔ جا بجا بستیاں اجاڑی گئیں۔ کشمیر کی مغربی پٹی میں واقع رائیتھن سے لیکر بڈگام، بیرو، کھاگ، ٹنگمرگ، پٹن، ورمُل اور اوڑی تک کے سارے گاؤں فوج کے ظلم وستم کے شکار ہوئے۔ بہت سے گاؤں جزوی طور جلائے گئے اور کئی پوری طرح خاکستر کردئے گئے۔ یچھ گام کی بستی مکمل طور جلائی گئی۔ بعض علاقوں میں عورتوں کے ساتھ دست درازی کی گئی، کئی سے ضروریات زندگی کی چیزیں لوٹی گئیں۔ کئی پر پاکستان اور قبائلیوں کی طرفداری کرنے پر لوگوں کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ سب سے بڑی تباہی شالہ ٹینگ میں ہوئی جہاں ۷ر نومبر کو قبائل اور ہندوستانی فوج کے درمیان خون ریز معرکہ پیش آیا۔ فریقین کے درمیان دوبدو لڑائی ہوئی۔ ریاض ملک لکھتے ہیں کہ "جب بھارتی فضائیہ کے جنگی جہازوں نے قبائلیوں کو زیر کرنے کے لئے اس وسیع علاقے پر اس قدر بمباری کی کہ یہ پورا علاقہ نیست نابود ہوگیا۔ گن پاؤڈر کا استعمال کرکے تمام رہائشی مکانات کو خاکستر کیا گیا اور کئی لوگوں کو مکانوں کے اندر ہی جلایا گیا جبکہ کئی لوگ بمباری سے بچنے اور محفوظ مقام تک پہنچنے کی کوشش میں یا تو ہندوستانی فوج کی گولیوں کا شکار ہوئے یا پھر جہلم اور ہوکرسر کے پانی

---

۵ رشید ناثیر، جلد سوم، ص ۳۵۴۔

۶ نعیم خان کے اسلاف ۱۹۴۷ء سے پہلے صوبۂ سندھ کے ہزارہ علاقے سے ہجرت کرکے کشمیر آئے ہے اور پٹھان پورہ کھور پٹن میں رہائش پذیر ہوئے تھے۔

۷ مقبول ساحل ۲۰۱۱ء تنازعہ کشمیر۔ تاریخ کے آئینے میں، سرینگر، ص ۳۶۱۔

۸ گریٹر کشمیر، ۱۹/۱ اکتوبر ۲۰۰۸ء، سرینگر۔

میں غرق ہو گئے"۔[9]

جنگ کے دوران مَلُرو نامی گاؤں سمیت درجنوں بستیاں خاکستر ہوئیں۔ گاؤں کے گاؤں ملبے کے ڈھیر میں بدل گئے اور کئی بستیوں کو دشمن کے خوف سے آگ لگا کر راکھ کر دیا گیا۔ آگ زنی اور بمباری کی وجہ سے بچے کُچے لوگ دور دراز علاقوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ درجنوں لوگ یا تو مکانوں میں زندہ جل گئے یا انہیں جلایا گیا۔ کئی لوگ اپنے ہی مکانوں کے نیچے دفن ہو گئے۔ شالہ ٹینگ کی لڑائی میں بھارتی افواج کے سامنے جو بھی آ گیا، گولی کا شکار ہوا۔ اس خونریز لڑائی میں نہ صرف طرفین کے تقریباً ایک ہزار آدمی کام آئے بلکہ سینکڑوں کشمیری بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس طرح بھارتی افواج نے قبائلیوں کو شکست سے ہمکنار کر کے ورمُل کی طرف پیش قدمی کی۔ ۸ر نومبر کو ہندوستانی فوج نے جونہی ورمُل پر قبضہ کیا تو صرف دو دن کے بعد وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے گاڑی میں سفر کر کے موقع پر جنگی محاذوں کا جائزہ لیا۔ لیکن قبائلیوں نے مظفر آباد، ورمُل، راولاکوٹ، میر پور اور پونچھ کے علاقوں کو پلک جھپکتے میں اپنے تسلط میں لایا تھا لیکن کسی سرکاری یا لیگی عہدہ دار کو قبائلیوں کی شاباشی کے لئے دریائے جہلم عبور کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔



۹۔ کشمیر اعظمیٰ، ۷ر نومبر ۲۰۰۷، سرینگر۔

۹/اگست ۱۹۵۳ء......تاریخ کشمیر کا بدترین دن

کشمیر پر قبضہ کرنے کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار ولبھائی پٹیل کے دل میں شیخ محمد عبداللہ کا نعرہ ''الحاق سے پہلے آزادی'' اور ''جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ'' برابر گونج رہا تھا۔ اگرچہ پہلا نعرہ قبائلی حملہ کے بھینٹ چڑھ گیا۔ لیکن مہاراجہ ہری سنگھ سمیت پنڈت جی اور سردار پٹیل کے لئے یہ برابر دردِ سر بنا ہوا تھا۔ شاید انہیں ڈر تھا کہ شیخ صاحب اپنے عزائیم میں کسی بھی وقت خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ ہندوستانی قائدین کی نیت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ وہ ان تمام اقدامات کو روکنا چاہتے تھے۔ جن کی عکاسی شیخ محمد عبداللہ نے ''نیا کشمیر'' میں کی تھی۔ جس کے متعلق ایک مشہور تجزیہ نگار ودِ مالم لکھتے ہیں:

> "The idea of modern Kashmiri Nationalism expressed as distinct from India and Pakistan nationalism, can be traced to this Naya Kashmir proposal".[1]

شیخ صاحب اور ہندوستانی لیڈر شپ کے درمیان تلخیوں کا آغاز ۱۹۴۶ء میں ہوا جب سردار پٹیل نے اول الذکر کو نہ صرف ہندوستان کا دشمن قرار دیا بلکہ ''کشمیر چھوڑ دو'' تحریک کی مخالفت اور مہاراجہ کشمیر کی حمایت کی تھی[2]۔ اس وقت کانگریس لیڈر شپ دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک حصہ جواہر لال نہرو اور دوسرا سردار پٹیل کا تھا۔ سردار پٹیل ہر اُس شخص کے دشمن تھے جو پنڈت جی کے دائرہ اثر میں تھا۔ ہندوستان کے مسلمان پنڈت جی کو اپنا محسن سمجھتے تھے۔ ان کی اکثریت نہرو کے ساتھ وابستہ تھی۔ اس لئے سردار پٹیل مسلمانوں کے اُتنے ہی دشمن تھے جتنا ہندوؤں کے تھے جو پنڈت نہرو کے زیر اثر تھے۔ یہی حال شیخ محمد عبداللہ کا تھا[3]۔ سردار پٹیل والے کانگریسی دھڑے میں فرقہ

---

1. wp%20233%20-% Khalid.pdf.
2. Patel's Correspondence, Vol. I, P.4.

۳۔ عتیق صدیقی، ۱۹۶۷ء، شیخ محمد عبداللہ کشمیر [illegible] ص [illegible]

پرستوں کی کثیر تعداد موجود تھی جو پنڈت نہرو کی اقلیت دوستی اور سوشلزم کو اپنے اجتماعی مفاد کے منافی سمجھتے تھے۔ یہ لوگ جواہر لال نہرو کی کشمیر پالیسی سے متفق نہیں تھے بلکہ باقی ریاستوں کی طرح کشمیر کو بھی ہندوستان میں ضم کروانے کے لئے بے تاب۔ اس لئے سردار پٹیل نے وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو کی رضامندی سے ہندوستانی فوج وارد کشمیر ہونے کے چند ماہ بعد سرینگر میں آئی بی کا دفتر قائم کیا۔ سرحدوں کی تناوی صورت حال کے ساتھ ساتھ اس ادارہ کو شیخ محمد عبداللہ کی نقل و حرکت اور اُن کی تحریر و تقریر پر کڑی نظر رکھنے اور اُس کی رپورٹ وزیر اعظم ہند اور وزیر داخلہ کو پابندی کے ساتھ پہنچانے کی ہدایت دی گئی۔ تاکہ مناسب وقت پر شیخ محمد عبداللہ سے نمٹنا آسان ہوگا۔ مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ محمد عبداللہ کے خراب تعلقات سے سردار پٹیل زیادہ سے زیادہ سیاسی فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ اس کشیدگی میں دسمبر ۱۹۴۷ء میں اس وقت شدت آگئی جب شیخ صاحب نے مہاراجہ کو مشورہ دیا کہ جموں و کشمیر کو آپس میں تقسیم کیا جائے[۴]۔ اس منصوبہ کی اطلاع جب مہر چند مہاجن نے سردار پٹیل کو پہنچائی تو وہ برہم ہوئے۔ انہوں نے شیخ محمد عبداللہ پر سخت سے سخت نگرانی برتنے کی تاکید کی۔ نتیجہ کے طور پر سردار پٹیل سُراغ رسان ایجنسیوں سے ایسی اطلاعات کا تقاضا کرنے لگے جو شیخ محمد عبداللہ کے خلاف ہوں[۵]۔ اس نوعیت کا اولین کام آئی بی نے اُس وقت سرانجام دیا جب ۱۹۴۹ء میں بھارتی وزیر اعظم کو ایک خصوصی رپورٹ بھیجی گئی جس میں درج تھا کہ شیخ محمد عبداللہ نے یکم جنوری کو لندن سے چھپنے والے اخبار ''اوبزرور'' اور ''سکاوٹس'' کے نامہ نگار میخائل ڈیوڑسن اور ''ڈیلی میل'' کے ''وورڑ پرائیس'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کشمیر کو آزاد رکھنے کی وکالت کی ہے[۶]۔ جونہی شیخ محمد عبداللہ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے آئی بی دفتر کو سربہ مہر کرنے کے احکامات صادر کئے۔ دفتر بظاہر بند تو ہوا لیکن اس کے ملازمین اب

4. Prabha Chopra (ed.) 2002, Sardar Patel: Kashmir and Hyderabad, New Delhi, P. 11.
5. B.N. Mullik, 1971, My years with Nehru, New Delhi, P.9.
6. Ibid, PP. 15-16.

جاسوسوں کی طرح کام کرنے لگے۔

درایں اثناء شیخ محمد عبداللہ مسلمانان جموں کے قتل عام (۱۹۴۷ء) میں ملوث مہاراجہ ہری سنگھ پر یا تو مقدمہ چلانا یا انہیں ملک بدر کرنا چاہتے تھے۔ جس کا تذکرہ شیخ محمد عبداللہ نے جموں میں منعقدہ ایک جلسہ میں کیا تھا:

> "He (Maharaja Hari Singh) had massacred the Muslims of this place .... There is no room for any murderer in this state." ۷

اس بیچ کشمیر معاملات کے وزیر گوپالا سوامی آئینگر نے مہاراجہ پر مقدمہ چلانے کی زبردست مخالفت کی۔ وہ شیخ صاحب کی اقتصادی اور سیاسی اصلاحات میں بھی روڑے اٹکا رہے تھے۔ کیونکہ ہندسرکار نے مہاراجہ سے وعدہ کیا تھا کہ اُن کے مفادات کا ہر حال میں خیال رکھا جائے گا۔ مہاراجہ اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان وزارتی محکمے اور کمانڈر انچیف کا عہدہ بھی جھگڑنے کا باعث بنا ہوا تھا۔ شیخ صاحب کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کو بڑے اور کلیدی عہدوں پر تعینات کیا جائے۔ اُن کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ وزیر اعظم کے ناطے ریاستی فوجی سربراہ کا عہدہ اُن کے پاس رہنا چاہئے ۸۔ مہاراجہ ہری سنگھ اور شیخ صاحب کے درمیان 'ہوم گارڈ' نامی دفاعی فورس قائم کرنے پر بھی اختلاف ہوا۔ ہری سنگھ کسی بھی فورس کو معرض وجود میں لانے کی مخالفت کرتے رہے۔ چنانچہ دونوں کے تعلقات مزید بگڑ گئے۔

اِدھر ہری سنگھ اپنے آپ کو بدستور کشمیر کا مہاراجہ سمجھتے تھے۔ جبکہ شیخ صاحب کا کہنا تھا کہ اُن کی حکمرانی قبائلی حملے کے وقت ہی ختم ہوگئی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ تنازعہ دلی کے ایوانوں تک پہنچ گیا۔ جواہر لال نہرو نے اس معاملہ میں مُبہم پالیسی اپنائی۔ جبکہ سردار پٹیل نے شیخ صاحب سے صاف کہہ دیا کہ "میں نے ۱۹۴۷ء میں ہری سنگھ کو وچن دیا ہے کہ آپ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرتے ہیں تو آپ کے مراعات کے ساتھ

7. Satish Vashishth, 1968, Sheikh Abdullah Then and Now, New Delhi, P. 70.

8. Victoria Schofield. P. 16-75.

نہیں چھیڑا جائے گا"۔۹ یہ جواب سن کر شیخ محمد عبداللہ انتہائی مُشتعل ہو کر اُٹھ کر چلے گئے۔ اور سردار پٹیل سے تُرش لہجہ میں کہا:

"آپ نے مہاراجہ کو وچن دیا ہے اور میں نے لوگوں کو وچن دیا ہے۔ آپ اپنا وچن نبھائے اور میں اپنا وچن نبھاؤں گا"۔۱۰

پنڈت نہرو کی مداخلت سے معاملہ رفع دفع ہوا۔ اور پھر کئی پُر تناؤ نشستوں اور طویل بحث و مباحثہ کے بعد مہاراجہ کو اس بات کا پابند بنایا گیا کہ وہ رائے شماری مکمل ہونے تک واردِ کشمیر نہیں ہو سکتے ہیں۔۱۱ ایسا فیصلہ تسلیم کرتے وقت مہاراجہ، پنڈت جی اور سردار جی چنے چبانے پر مجبور ہو گئے۔ حالانکہ یہ دونوں لیڈر چاہتے تھے کہ "نیا کشمیر" کی بیخ کنی کے لئے مہاراجہ کا قائم رہنا ضروری تھا مگر شیخ عبداللہ کی ضد نے تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ چنانچہ زبردست دباؤ کے تحت مہاراجہ نے بادلِ ناخواستہ اپنے لئے جلائی وطنی کا حکم از خود یوں صادر کیا:

"میں نے صحت کی ناسازگی کہ وجہ سے باہر جانے کا فیصلہ کیا ہے اور تمام اختیارات یوراج کرن سنگھ کو سونپ رہا ہوں"۔۱۲

چنانچہ ۵ر جنوری ۱۹۴۹ء کو مہاراجہ نے ایک حکم نامہ پر دستخط کئے جس کے تحت کرن سنگھ کو ریجنٹ مقرر کیا گیا۔ لیکن سردار پٹیل نے مہاراجہ کشمیر کے ساتھ صریحاً وعدہ خلافی کی۔ انہوں نے وہی کچھ کیا جو بھارت کی سالمیت کے لئے ضروری تھا۔ نہ وہ شیخ محمد عبداللہ سے کئے گئے وعدوں کا پاس کر سکے اور نا ہی مہاراجہ کا تحفظ کیا۔ انہوں نے ایک ہی تیر سے دو شکار کئے۔ پہلے مہاراجہ کو کشمیر سے بے دخل کرنے کا کھیل کھیلا۔ پھر (پٹیل کے) اس کے فوت ہونے کے بعد اُس کی (پٹیل کی) پالیسوں نے شیخ محمد عبداللہ کو اقتدار سے برطرف کروایا۔

---

۹ سید میر قاسم، ۱۹۸۵ء، داستان حیات، دلی، ص ۱۳۸-۱۳۹۔

۱۰ مذکورہ، ص ۱۳۹۔

11. Mohan Krishen Teng, 1990, Article 370, New Delhi, P. 40.

12. Kashmir Legal Documents, No. 119, The Har 2006, 9th June, 1949, htt.P://1-Kashmir.net/historicaldocuments/India.html

ادھر سُراغ رساں ایجنسیاں وزیراعظم ہند کو شیخ محمد عبداللہ کے حق میں جبکہ وزیرداخلہ کو اس کے خلاف رپورٹ ارسال کررہی تھیں۔ کشمیری پنڈت اور جموں کے ڈوگر بھی مرکز کو کشمیر کی صورتحال سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے تھے۔ جن کی رپورٹ اکثر و بیشتر شیخ محمد عبداللہ کے خلاف ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح شیخ صاحب کے خلاف مہاجرین کی ناگفتہ بہ حالات کی درجنوں شکایتیں مرکزی سرکار کو بھیجی گئی تھیں۔ ان تمام الزامات کی چھان بین کرانے کے لئے وزیراعظم اور وزیرداخلہ نے اگست ۱۹۴۹ء کے اواخر میں آئی بی آفیسر بی این ملک کو کشمیر روانہ کیا۔ جس نے شیخ محمد عبداللہ سمیت کابینۂ وُزرا کے علاوہ سرکردہ ہندوؤں اور مسلمانوں سے ملاقات کرکے حقائق جاننے کی کوشش کی۔ دورہ ختم ہونے کے بعد ملک نے جو رپورٹ تیار کی، اس میں شیخ محمد عبداللہ کے خلاف کوئی شکایت نہیں تھی۔ جس پر سردار پٹیل نے آسمان سر پر اُٹھایا۔ اور واضح الفاظ میں کہا کہ وہ رپورٹ سے مطمئن نہیں ہے۔ ان کے الفاظ تھے:

"..... Sheik Abdullah would ultimately let down India and Jawaherlal Nehru and would comeout in his real colour ......". ۱۳

شیخ محمد عبداللہ پر کڑی نگاہ رکھنے والوں میں کرن سنگھ، ڈی پی در اور بخشی غلام محمد بھی تھے ۱۴۔ ڈی پی در کے متعلق ان کے معاصر سیاستدانوں کی رائے ہے کہ وہ ''کشمیر چھوڑ دو'' کے دنوں سے ہی بھارتی داخلہ وزارت کے شعبہ سُراغ رسانی سے وابستہ تھے ۱۵۔ سُراغ رسانی سے ان کی وابستگی کا عندیہ اُس وقت بھی ملتا ہے جب ۱۹۴۷ء میں بھارتی فوج نے واردِ کشمیر ہوکر گذرگاہوں اور سیاسی سرگرمیوں کی جانکاری حاصل کرنے کے لئے تمام ہندو رہنماؤں خاص کر شیام لال صراف، کشپ بندھو، شیام لال واٹھ، پی این جلالی، پیارے لال کارِہلو وغیرہ کے مقابلے میں ڈی پی در کو ترجیح دی تھی۔ کرن سنگھ لکھتے ہیں:

---

13. B.M. Mullik , p. 16.

14. Ibid. P. 18

۱۵۔ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۳۶۸۔

''ڈی پی در مرکزی حکومت کو کشمیر کے شب و روز سے باخبر رکھتے تھے۔ جو خفیہ اطلاعات فراہم کرنے کا ایک معتبر ذریعہ تھا'' ۱۶۔

بہر حال ایک طرف حکومت ہند شیخ محمد عبداللہ کو راستے سے ہٹانے کے لئے بہانے تلاش کرنے میں مصروف تھی۔ شیخ محمد عبداللہ اپنی تمام تر توجہ ''نیا کشمیر'' پر مرکوز کئے ہوئے تھے۔ جو ہندوستانی رجعت پسندوں کو ایک آنکھ بھی نہ بھاتا تھا۔

لینڈ ٹو ٹلر: شیخ محمد عبداللہ اور بھارت سرکار کے درمیان ناچاقی کی فضا لینڈ ٹو ٹلر پالیسی عملانے سے مزید مکدر ہوئی۔ ۵/ مارچ ۱۹۴۸ء کو وزارت اعظمیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے پندرہ روز بعد ۲۱/ مارچ کو شیخ عبداللہ نے ریڈیو کشمیر جموں سے نہ صرف جاگیردارانہ نظام ختم کرنے کا اعلان کیا۔ بلکہ زمین بلا معاوضہ کاشتکاروں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ بھی سُنایا۔ جس میں جاگیرداروں کے ۳۹۶ جاگیریں سمیت بیس لاکھ ایکڑ زمین شامل تھی۔ لینڈ ٹو ٹلر کا پروگرام سامنے آتے ہی جاگیردارانہ نظام کے حامی گوپالا سوامی آئینگر نے سردار پٹیل کی ائمہ پر شیخ عبداللہ کی نہ صرف شدید نکتہ چینی شروع کی بلکہ مذکورہ پالیسی کو عملانے میں بہت سی اڑچنیں پیدا کیں۔ مگر اِن تمام تر رُکاوٹوں کے باوجود شیخ صاحب اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے۔ پریم چند سہاجا والا رقمطراز ہے:

> "He (Abdullah) became dictatorial too. But, as the P.M (on March 5, 1948) he blessed the landless peasents of the state with the most memorable land reforms act. He directly transferred land to seven lakh landless peasents, including 2.5 lakh poor Hindu peasents from Jammu". ۱۷

اس فیصلے سے ہندوستان کے بعض سیاسی حلقوں میں زبردست ہل چل مچ گئی۔ جنہوں نے شیخ محمد عبداللہ کو مزید کوئی قدم اُٹھانے سے روکنے کی باضابطہ شروعات کی ۱۸۔

---

۱۶ ولی عہد، ص ۲۳۳۔ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۳۶۸۔

17. Jammu and Kashmir divide how it will began. Intetnet.

18. Ramachandra Guha, 2007, Sheikh Abdullah and Kashmir-1947-48, New Delhi, P.92

حقیقت میں بھارتی سرمایہ دار ہندو اور فرقہ پرست رہنما کشمیر میں جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ نہیں چاہتے تھے۔ ایسے عناصر کی پُشت پناہی ہندوستان کے مردِ آہن ولبھائی پٹیل کر رہے تھے [19]۔ جنہوں نے لینڈ ٹوٹلر پالیسی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ عیاں ہے کہ سردار جی کشمیر کے مقبول ترین عوامی رہنما شیخ محمد عبداللہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ جس کی صدائے بازگشت مندرجہ ذیل الفاظ میں سنائی دی جارہی ہے:

"Abdullah was never really trusted by the more conservative congress leaders like Sardar Patel". [20]

ایسے ہی خیالات کا اظہار پنڈت جواہر لال نہرو کے خارجہ اور دولتِ مشترکہ سیکریٹری وائی ڈی گنڈی ویا نے یوں کیا ہے:

"One would deny that the great and very powerful Sardar was not in love with Sheikh Abdullah and did not trust him at all". [21]

شیخ محمد عبداللہ خود کہا کرتے تھے کہ "سردار پٹیل اور دوسرے کئی لوگ مجھے قابلِ بھروسہ نہیں سمجھتے تھے" [22]۔

خاتمہ جاگیرداری میں جو مشکلات اور رکاوٹیں پیش آرہی تھیں۔ ان کو دور کرنے کے لئے مشیر مال مرزا محمد افضل بیگ کو کئی بار دلی جانا پڑا۔ کافی بحث ومباحثہ اور دلائل سننے کے بعد دلی سرکار نے ایک منسٹر صاحب (گوپالہ سامی آہنگر) کو کئی اعلیٰ عہدہ داروں کے ساتھ کشمیر بھیجا۔ تاکہ شیخ صاحب کو خاتمہ چکداری سے باز رکھا جائے۔ یہاں آکر انہوں نے واشگاف طور کہہ دیا کہ لینڈ ٹوٹلر پالیسی سراسر ہندوؤں کے خلاف ایک گہری سازش ہے بلکہ انہیں گھر سے بے گھر کرنے کا منصوبہ ہے۔ ہندوستان کی غالب اکثریت

---

۱۹ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۱۴۷۔

20. Dr. Karan Singhs, Heir Apparent, P. 39.
21. Y. D. Gundevia, 1974, The Testament of Sheikh Abdullah, New Delhi, P. 107.
22. Ibid, P. 107.

کی سوچ بھی یہی تھی کہ شیخ محمد عبداللہ ہندوؤں کا قافیہ حیات تنگ کرنے پر بضد ہیں ۲۳۔ خاتمہ چکداری اور لینڈ ٹو ٹلر کا قانون عملانے کے حق میں پنڈت جواہر لال نہرو بھی نہیں تھے۔ زبردست اختلافات کے باوجود نہرو کی ہمدردیاں مہاراجہ کشمیر اور ان کے جاگیرداروں کے ساتھ تھیں۔ انہوں نے شیخ محمد عبداللہ کو ایسا قدم اُٹھانے کے خطرات سے یوں آگاہ کیا تھا:

"...... to avoid provoking Jammu and Dogra sentiments in decisions concerning the sequastration of excess land and Harisingh's orchards". ۲۴

شیخ محمد عبداللہ نے ایک پریس کانفرنس میں خاتمہ چکداری کی عمل آوری میں رُکاوٹوں کے ردِعمل میں کہا تھا کہ اگر اُسے زرعی اصطلاحات سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی تو وہ وزارت اعظمیٰ کی کُرسی چھوڑ دینگے۔ ان کے الفاظ تھے:

"If he was not allowed to implement agrarian reforms, he would not continue as Prime Minister of Jammu and Kashmir". ۲۵

مخالفت کے باوجود ثابت قدم رہتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے (مہاراجہ ہری سنگھ، مہر چند مہاجن، گوپالا سوامی آئینگر، جواہر لال نہرو، سردار پٹیل اور رفیع احمد قدوائی کی پیدا کردہ رُکاوٹوں کے باوجود) خاتمہ چکداری کا آرڈیننس زیر نمبر ۱۰۷سی مورخہ ۲۰رجون ۱۹۵۰ء کو جاری کیا۔ جو ۶رجولائی ۱۹۵۰ء سے نافذ العمل ہوا۔ اس انقلابی آرڈیننس کی رو سے ۱۳رجولائی ۱۹۵۰ء کو شیر کشمیر نے مزید دس ہزار چھوٹے بڑے جاگیرداروں کی زمین کاشتکاروں میں تقسیم کیں۔ خاتمہ چکداری آرڈیننس جاری ہونے کے بعد ''تنسیخ قرضہ جات'' کا آرڈیننس بھی جاری کیا گیا۔ جس سے ریاست کے ان لاکھوں انسانوں

۲۳۔ رشید تاثیر، جلد سوم، ص ۴۱۷

24. Ajit Bhattacharjea, 2008, Shaikh Mohd. Abdullah: Tragic Hero of Kashmir, New Delhi, p. 172.

25. Ramachandra Guha. P. 92.

کو راحت ملی جو سود درسود کی وجہ سے بھاری قرضوں کے نیچے دب گئے تھے۔ اس آرڈیننس کی رو سے تمام قرضے منسوخ قرار پائے۔ سودخوری بھی کلعدم ہوئی۔ رہن پر دی گئی عورتیں، زمین اور دُکانیں وغیرہ غریبوں کو واپس مل گئیں۔ سودخواروں اور وڑھ داروں کی کمر ٹوٹ گئی۔ ''خاتمہ چکداری'' اور ''تنسیخ قرضہ جات'' قانون لاگو ہوتے ہی شہر و دیہات کے لوگ کئی روز تک جشن مناتے رہے۔ بقول عبدالرحیم مراد ''کسی کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ لوگ صدیوں کی جاگیرشاہی سے آزاد ہوکر مالک زمین بن جائیں گے۔ ''سوتو'' اور ''مکائی واٹھ'' کے بجائے لوگ ''بتہ'' کھائیں گے''۲۶۔ مرحوم عبدالرحیم مراد زندگی کے آخری دنوں تک غلام احمد مہجور کا یہ شعر گنگناتے تھے:

سَتھ ؤری برؤنہہ وؤن یہِ مہجورن، تی گوپُو راز
واو ہردنہِ زرد گُزھی گژھی پہن پتھر سرمایہ دار۲۷

ترجمہ: مہجور نے سات سال پہلے کہا تھا کہ وقت آئے گا جب سرمایہ دار لوگوں کا زوال اُسی طرح شروع ہوجائے گا جس طرح خزاں میں درختوں سے پتے زرد ہوکر گرجاتے ہیں۔

لینڈ ٹوٹلر پر عمل شروع ہونے کے بعد جاگیرداروں، چکداروں، سرمایہ داروں، ذیلداروں، سودخواروں اور وڑھ داروں نے مہاراجہ ہری سنگھ کے دربار میں دادرسی کی عرضی دائیر کی۔ جو خود تو بے یارومددگار تھے لیکن جھوٹی شان کی خاطر فریادیوں کی ڈھارس بندھاتے رہے۔ خود مہاراجہ نے خاتمہ چکداری اور لینڈ ٹوٹلر کے مسودوں پر دستخط کرنے سے بارہا انکار کیا تھا۔ مایوس ہوکر جاگیرداروں اور سودخواروں نے پر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ لیکن شیخ عبداللہ نے ایک حکم نامہ کے ذریعہ Debet Reconciliation Board مقرر کرکے ان اصلاحات کو عدالتوں کے دائرے سے باہر رکھا۔ اس بورڈ کو اصلاحات کے خلاف شکایات سے نمٹنے کا اختیار دیا گیا۔ جہاں شکایت کنندہ کے لئے وکیل پیش کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔ تاکہ ''قانونی

---

۲۶ مرحوم عبدالرحیم مراد ساکنہ حیات پورہ چاڈورہ سے ایک ملاقات۔ ۱۳/ جولائی ۲۰۰۹، عمر ۹۵۔
۲۷ کلیات مہجور، ص ۳۱۴۔

گورکھ دھندوں میں انصاف کو الجھا کر فیصلے کو طوالت کی نذر نہ ہونے دیا جائے ۲۸؎''۔
بڑے بڑے جاگیرداروں نے ملک کے سیاسی قائدین کو یاداشتیں پیش کیں اور وادیٔ کشمیر سے نکلنے والے اخبار ''مارٹنڈ'' کے ذریعہ جاگیرداری کو برقرار رکھنے کی وکالت کی۔ دریں اثناء صوبۂ جموں میں جاگیردارانہ نظام کی بحالی کے لئے زبردست مہم چلائی گئی۔ لوگوں کو شیخ محمد عبداللہ کی سرکار کے خلاف اُکسایا گیا۔ انہیں کشمیری، لداخی اور ڈوگر کے نام پر تقسیم کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس کی پُشت پناہی ڈوگرہ سرکار کے طرفدار اور خیرخواہ کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ کرن سنگھ جو ریاست کے ریجنٹ مقرر ہوئے تھے، بھی لینڈ ٹوٹلر پالیسی کو نیست نابود کرنے کی حد سے زیادہ کوشش میں مصروف تھے۔ جس پر شیخ صاحب نے سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ریجنٹ کو یوں وارننگ دی:

"I can only tell him ..... that his future will not be far different from that of his father".۲۹؎

ادھر جاگیرداروں نے اپنی شکایات مرکزی سرکار تک بھی پہنچائیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو، سردار ولبھائی پٹیل اور رفیع احمد قدوائی نے انہیں ہر ممکن انصاف دلانے کا وعدہ کیا۔ حالانکہ لینڈ ٹوٹلر کے معاملے میں ان لوگوں نے شیر کشمیر کے سامنے گھٹنے ٹیک دئے تھے۔ چنانچہ بھارت سرکار نے شیخ عبداللہ سے نمٹنے اور انہیں زیر کرنے کے بہانوں میں زبردست شدت لائی۔ دہلی میں بیٹھے ارباب اقتدار اور جاگیر سے عزل کئے گئے جاگیرداروں نے شیخ عبداللہ کے خلاف کئی نوعیت کے سوانگ رچائے۔ سردار پٹیل کی کوٹھی اِن سازشوں کا مرکز بنی رہی ۳۰؎۔ کشمیر میں زرعی اصلاحات کی وجہ سے ہندوستان کے جاگیرداروں میں بھی سنسنی پھیل گئی۔ چنانچہ انہوں نے ریاست کے جاگیرداروں کا ساتھ دیا اور مشترکہ طور شیخ صاحب کی دوبارہ حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تاکہ

۲۸؎ آتش چنار، ص ۴۹۴۔

29. Dr. Mohd. Amin Malik, 2010, The Role of National Conference in Politics of Jammu and Kashmir, Srinagar, P. 271-320.

۳۰؎ آتش چنار، ص ۴۹۵۔

انہیں اقتدار سے بے دخل کر کے جاگیردارانہ نظام کی دوبارہ بحالی یقینی بن جائے۔ ہندوستانی لیڈر شپ اور جاگیردارانہ برادری نے شیخ عبداللہ پر ہندوؤں کے حقوق پامال کرنے کا الزام لگا کر فرقہ پرستی کا لیبل چسپان کر دیا اور انہیں ہندوستان کی سالمیت کے لئے خطرہ قرار دیا گیا۔ غرض الزامات کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوا۔

آئینی تحفظات: جب ہندوستانی آئین بنانے کی شروعات ہوئی تو شیخ محمد عبداللہ، مرزا محمد افضل بیگ، مولانا محمد سعید مسعودی اور موتی رام بیگڑہ کو اس کا ممبر نامزد کیا گیا۔ ہندوستان کی اس آئین ساز اسمبلی نے کشمیر کو ہند یونین کے ساتھ مکمل ادغام کی تجویز پیش کی جو کہ شیخ محمد عبداللہ کو قطعاً منظور نہ تھا برعکس اِسکے کشمیر کو خصوصی درجہ دینے کی زوردار مانگ کی۔ لیکن آئین سازوں نے اس کی مخالفت کی۔ نتیجہ کے طور پر شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر کو آئین ہند سے باہر رکھنے کی تجویز رکھی مگر آئین ساز ممبران نے اسکی شدید مخالفت کی۔ کافی جدوجہد کے بعد شیخ عبداللہ نے بے شمار اڑچنوں کا مقابلہ کرنے کے بعد بھارت سرکار کو ریاست کے لئے ایک تو دفعہ ۳۷۰ کے تحت خصوصی درجہ دینے پر مجبور کیا اور ریاست کے لئے ایک علیٰحدہ آئین کی مانگ بھی منوائی ۳۱۔ جس سے ریاست کو ایسا قانونی تحفظ حاصل ہوا۔ جو برصغیر کی کسی دوسری ریاست کو نصیب نہ ہوا۔ مشہور مورّخ اور تجزیہ نگار اروند لاواکری لکھتے ہیں کہ ''شیخ محمد عبداللہ اتنے زمانہ ساز اور وقت شناس تھے کہ ۱۹۵۰ء میں انہیں غیر متوقع طور آئین ہند میں دفعہ ۳۷۰ شامل کرانے میں کامیابی ملی جو اُن کا اہم کارنامہ ہے'' ۳۲۔ اس دفعہ کے تحت ریاست کو اپنا علیٰحدہ جھنڈا اور وزیر اعظم مقرر کرنے کا اختیار حاصل ہوا۔ کوئی بھی بھارتی شہری جموں وکشمیر میں مُستقل سکونت نہیں کر سکتا اور نہ ہی زمین و جائداد خریدنے کا مستحق ہوگا۔

جب شیخ محمد عبداللہ یو این او سے واپس آئے تو انہوں نے مایوسانہ انداز میں کہا کہ اقوام متحدہ مسئلہ کشمیر کے تئیں ''شہزادہ کے بغیر گاؤں، والا ڈرامہ کھیل رہا ہے۔ وہ مسئلہ

---

31. Mohan Krishen Teng. 1990, Article 370. New Delhi. P.9.
32. What is the reason of Kashmir dispute and how it can be solved. yahoo. Answers. India.com

کشمیر کو خوامخواہ لٹکا رہا ہے اس ادارہ سے انصاف کی توقع رکھنا فضول ہے ۳۳۔

شیخ محمد عبداللہ ''نیا کشمیر'' کو من وعن عملانے کے لئے انتہائی بے تاب تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ کشمیر ہر میدان میں ترقی کے منازل طے کرے۔ لیکن یہاں کی غیر یقینی صورتحال سے ہر کام رُکا پڑا تھا۔ اس لئے انہوں نے آئین ساز اسمبلی قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ جہاں مندرجہ ذیل چار بڑے امور کا فیصلہ کرنا مقصود تھا۔

۱۔ الحاق کی تردید یا توثیق

۲۔ قانون خاتمہ چکداری کی رو سے کاشتکاروں میں تقسیم کی گئی زمین کے بدلے جاگیرداروں کو معاوضہ دیا جائے یا نہیں ۳۴۔

۳۔ کشمیر میں موروثی حکمرانی رہے یا عوامی۔

۴۔ نیا کشمیر کو مدنظر رکھ کر ریاستی آئین بنانا۔

چنانچہ ۱۹۵۰ء میں نیشنل کانفرنس نے مندرجہ بالا مسائل حل کرانے کے لئے ایک قرارداد کے ذریعہ آئین ساز اسمبلی بنانے کی سفارش کی۔ اس پس منظر میں شیخ عبداللہ نے یکم مئی ۱۹۵۱ء کو کرن سنگھ کے ساتھ صلح مشورہ کر کے ایک فرمان جاری کرایا ۳۵۔ جس پر پاکستان نے زبردست ناراضگی ظاہر کی۔ انہوں نے اینگلو امریکی بلاک کی چاہت کے مطابق اس مسئلے کو اقوام متحدہ کی نوٹس میں لایا۔ جس نے ایک نوٹیفیکشن کے ذریعہ وضاحت کی کہ الیکشن کرانے سے کشمیر کی رائے شماری پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا ہے ۳۶۔ پاکستانی اعتراض کے باوجود شیخ عبداللہ نے ستمبر ۱۹۵۱ء میں الیکشن کرائے۔ نیشنل کانفرنس نے ۷۵ میں سے ۷۳ سیٹیں جیت لیں۔ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کو اسمبلی کا پہلا اجلاس سرینگر میں منعقد ہوا۔ جس میں کئی کمیٹیاں بنائی گئیں۔ تا کہ مذکورہ بالا امور کو حتمی شکل دی جائے۔

۳۳۔ سید میر قاسم، ۱۹۸۵ء داستان حیات، دلی، ص ۱۱۶۔

۳۴۔ شیخ محمد عبداللہ نے بلا معاوضہ زمین تقسیم کی تھی۔ لیکن بھارت سرکار جاگیرداروں کو معاوضہ دینے کی مانگ کر رہی تھی۔ اس لئے شیخ صاحب نے مسئلہ کو اسمبلی میں حل کرانے کا فیصلہ کیا۔

35. Mohan Krishen Teng, R.K. Kaul, Santosh Kaul, 2006, Kashmir Legal and Historical Documents. No. 120, P. 244.

36. wp%20233%20-% 20 Khalid.pdf-P.7 Internet korbel, p.221.

مرزا محمد افضل بیگ کی سربراہی میں بنیادی اصولوں، بنیادی حقوق اور مسودہ جات کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ لیکن مہینوں بعد بھی کسی کمیٹی نے کوئی سفارش پیش نہیں کی۔ کیونکہ کمیٹیوں کے ممبران میں کئی معاملات پر اختلافات پیدا ہوئے۔ جس کے باعث حتمی رپورٹ بروقت پیش نہ ہوسکی۔ اختلافات کی خاص وجہ یہ تھی کہ کئی ممبران بھارت سرکار کے اشاروں پر کام کررہے تھے۔ مرزا محمد افضل بیگ بھارت کو محدود سے محدود اور ریاست کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دینے کے حق میں تھے۔ جبکہ بخشی غلام محمد ان تجاویز کا مذاق اُڑا رہے تھے[۳۷]۔ بیگ صاحب کی یہ تجویز موقعہ پرست سیاستدانوں نے دلی تک پہنچائی تو ریاست اور مرکز کے درمیان زبردست ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ ان حالات کے پیش نظر شیخ صاحب نے کمیٹیوں کے سربراہ سے نامکمل رپورٹ طلب کی۔ تاکہ جتنا کچھ آئین تیار ہوا ہے، اُسے عملانے کا کام شروع کیا جائے۔ لیکن اس تجویز پر عمل پیرا ہونے سے پہلے ہی ورکنگ کمیٹی کے ممبران نے پھر روڑے اٹکا کر بھارت سرکار کی رائے جاننے کی تجویز رکھی۔ چنانچہ ایک وفد شیخ محمد عبداللہ کی سربراہی میں دلی روانہ ہوا۔ جس میں مرزا محمد افضل بیگ، بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، مولانا محمد سعید مسعودی اور سید میر قاسم شامل تھے۔ وفد نے سب سے پہلے جو آئینی مسئلہ بھارت کے ساتھ اُٹھایا وہ مہاراجہ کے بدلے منتخب سربراہ مملکت کا تھا۔ لیکن دلی والے اس معاملے پر بات کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ تمام امور پر ایک ساتھ بات چیت کی جائے۔ اس حوالہ سے سید میر قاسم لکھتے ہیں:

> ''اصل میں بات یہ تھی کہ وہ اس معاملے کو علیحدہ طے کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ مہاراجہ اور خاندانیت کا ہٹنا ان کے لئے ایک اشتعال انگیز معاملہ تھا اور یہاں ایک منتخب سربراہ مملکت رکھنے پر بھی وہ خوش نہیں تھے''[۳۸]۔

یہ رویہ دیکھ کر شیخ محمد عبداللہ مایوس ہوئے بلکہ ان پر شاق گذری۔ وہ مسائل کو ایک

37. Syed Mir Qasim, 1985, Dastan-Hayat, Srinagar, PP. 134-135.

۳۸۔ داستان حیات، ص ۱۴۰۔

ایک کر کے حل کرنے پر بضدر ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس بحرانی کیفیت سے نمٹنے کی ذمہ داری مولانا ابوالکلام آزاد کو سونپی گئی۔ جنہوں نے شیخ عبداللہ سے صاف کہہ دیا کہ صدر، جھنڈا، عدلیہ اور مالی روابط وضوابط جیسے امور کے متعلق تفصیلی بات چیت لازمی ہے جس کا طریقہ کار ڈھونڈ نکالنا اولین شرط ہے۔ مرکز کی یہ باتیں جونہی شیخ صاحب کے کانوں تک پہنچ گئی، وہ برانگیختہ ہو کر کہنے لگے:

"یہ باتیں ابھی کہاں سے آئیں کہ جھنڈے کا بھی ابھی ہمارے ساتھ فیصلہ ہو جائے، کشمیر پر سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار رکھنے کا معاملہ بھی ابھی اسی وقت طے ہو جائے، ہم تو ایک سیدھی سی بات لے کر آپ کی خدمت میں آئے ہیں کہ ہم مہاراجہ کے بدلے صدر ریاست کو سربراہ ریاست بنانا چاہتے ہیں۔ جو منتخب ہوگا اور جسے صدر جمہوریہ ہند تسلیم کرے گا۔ ہمارا مسئلہ تو سیدھا سادہ ہے اور آپ نے اسے انتہائی وسیع کر ڈالا"[۳۹]۔

کافی بحث ومباحثہ کے باوجود شیخ عبداللہ اور ابوالکلام آزاد کے درمیان اتفاق رائے پیدا نہ ہوسکا۔ نتیجہ کے طور شیخ صاحب طرح طرح کے شکوک وشبہات لیکر کشمیر لوٹ آئے۔ وہ اب سوچنے لگے کہ بھارت سرکار اپنا الو سیدھا کرنا چاہتی ہے۔ شیخ صاحب نے تہیہ کیا کہ اب ہر قدم بہت احتیاط کے ساتھ اُٹھانا پڑے گا ورنہ بھارت سرکار کے لوگ کشمیریوں کو پتہ نہیں کِن کِن مشکلات میں مبتلا کریں گے۔ انہیں قطعیت کے ساتھ یہ امید نہیں تھی کہ آئین ساز اسمبلی میں شیخ صاحب جو بھی فیصلہ لے گا، وہ مرکز کو بھی تسلیم ہوگا کہ نہیں[۴۰]۔

شیخ محمد عبداللہ کی اس کشمیر نوازی کا توڑ کرنے کے لئے پنڈت نہرو نے مرزا محمد افضل بیگ اور مولانا محمد سعید مسعودی کو اپنے شیشہ میں اُتارنے کی کافی کوشش کی۔ چنانچہ ۱۹/جون ۱۹۵۲ء کو پنڈت جی نے دُرگا پرشاد در کے روبرو بیگ صاحب اور مسعودی صاحب سے کھل کر کہا کہ آئین سازی کو حتمی شکل دینے سے پہلے کشمیر اور ہندوستان کے

۳۹۔ مذکورہ، ص ۱۴۳۔
۴۰۔ مذکورہ، ص ۱۴۳۔

رشتوں کو بالکل واضح کیا جائے ۴۱۔ غیر مصدقہ اطلاع کے مطابق پنڈت نہرو کے جادو کا اثر مسعودی صاحب پر کسی حد تک ہوا جبکہ مرزا محمد افضل بیگ پر وہ جادو نہ چلا۔ بہ ایں ہمہ شیخ محمد عبداللہ ہندوستان کی کشمیر پالیسی سے متنفر ہوئے۔ اور باضابطہ اعلان کیا کہ ریاست کا آئین بنانے میں کوئی جلدی نہیں ہے۔ ایسا بیان سامنے آتے ہی نیشنل کانفرنس کے قائدین اور اراکین بھارت سرکار میں چہ میگوئیاں ہونی لگیں۔ جس سے دلی میں بیٹھے کانگریسی قائدین قسم قسم کے خدشات کا اظہار کرنے لگے۔ ان تلخیوں کا لاوہ اُس وقت پھوٹ پڑا جب ۱۱/اپریل ۱۹۵۲ء کو شیخ محمد عبداللہ نے جموں کے رنبیر سنگھ پورہ میں ایک عوامی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> ''ہم نے بندھوا مزدوروں کی طرح ہند سے الحاق نہیں کیا ہے کہ ہمیں ہر الم غلم حکم نامے پر انگھوٹھہ لگانے کا حکم دیا جائے۔ ہم ہندوستان سے اصولوں کی ہم آہنگی کی بنا پر ملحق ہوئے ہیں۔ ان اصولوں کا ہندوستان کو احترام کرنا چاہئے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ ہم کشمیر میں ہندوستان کے آئین کو اُس وقت کلیتاً نافذ کرنے کے لئے تیار ہونگے جب ہم اس بات کے قائل ہوجائیں گے کہ ہندوستان میں فرقہ پرستی کی قبر حتمی طور کھودی گئی ہے۔ ابھی ہم اس پر باور کرنے کے لئے تیار نہیں'' ۴۲۔

اس بیان کو ہندوستانی اخبارات اور فرقہ پرست جماعتوں نے خوب اُچھالا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی ناراضگی کا اظہار کیا لیکن شیخ صاحب نے پنڈت جی کو مشورہ دیا کہ حالات کا ارتقائی جائزہ لیکر سچ اور جھوٹ کو پرکھا جائے کہ صحیح کون ہے اور غلط کون۔ ان پرتناؤ سیاسی حالات کے چلتے شیخ عبداللہ نے ۷/جون ۱۹۵۲ء کو ریاست کی آئین ساز اسمبلی میں ریاستی پرچم کے متعلق ایک قرارداد پیش کی جسے ایوان کے ممبران خاص کر گرداری لال ڈوگرہ، مرزا محمد افضل بیگ، سید ابراہیم شاہ، عبدالغنی گونی، بخشی غلام محمد، کریشن دیو سیٹھی، کوشک بکولہ، غلام رسول رینزو، مہاشہ نہار سنگھ، سردار گلبیر سنگھ، عبدالغنی

41. Selected Works of Jawaharlal Nehru, Vol. 18, P. 403.

۴۲۔ آتش چنار، ص ۵۷۹۔

ترالی، بھگت رام شرما، سردار ہربنس سنگھ آزاد، اشرادیوی موہنی، مولوی انور شاہ مسعودی، ہیم راج جنڈیال، غلام رسول کرائیپاک اور شیخ محمد ابراہیم نے طویل مباحثہ کے بعد بہ اتفاق رائے منظور کیا۔ اور اس طرح ہل والا جھنڈا ریاست کا قومی جھنڈا قرار پایا[۴۳]۔ جھنڈے کا فیصلہ سامنے آتے ہی مرکز نے شیخ صاحب کے تیور جانچ لئے۔ اس لئے پنڈت جواہر لال نہرو نے شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھیوں کو آئینی صلح ومشورہ کے لئے دلی آنے کی دعوت دی۔ جہاں وہ تمام مسائل زیر بحث لائے گئے جن کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں آیا ہے۔ کئی تناوی نشستوں کے بعد جو نقطے اور مسائل طے ہوئے ان کے مطابق ریاست میں سربراہ ''مملکت صدر'' ریاست کہلائے گا جو صدر جمہوریہ ہند کا تسلیم شدہ ہوگا۔ کشمیر میں بھارتی جھنڈے کے ساتھ ساتھ ہل والا پرچم ریاست کا سرکاری اور قومی جھنڈا ہوگا۔ صدر جمہوریہ ہند کے اختیارات محدود ہونگے۔ یہی وہ مسائل ہیں جو ۲۴ر جولائی ۱۹۵۲ء کو بھارت اور کشمیر کے درمیان طے ہوئے۔ جسے معاہدہ دلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اِن مذاکرات کے دوران بعض اہم باتوں پر اختلافات بھی سامنے آئے۔ مثلاً بھارت سرکار اس بات پر زور دے رہی تھی کہ ریاست جموں وکشمیر کو بھارتی سپریم کورٹ کے دائرہ اختیار میں رہنا چاہئے۔ دوسرا یہ کہ ریاست بھارت کے فائنانشل انٹیگریشن کے تحت رہنی چاہئے اور تیسرا یہ کہ یکسان شہریت کا اطلاق ریاست پر بھی ہونا چاہئے۔ شیخ محمد عبداللہ نے ان باتوں کو قبول کرنے سے صاف انکار کیا۔ آخر یہ معاملات قطعی فیصلے کے لئے ورکنگ کمیٹی کے سپرد کرنے پر اتفاق ہوا۔ دلی معاہدہ طے ہونے کے بعد ۱۵ر نومبر ۱۹۵۲ء کو ریاستِ جموں وکشمیر کی آئین ساز اسمبلی نے یوراج کرن سنگھ کو ''صدر ریاست'' منتخب کیا اس طرح شخصی راج کا خاتمہ ہوا۔ نوجوان کرن سنگھ صدر ریاست بننے پر زیادہ خوش نہیں تھے۔ بھارت سرکار کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کرن سنگھ نے تجویز رکھی کہ صدر بننے سے پہلے پورا آئین تیار کیا جائے لیکن شیخ عبداللہ نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کرن سنگھ کی اس خواہش کا تار سردار

---

43. Office Report of Assembly Debate 1951-1955, Vol. I, Part I, PP. 324-356.

پٹیل، گوپالاسوامی آئینگر اور رفیع احمد قدوائی کے مشوروں سے جُڑی ہوئی ہے۔ جموں کی ڈوگرہ آبادی نے کرن سنگھ کے صدر بننے کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ ان کا الزام تھا کہ صدر بن کر انہوں نے ڈوگروں کو کشمیریوں کے ہاتھوں فروخت کر ڈالا۔

اس بیچ ورکنگ کمیٹی نے دلی معاہدہ سمیت متنازعہ مسائل پر بحث مباحثہ کا سلسلہ پھر شروع کیا۔ چند نشستوں کے بعد ورکنگ کمیٹی ایک بار پھر رسہ کشی کی شکار ہوگئی۔ بعض ممبران حسب سابقہ ہندوستان کی طرفداری کرتے رہے۔ اس کا سد باب کرنے کے لئے شیخ عبداللہ نے مشورہ دیا کہ آئین سازی کے مسودات جو مرزا محمد افضل بیگ، پروفیسر جانکی ناتھ بھان اور مظفر شاہمیری نے تیار کئے ہیں، عوام کی جانکاری کے لئے مشتہر کئے جائیں۔ لیکن ورکنگ کمیٹی نے ایسا قدم اُٹھانے سے ''بھارت کشمیر'' تعلقات میں خلیج پیدا ہونے کا جھوٹا خدشہ ظاہر کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ورکنگ کمیٹی میں کشیدگی جاری رہی۔ اس لئے نہ دلی معاہدہ کے نقائص دور ہوئے اور نہ ہی آئین سازی میں پیش رفت ہوئی۔ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے شیخ عبداللہ نے تمام معاملات قانون دانوں کی ایک کمیٹی کے سُپرد کئے مگر خود اس تذبذب میں رہے کہ نہ معلوم کمیٹی کس نوعیت کی رپورٹ پیش کرے گی۔ آپ کمیٹی کے ممبران سے بار بار کہتے رہے کہ بھارتی لیڈروں کی نیت ٹھیک نہیں اور یہ کہ جواہر لال نہرو دفعہ ۳۷۰ کو آہستہ آہستہ ختم کرنے کے درپے ہیں۔ جبکہ شیاما پرشاد مکھرجی اس دفعہ کو بیک جنبش قلم ہٹانے کی تحریک چلا رہے ہیں[۴۴]۔

ستم ظریفی دیکھئے کہ درگا پرشاد در نے ورکنگ کمیٹی کے سارے راز خفیہ طور مرکزی سرکار تک پہنچائے[۴۵]۔ نتیجہ کے طور دلی والوں نے اپنے گریبان میں جھانکنے کے بجائے دلی معاہدہ کو التوا میں ڈال کر اسکی ذمہ داری شیخ محمد عبداللہ پر عاید کی۔ دلی معاہدہ پر عمل نہ ہونے کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس کے بعض ذیلی دفعات میں دلی کی طرف سے دانستہ طور ابہام پیدا کیا گیا تھا۔ جسکو دور کرنے کے لئے شیخ عبداللہ نے ورکنگ کمیٹی کی خدمات حاصل کرنا چاہیں مگر معاملہ جوں کا توں رہا۔

---

۴۴ سید میر قاسم، ص ۱۶۲۔
۴۵ ڈاکٹر کرن سنگھ، ولی عہد، ص ۳۳۲۔۳۳۹۔

جن سنگھ ایجی ٹیشن: ایک طرف بھارت سرکار کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ مکمل ادغام کا منصوبہ عملانے کے حربے آزمارہے تھی تو دوسری طرف بنگالی سیاستدان ڈاکٹر شیاما پرشاد مکھر جی ریاست کی خصوصی پوزشن ختم کرنے کے در پے تھے۔ ۱۹۵۱ء میں جن سنگھ کی بنیاد ڈالنے کے بعد اپنے چار نکاتی منشور میں اُنہوں نے دفعہ ۳۷۰ کو ہٹانے اور کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ ضم کرنے کا نعرہ بلند کیا۔ اس نعرہ کی شہہ پر پرجا پریشد جموں نے تشدد کا سہارا لیکر جن سنگھی تحریک کی آبیاری شروع کی۔ جس کی حمایت وزیر امور کشمیر گوپالا سوامی آئینگر نے یوں کی تھی:

> ''یہ خصوصی برتاؤ کشمیر کے مخصوص حالات کا نتیجہ ہے۔ یہ ریاست ابھی ضم کیئے جانے کے قابل نہیں ہوئی ہے۔ ہر شخص کی یہ توقع ہے کہ آگے چل کر ریاست جموں و کشمیر بھی اس قابل ہو جائے گی کہ وہ بھی اسی طرح ضم ہو جائے جس طرح اور ریاستیں ہوئی ہیں''۴۶۔

ان بیانات سے پرا جا پریشد کے حوصلے بلند ہوئے۔ انہوں نے جن سنگھ کے کہنے پر اور مہاراجہ ہری سنگھ کی حمایت سے ایک دیش میں دو ودھان، دو پردھان اور دو نشان نہیں چلیں گے کے نعرہ بلند کیئے ۴۷۔ پرجا پرشد مطالبہ کررہی تھی کہ پاکستان سے آئے ہوئے ہندوؤں اور سکھوں کو جموں میں مستقل طور بسایا جایا۔ ظاہر ہے اِس مطالبے کا مقصد یہ تھا کہ جموں میں مسلمانوں کا تناسب آبادی مزید کم ہو جائے۔ پرجا پریشد کی مذکورہ ایجی ٹیشن میں اکالی دل پنجاب کے صدر ماسٹر تارا سنگھ کی حمایت بھی حاصل تھی۔ فساد کی قیادت اگر چہ ظاہری طور پرجا پریشد جموں کررہی تھی مگر عملاً اس کی باگ ڈور جن سنگھ اور داہنے بازو کی دوسری پارٹیوں کے ہاتھوں میں تھی ۴۸۔

جن سنگھی پالسیوں سے شیخ محمد عبداللہ اور بھارت کے تعلقات اُس وقت مزید خراب ہو گیئے جب ۱۹۵۳ء کے ابتدائی چھ مہینوں میں نہرو مکھر جی اور عبداللہ مکھر جی کے

۴۶۔ کاروائی لوک سبھا، ۷/اگست، ۱۹۵۲ء، کالم، ۵۸۰۰۔

47. wp%20233%20-% khalid.pdf.

48. Sisir Gupta, p. 38.

درمیان الزامات اور جوابی الزامات کی نامہ فرسائی ہوئی۔ مکھر جی نے ایجی ٹیشن چلانے کے لئے بذاتِ خود جموں آنے کا فیصلہ بھی کیا۔ نتیجہ کے طور اُنہیں کارکنوں سمیت سرحد کی خلاف ورزی کرنے پر راوی کے مادو پور پُل سے گرفتار رکھا گیا ۴۹۔ نشاط باغ کے ایک عالیشان مکان میں مکھر جی کو قید کیا گیا۔ دل کے عارضہ میں مبتلا یہ قیدی حرکت قلب بند ہونے سے ۲۳ رجون ۱۹۵۳ء کو فوت ہوا۔ جس کی تمام تر ذمہ داری ہندوستان نے شیخ عبداللہ پر عاید کی۔ شیخ صاحب نے اس کے ردِعمل میں کہا کہ پنڈت جی اور مولانا آزاد ان ہی دنوں کشمیر آئے تھے۔ توقع تھی کہ وہ ڈاکٹر شیاما پرشاد مکھر جی سے ملاقات کریں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میری خواہش تھی کہ گرفتاری کے بعد مکھر جی کو دہلی بھیج دیا جائے لیکن وزیر امن وانتظام اور داخلہ بخشی غلام محمد نے اس مسئلے کو اپنے طریقہ سے نمٹنے کی کوشش کی جبکہ شیام لال صراف کے چارج میں محکمہ صحت وجیل خانہ جات تھے۔ اس لئے مکھر جی کے ساتھ میرا رابطہ بخشی صاحب اور صراف صاحب کے ذریعہ قائم تھا ۵۰۔ مندرجہ بالا بیان سے یہی کچھ اخذ ہوتا ہے کہ مکھر جی کی موت کو سیاسی رنگ دینے کے پیچھے وہی سازش کارفرما تھی جس کا مقصد شیخ عبداللہ کی سرکار کو چلتا کرنے کا بہانہ ڈھونڈنا تھا ۵۱۔ اس گھناؤنی سازش کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب شیخ صاحب نے برطرفی سے پہلے اور بعد میں ہندوستانی قائدین سے مکھر جی کی موت کی تحقیقات کا مطالبہ کیا تھا لیکن کسی نے توجہ نہیں دی۔

دریں ایام پنڈت جواہر لا نہرو حالات کا جائزہ لینے کے لئے کشمیر تشریف لائے اور شیخ عبداللہ سمیت ورکنگ کمیٹی کے ممبران سے ملاقات کی۔ بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق نے ملاقات کے دوران پنڈت جی سے صاف صاف کہا کہ ورکنگ کمیٹی کے ایک دو ممبران سمیت شیخ صاحب اور بیگ صاحب ہندوستان سے قطعی طور ناطہ توڑ کر کشمیر کو

---

۴۹ ان دنوں ریاست میں داخل ہونے کے لئے ریاستی سرکار سے پرمٹ حاصل کرنا ضروری تھا۔ پرمٹ کے بغیر کوئی بھی شخص داخلِ ریاست نہیں ہوسکتا تھا۔

۵۰ شیخ محمد عبداللہ، دوست یا دشمن، ص ۱۴۰۔

۵۱ آتش چنار، ص ۵۵۷۔۵۵۹۔

آزاد رکھنے کا پلان بنا رہے ہیں۔ جبکہ باقی سبھی ممبران ہندوستان کے ساتھ رشتوں کو تقویت دینے کے حق میں ہیں۔ یہ بات سنتے ہی پنڈت نہرو تلملا اُٹھے۔ انہیں اس موقع کی بھنک محسوس ہوئی جس کا نہ صرف اُن کی ذات بلکہ پورے ہندوستان قوم کو ۱۹۴۷ء سے ہی انتظار تھا کہ کب اور کس وقت کشمیر کے قوم پرست رہنما شیخ محمد عبداللہ کو اپنے عہدہ سے ہٹایا جائے تا کہ کشمیریوں کے حقوق پر شب خون مارنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ پنڈت نہرو اور شیخ عبداللہ کی بات چیت بھی بالکل بے سود رہی۔ پنڈت نہرو نے دلی روانہ ہوتے وقت شیخ محمد عبداللہ کے ہاتھ میں ایک پرچی تھمادی۔ جس کی عبارت نے شیخ عبداللہ کو سکتے میں ڈالدیا:

> ''میری اطلاع کے مطابق کشمیر کے بارے میں آپ کے ذہن میں ایک نیا خیال اُبھر رہا ہے کہ کشمیر آزاد ریاست ہو جائے۔ میں ایک طشتری پر کشمیر کو پاکستان کے حوالہ کرنے کو تیار ہو سکتا ہوں۔ لیکن اسے ایک آزاد ریاست ہونے کے حق میں نہیں ہو سکتا ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں یہ دو مملکتوں کے سر پر ایک لٹکتی ہوئی تلوار بن کر بین الاقوامی سازشیں کرنے والی طاقتوں کے ہاتھ میں آجائے گی''۔ ۵۲

یہ عبارت پڑھ کر شیخ محمد عبداللہ کے رویہ میں زبردست بدلاؤ آیا۔ انہیں دلی سرکار اور بھارتی قائدین پر کوئی بھروسہ نہ رہا۔ چنانچہ ایک خط میں پنڈت نہرو کو یوں خبردار کیا:

> ''آپ کے ساتھ دوستی کے تعلقات کے باوجود اب ایک ایسا وقت آگیا ہے جب ذاتی اور دوستانہ تعلقات کو مُلک کیلئے قربان کیا جانا چاہیے''۔ ۵۳

شیخ محمد عبداللہ اور مرکز کے تعلقات بد سے بدتر ہو گئے۔ اس بیچ پنڈت نہرو نے مولانا آزاد اور رفیع احمد قدوائی کی توسط سے تعلقات میں حائل رُکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ مگر شیخ محمد عبداللہ جانتے تھے کہ ان حضرات کی کوششوں کا مقصد پنڈت جی

---

۵۲ داستان حیات، ص ۱۷۹۔

۵۳ صوفی محی الدین، ص ۱۲۲۔

سے مختلف نہیں ہے۔ پھر بھی ان لیڈروں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں لیکن بے سود۔

متبادل لیڈر کی تلاش: تاریخی اوراق کھنگالنے سے ایسے اشارے مل رہے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بھارے کے اعلیٰ قائدین خاص کر سردار پٹیل ۱۹۴۷ء کے اواخر سے ہی نیشنل کانفرنس میں پھوٹ ڈال کر شیخ محمد عبداللہ کا متبادل تلاش کرنے لگے تھے۔ اس سلسلے میں ان کی نگاہیں شیخ محمد عبداللہ کے قریبی ساتھی بخشی غلام محمد پر الحاق کے وقت سے ہی ٹکی تھیں۔ جس کا واضح اشارہ اُس میٹنگ سے ملتا ہے۔ جو مہاراجہ کشمیر کی "عرضی برائے الحاق" پر صلح و مشورہ کے لئے بلائی گئی تھی۔ جس میں ماؤنٹ بیٹن، پنڈت ولبھائی پٹیل، بلدیو سنگھ، بوچر اور رُوسل کے علاوہ بخشی غلام محمد بھی موجود تھے[۵۴]۔ سردار پٹیل بخشی غلام محمد کو کافی اہمیت دیتے تھے۔ ان کی باتوں کو غور سے سنا جاتا تھا۔ اطلاع ہے کہ سردار پٹیل اور بخشی غلام محمد ہندوستانی فوج وارد کشمیر ہونے کے دو مہینے بعد ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے تھے۔ جب اول الذکر نے موخر الذکر کے کہنے پر صوبہ جموں میں کئی جلسوں کا اہتمام کیا تھا[۵۵]۔ ۱۹۴۸ء میں پٹیل اور بخشی کے تعلقات اتنے مضبوط ہو چکے تھے کہ مرزا محمد افضل بیگ کو نائب وزیر اعظم کے عہدہ سے ہاتھ دھونا پڑا۔ جس کی صدائے بازگشت مندرجہ ذیل سطور سے سُنی جا سکی ہے:

> "مسٹر بیگ کا خیال تھا کہ حکومت ہند نے بخشی صاحب کی ناجائز حمایت کر کے ان کو نائب وزیر اعظم کے طور پر ٹھونسا۔ وہ شیخ صاحب کے زیادہ تر قریب ہو کر مہاراجہ ہری سنگھ کے وقت نیشنل کانفرنس کی طرف سے "پاپولر منسٹر" بھی رہ چکے تھے۔ لیکن حکومت ہند نے بخشی صاحب کی غیر واجب حوصلہ افزائی کر کے ان کا حق مارا ہے"[۵۶]

بخشی صاحب ۱۹۴۹ء تک مرکزی داخلہ وزرات کے قرابت داروں میں شمار ہونے

---

54. Prabha Chopra (ed.) 2002, Sardar Patel: Kashmir and Hyderabad, New Delhi, P.7.

55. Ibid, P. 65.

۵۶ پیارے لال کول ۱۹۷۲ء، کشمیر کے شب وروز، سرینگر، ص ۲۰۔

لگے تھے۔ وہ اور ڈی پی در محکمہ داخلہ کے اعلیٰ عہدہ داروں کے ساتھ اکثر و بیشتر کشمیر کے معاملات پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کی پنڈت نہرو اور ولبھائی پٹیل کو کشمیر کے نائب وزیر اعظم پر زبردست بھروسہ بڑھ گیا تھا۔ منشی غلام حسن لکھتے:

"Nehru and Patel had decided to replace Shaikh sahib by Bakshi sahib in the year 1950"۵۷

شیخ محمد عبداللہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ انہیں ۱۹۵۱ء میں باوثوق ذریعہ سے اطلاعات مل رہے تھے کہ بخشی غلام محمد کو ایک متبادل لیڈر کے طور تیار کیا جارہا ہے"۵۸

نیشنل کانفرنس میں پھوٹ ڈالنے کی سازش:

مرکزی قائدین ۱۹۴۷ء سے ہی نیشنل کانفرنس کو توڑنے کی سعی کررہے تھے۔ کبھی بخشی صاحب کا کندھا تھپتھپایا تو کبھی صادق صاحب کا۔ بعضے مولانا مسعودی کو اپنانے کی کوشش کی گئی تو کبھی مرزا محمد افضل بیگ کو آزمایا گیا۔ شام لال صراف، گرداری لال ڈوگرہ اور ڈی پی در پہلے ہی سے مرکز کے قرابت داروں میں شمار ہوتے تھے۔ مذکورہ نیشنل کانفرنسی ہر لمحہ تنظیم کا شیرازہ بکھیرنے میں مصروف رہتے تھے۔ بخشی غلام محمد واحد کشمیری تھے جس نے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف کبھی بل الواسط اور کبھی بلاواسطہ مخالفت کی۔ وہ مخالفت کا یہ فریضہ ۱۹۵۰ء سے ہی انجام دے رہے تھے۵۹۔ اُسے جہاں بھی موقعہ مِلا، شیخ عبداللہ کی نکتہ چینی کرتے۔ کبھی دبی زبان میں اور کبھی مذاق میں۔ ۱۹۵۲ء تک نیشنل کانفرنس میں اس حد تک بگاڑ آچکا تھا کہ بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق نے جموں میں منعقدہ ایک خفیہ میٹنگ کے دوران شیخ محمد عبداللہ کو برطرف کرکے گرفتار کرنے کا فیصلہ بھی کیا تھا۶۰۔ اس راز کو غلام محمد صادق نے دانستہ یا نادانستہ طور بیگ صاحب تک پہنچایا۔ جس نے شیخ صاحب سے اسکی گوش گذاری کی تھی۔ اس بنا پر جولائی ۱۹۵۲ء میں شیخ محمد عبداللہ نے ایک اجلاس کے دوران اُس شخص کے حق میں اقتدار سے

57. Munshi Ghulam Hassan, Greater Kashmir, Sep. 11, 2011.

۵۸۔ صوفی محی الدین، کشمیر ۱۹۳۱......۱۹۷۷ء تک، ص ۹۶۔

59. Munshi Ghulam Hassan, Greater Kashmir, Sep. 11, 2011.

60. Ibid,

رضا کارانہ دستبردار ہونے کی پیشکش کی جو وزیراعظم بننے کا خواب دیکھ رہا ہو۔ بخشی صاحب نے پوچھا ایسا کون بد بخت ہے۔ شیخ صاحب نے جواب دیا۔ آپ۔ یہ جواب سُن کر بخشی صاحب رونے لگے۶۱۔ انہوں نے حسب سابقہ درجنوں قسمیں کھائیں کہ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے۔ صادق صاحب بھی اپنی بات سے مکر گئے۔ جس کا اعتراف انہوں نے ۱۹۶۴ء میں شیخ صاحب، بیگ صاحب، مسعودی صاحب اور درگاہ پرشاد در کے سامنے کیا۶۲۔ حقیقت میں بخشی صاحب نیشنل کانفرنس کے بیشتر ممبران اسمبلی کو خفیہ طور اپنے دائرہ اثر میں لا چکا تھا۔ وہ انہیں ہر جائز و ناجائز کام کے لئے آزمارہا تھا۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ ایک طرف بخشی صاحب شیر کشمیر کو اقتدار سے ہٹا کر خود وزیراعظم بننے کا منصوبہ بنا رہے تھے جبکہ دوسری طرف شیخ صاحب کی قیادت پر زبردست اعتماد کا اظہار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ بار بار دعویٰ کہہ رہے تھے کہ شیخ صاحب کی وفاداری اُن کا چھٹا جزو ایمان ہے۔ صادق صاحب اور قاسم صاحب بھی شیخ صاحب کے خلاف خاموشی سے صف آرا تھے۔ مسعودی صاحب دبی زبان میں شیخ صاحب کی نکتہ چینی کرتے تھے۔ شیخ صاحب کے قریبی ساتھی اصل میں دھری چال چل رہے تھے۔ یہ لوگ شیخ صاحب کے سامنے دوزانو بیٹھ کر تعریفوں کے پل باندھنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے تھے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی ہندو فرقہ پرستی کا رونا روتے، واقعات کو توڑ مروڑ کر اور حالات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے۔ یہی لوگ جب دلی جاتے یا نجی محفلوں میں بیٹھتے تو شیخ صاحب کی ذہنی وفکری بے اعتدالیوں اور ان کے خیالات کی تبدیلی کی من گھڑت داستانیں سامئین خاص کر جواہر لال نہرو کو سنا کر انہیں شیخ صاحب سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے تھے۶۳۔ یہاں تک کہ شیخ صاحب کو ۹ راگست کے تاریک دن سے دوچار ہونا پڑا۔

جب قرہ صاحب کو وزیراعظم بننے کی خواہش ہوئی

کشمیر چھوڑ تحریک کے اہم رہنما اور بار ایسوسی ایشن سرینگر کے صدر کامریڈ غلام

---

61. Kashmir : Lion Loosed, Time.com.U.S.A. Jan, 1958.
62. Greater Kashmir Sept. 11, 2011.
۶۳۔ شیخ عبداللہ، کشمیر اور ہم، ص ۹۵۔

محی الدین قرہ کو جب وزارتی تغیر کی بھنک آئی تو انہوں نے ایک خفیہ میٹنگ جس میں ہندوستانی وزیر داخلہ ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹھجو کے صاحبزادے ایڈوکیٹ پنڈت شیوناتھ کاٹھجو موجود تھے، میں تقریر کرتے ہوئے دفعہ ۳۷۰ کو ختم کرنے کی وکالت کی تاکہ وہ مرکزی سرکار کی نگاہوں میں رہے۔ تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ قرہ صاحب نے موقع تاڑ کر اپنے لئے راستہ صاف کرنے اور خفیہ طور اپنی وفاداری ظاہر کرنے کے لئے اس موقع کو موزون و مناسب سمجھا تھا۔ لیکن کوئی حوصلہ افزائی نہ پا کر دل شکستہ ہوئے۔ تاہم قرہ صاحب نے ہمت نہیں ہاری۔ جب ورکنگ کمیٹی کے اختلافات بازار تک پہنچ گئے تو شری بلراج پوری نے قرہ صاحب کو خاموشی سے دلی پہنچایا۔ جہاں انہوں نے ''فرینڈز آف کشمیر سوسائٹی'' کی ایک خفیہ میٹنگ میں زوردار تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اگر شیخ عبداللہ کو ہٹا کر شری نہرو مجھے وزیراعظم کشمیر مقرر کردیں تو میں ہندوستان سے قطعی الحاق کا اعلان کردوں گا''۔[۶۴]

مذکورہ بالا تقریر کرنے والے نے ہندنوازی کا ثبوت دینے کے لئے پہلے گاندھی جی کی سمادھی پر پھول چڑھائے اور اس کے بعد پنڈت جی سے ملاقات بھی کی۔ لیکن پھر بھی وہ بخشی صاحب کو پچھاڑ نہ سکے۔ البتہ موخرالذکر کے لئے یہ لمحہ فکریہ تھا کہ اقتدار سنبھالنے کی لالچ میں جو لوگ حکومت ہند کو رضا کارانہ طور اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں، اُن کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ اس لئے انہوں نے لگاتار مرکزی زعماء کے ساتھ رابطہ بنائے رکھا۔ تاکہ کسی دوسرے کو ان کے مقابلے میں اُبھرنے کا موقعہ نہ ملنے پائے۔ ان غیر یقینی حالات سے نکلنے اور اپنے راستے سے قرہ صاحب جیسے کانٹے کو اُکھاڑ پھینکنے کے لئے بخشی غلام محمد نے اول الذکر کو خفیہ پیغام بھیجا کہ ہندوستانی گرفت سے کشمیر آہستہ آہستہ دور ہو رہا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کشمیر کو آزادی کی طرف لے رہے ہیں۔ موزون اور مناسب موقعہ ہے کہ آپ مسلمانوں کے مذہبی جذبات ابھار کر پاکستانی نعرہ بلند کریں۔ یہ پیغام سُن کر کامریڈ قرہ کو دال میں کالا نظر آنے لگا۔ اُن کے دل میں کئی قسم کے خطرات

۶۴۔ پیارے لال کول، کشمیر کے منصب داروں کی ...

پیدا ہو گئے۔ اسی اثناء میں بخشی غلام محمد نے غلام محی الدین قرہ کے نام ہدایت نامہ ارسال کیا کہ ایک پاکستان حمایتی تنظیم بنا کر اس کے جھنڈے تلے عظیم الشان جلسہ منعقد کرنا وقت کی اشد ضرورت ہے تا کہ کشمیر کو پاکستان کے قریب لانے میں مدد ملے۔ پیغام واضح تھا کہ اگر قرہ صاحب ایسے جلسہ کا اہتمام کریں گے تو لاء اینڈ آرڈر محکمہ جو بخشی صاحب کے پاس ہے، کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ پاور پالیٹکس کا تیر سیدھے نشانہ پر آ لگا۔ نتیجہ کے طور کامریڈ قرہ صاحب نے کشمیر پولٹیکل کانفرنس نام کی تنظیم معرض وجود میں لائی۔ اور ساتھ ہی ۱۹ر جون ۱۹۵۳ء کو سرینگر کے محلّہ سہہ یار میں ایک تاریخی جلسے کا اہتمام بھی کیا۔ جہاں بلا روک ٹوک الحاق پاکستان کی حمایت کی گئی۔ لیکن مرکزی اور ریاستی سرکار کی ناراضگی مول لینے کا تدارک کرنے کے لئے بخشی صاحب نے قرہ صاحب کو گرفتار کر لیا۔ اور اس طرح بخشی صاحب نے بغل میں بیٹھے دشمن کو قراری شکست سے ہمکنار بھی کرایا اور اپنا راستہ بھی صاف کیا۔

بخشی غلام محمد کے متعلق یہ بھی اطلاع ہے کہ وزارت اعظمیٰ پر فائز ہونے کے لئے وہ خفیہ طور پر جا پریشد کے لیڈروں سے ملتے رہتے تھے[۶۵]۔ جہاں شیخ محمد عبداللہ کو برطرف کرانے کے منصوبوں پر غور کیا جاتا تھا۔ اس حوالہ سے ۱۹ر جولائی ۱۹۵۳ء کو پرجا پریشد جموں کے صدر پریم ناتھ ڈوگرہ نے لکھنؤ میں ایک پریس کانفرنس میں یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ بخشی غلام محمد نے پرجا پریشد کو یقین دلایا ہے کہ اکتوبر ۱۹۵۳ء سے پہلے اُن تمام رکاوٹوں کو دور کیا جائے جو کشمیر اور ہندوستان کے درمیان مکمل ادغام کی راہ میں حائل ہیں[۶۶]۔ مختصراً اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے حکومت ہند نے بخشی غلام محمد کو ہر جائز و ناجائز قدم اُٹھانے کی کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔

آخر وہ گھڑی آ ہی گئی

جب دلی اور سرینگر میں تغیر اقتدار کی خاموش سیاست تیزی سے بدل رہی تھی تو شیخ محمد عبداللہ آئین سازی، دہلی معاہدہ کے نقائص، مالی انتظام، دائرہ سپریم کورٹ کا معاملہ

---

65. P. N. Bazaz, History of the Struggle for freedom of Kashmir, P. 668.

۶۶۔ صوفی محی الدین، کشمیر ۱۹۳۱ء......۱۹۷۷ء تک، ص ۱۲۸۔

اور یکساں شہریت جیسے مسائل حل کروانے کا رونا رونے میں مصروف تھے۔ اس بیچ ورکنگ اور قانونی کمیٹی کی ناقص کارکردگی کے پیش نظر مندرجہ بالا مسائل کا حل ڈھونڈ نکالنے کے لئے شیخ صاحب نے ایک آٹھ رُکنی سب کمیٹی تشکیل دی۔ جسمیں شیخ صاحب سمیت مولانا محمد سید مسعودی، مرزا محمد افضل بیگ، بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، سردار بدھ سنگھ، گرداری لال ڈوگرہ اور شیام لال صراف شامل تھے۔ شیخ صاحب جانتے تھے کہ یہ ممبران کشمیریت سے عاری ہیں۔ انہیں موقعہ پرستی کا بھوت سوار ہو چکا ہے۔ لیکن تنظیم اور کابینہ میں سینئر ہونے کے ناطے ان ممبران کو کسی بھی کمیٹی سے باہر رکھنا نہ صرف غیر آئینی ہوسکتا تھا بلکہ خاموش سیاسی اُتھل پتھل کو مزید ہوا دینے کا موقعہ فراہم کرنے کے مترادف بھی۔ چنانچہ ایک مہینے کے بعد اس سب کمیٹی نے کشمیر حل کے لئے یہ تجاویز پیش کئے:

ا۔ چار جون ۱۹۵۳ء کی میٹنگ میں طے شدہ شرائط کے مطابق استصوابِ رائے عامہ۔

۲۔ ساری ریاست کی آزادی۔

۳۔ امور خارجہ اور دفاع ہندوستان اور پاکستان کے مشترکہ کنٹرول کے بغیر ریاست کی آزادی۔

۴۔ ڈِکسن پلان...... استصواب رائے عامہ والے علاقے کی آزادی کے ساتھ۔

اِن ہی ایام میں ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم نے فیصلہ کیا کہ آپسی تال میل سے مسئلہ کشمیر کو بہت جلد حل کیا جائے گا۔ ساتھ ہی پنڈت جواہر لال نہرو نے کشمیری لیڈروں کو مشورہ دیا کہ ایک ہائی پاور کمیٹی تشکیل دی جائے جو مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے نئی دلی کو تجاویز پیش کرے تاکہ پاکستان کے ساتھ بات کرنے میں مدد ملے۔ چنانچہ شیخ عبداللہ نے یہ کام بھی سب کمیٹی کو سونپ دیا جس نے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کئے:

ا۔ ریاست میں رائے شماری کی جائے۔

۲۔ ریاست آزاد رہے گی۔

۳۔ خارجی اور دفاع ہندوستان اور پاکستان کی تحویل میں دے کر ریاست کی آزادی۔

۴۔ جموں کی غیر مسلم آبادی ہندوستان کے ساتھ رہے گی، شمالی علاقہ جات، گلگت اور ہونزہ پاکستان کے ساتھ ضم ہو جائیں گے اور کشمیر آزاد رہے گا۔

جب ان تجاویز کا علم دلی سرکار کو ہوا تو انہیں شیخ عبداللہ پر مکمل بھروسہ اُٹھ گیا ۶۷۔ وہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ مکدر سیاسی ماحول کے چلتے شیخ محمد عبداللہ اپنی کشمیر نوازی میں بدلاؤ لائینگے لیکن کمیٹی نے وہی کچھ کیا جس کا املا انہیں شیخ صاحب سے ملا۔ نتیجہ وہی نکلا جس کی امید تھی کہ شیخ صاحب اور مرکز کے درمیان تضاد اور تناؤ اپنے انتہا کو پہنچ گیا۔ اس سیاسی بارود میں اُس وقت ایک معمولی چنگاری نے ایسی آگ لگادی جو تادم تحریر بجھنے کا نام نہیں لیتی۔ ہوا یوں کہ شیخ عبداللہ کی کابینہ کے کئی وزراء خورد و برد اور رشوت خوری میں ملوث پائے گئے جن کے خلاف قانونی کاروائی کرنا لازمی تھی جسے کابینہ درجہ کے کئی وزراء کو وزارت سے برطرف ہونے کا خدشہ تھا۔ بخشی صاحب پر ایک طرف گلمرگ کے ہوٹلوں اور دیگر کئی سرکاری دفاتر سے مال واسباب لوٹنے کا الزام تھا اور دوسری طرف پہلگام میں کافی جائداد کھڑا کرنے کی شکایت۔ جبکہ شیام لال صراف کے متعلق ریشم کی خرید و فروخت میں لاکھوں روپیہ غبن کرنے کی اطلاع تھی۔ اس بنا پر شیخ صاحب اپنے ساتھیوں سے ناراض اور متنفر تھے۔ اپنے وزراء کے خلاف کاروائی کرنے سے پہلے انہوں نے پنڈت جی کا اندرون جاننا چاہا۔ جس نے کابینہ وزراء سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی قطعی ممانعت کی۔ اس طرح شیخ صاحب چاروں طرف سے نرغے میں آگئے۔ ایک طرف مرکزی لیڈران اور ریاستی کابینہ کے وزراء شیخ صاحب کے خلاف خاموشی سے صف آراء ہوئے۔ دوسری طرف ہندوستان کی اپوزیشن پارٹیاں اور خفیہ ایجنسیاں شیخ صاحب کے خلاف مرکز کی ہر کاروائی کو حق بجانب قرار دے رہی تھیں۔ جبکہ تیسرے مورچہ کا کام قومی اخبارات کے ذریعہ انجام دیا جارہا تھا۔ جس کے ذمہ ایسا مواد چھاپنا تھا جو شیخ صاحب کی برطرفی میں مددگار ثابت ہو۔ تاکہ کسی کو نکتہ چینی کا موقع فراہم نہ ہونے پائیں۔ جولائی ۱۹۵۳ء میں ہندوستانی پریس کا پروپیگنڈا شیخ عبداللہ کے خلاف بہت

---

67. Ghulam Ahmad, 2008, My years with Sheikh Abdullah, Srinagar, P. 35.

اونچائی پر تھا۔ بیشتر قومی اخبارات شیخ صاحب کی ہندوستان دشمنی کی ''خیالی اور فرضی کہانیاں'' شائع کرر ہے تھے۔ چنانچہ بمبئی کے ایک ہنگامہ خیز اخبار ''بلٹز'' کے مدیراعلیٰ ۲۵ رجنوری ۱۹۶۱ء کے شمارے میں ''سیاست کشمیر کا دھاوا بلٹز نے کیسے موڑا'' کے عنوان سے رقمطراز ہے:

''ایڈیٹر کرنجیا کو ماہ اگست ۱۹۵۳ء کے ابتدائی دنوں میں مرحوم رفیع احمد قدوائی نے نئی دہلی بلایا اور شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ کی قوم دشمن سرگرمیوں کے بارے میں سارے واقعات بتائے۔ حکومت ہند نے یہ خواہش ظاہر کی کہ غیر معمولی قدم اُٹھانے کا وہ فیصلہ کرچکی ہے۔ اس کے لئے ''بلٹز'' رائے عامہ کو پہلے سے تیار کرے'' ۶۸۔

کشمیر کی سُلگتی سیاسی آگ اُس وقت مزید تیز ہوگئی جب پنڈت جی کی ممانعت کے باوجود شیخ محمد عبداللہ نے کابینہ وزیر شیام لال صراف سے اس بنا پر استعفیٰ طلب کیا کہ انہوں نے کئی معاملات کی تحقیق کے دوران غیر جانبداری سے کام نہ لیا۔ جس کا خلاصہ شیخ صاحب کے پرائیویٹ سیکریٹری شیام لال کول نے ایک انٹرویو کے دوران یوں کیا ہے:

''......پہلی یا دوسری اگست ۱۹۵۳ء کی صبح کو ....وزیر اعظم کے پرائیویٹ آفس میں ملنے والوں کا ہجوم تھا، جس میں حسب معمول ایک غریب کشمیری کنبہ بھی تھا جو روتا پیٹتا یہ فریاد لیکر آیا تھا کہ ان کا اکلوتا بچہ کسی شدید مرض میں مبتلا ہے جسے دو دن سے وہ سرکاری اسپتال لے جا رہے ہیں لیکن اسے داخل نہیں کیا جا رہا ہے اور اس کی حالت بگڑتی جا رہی ہے۔ ان کا واویلا سن کر اور مریض کی حالت دیکھ کر شیخ محمد عبداللہ پر جو اثر ہوا، وہ ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ ان سب کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر، میں اسپتال لے گیا اور داخل کرایا، جو دوائیں وہاں موجود نہیں تھیں، بازار سے

---

68. Abdul. Jabar Gockhami, 2008, Personality Behind Oration: Sheikh Mohammad Abdullah, Agreements, Speeche's and Statements, Srinagar, P. 14. Atash-e-chinar, P. 591.

منگا کردیں، لیکن طبی امداد میں تاخیر کی وجہ سے اس کا مرض علاج کی حد سے گزر چکا تھا اور دوسرے دن بچے نے دم توڑ دیا۔ شیخ صاحب نے اس قصے کی تحقیقات کا صراف سے مطالبہ کیا جو متعلقہ محکمے کے وزیر تھے۔ تحقیقات کے بعد انہوں نے جو رپورٹ پیش کی اس میں ڈاکٹروں کو بچانے کے لئے واقعے کی نوعیت کو کم کرنے کی انہوں نے کوشش کی تھی۔ یہ بات شیخ صاحب کو ناگوار ہوئی۔ اس سے پہلے بھی ان کی نااہلی کی شکایتیں شیخ صاحب کے پاس آچکی تھیں، انہوں نے صراف سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا، جس نے تودۂ بارود میں چنگاری کا کام کیا"۔[۶۹]

اسی طرح شیام لال صراف کے ایک رشتہ دار نے ہمدانی صاحب کے دفتر سے گھڑی چرائی لیکن وزیر نے اُسے کوئی سزا نہیں دی۔ ایک بکروال کے ریوڑ سے ایک بھیڑ بچھڑ گیا۔ پہلگام کے ایگزیکٹو آفیسر پنڈت جانکی ناتھ نے پلازا ہوٹل والوں کو یہ بھیڑ تیس روپے میں بیچ ڈالا۔ شکایت ملنے پر شیخ صاحب نے شیام لال صراف کو تحقیقات کرنے کا حکم دیا۔ صراف صاحب نے اپنے ڈپٹی، ہمدانی صاحب کو جملہ شکایات کی تحقیقات کے لئے پہلگام بھیجا۔ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ شکایت درست تھی۔ تحقیقاتی رپورٹ میں جو ۱۷ر جولائی ۱۹۵۳ء کو صراف صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی تھی، میں مذکورہ آفیسر کو برطرف کرنے کی سفارش کی گئی لیکن ۲۲ دن گذرنے کے باوجود صراف صاحب نے قصورواروں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔ کم وبیش یہی حال دوسرے سینئر وزراء کا بھی تھا۔ اس لئے شیخ صاحب نے سیاسی ڈھیلے پن اور کرپشن سے نجات دلانے کے لئے ۶ راگست ۱۹۵۳ء کو سب سے پہلے شیام لال صراف سے استعفیٰ طلب کیا۔ اگرچہ صراف صاحب نے اپنے بچاؤ میں کچھ نامعقول اور الٹی سیدھی دلیلیں پیش کیں لیکن وہ شیخ عبداللہ کو مطمئن کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ شیخ صاحب نے انتہائی غصہ میں ہسپتال والوں، گھڑی اور بھیڑ چرانے والوں کے خلاف کاروائی نہ کرنے پر صراف کو زبردست ڈانٹ پلائی۔ صراف صاحب نے گھبراتے ہوئے کہا

۶۹ شیخ عبداللہ، کشمیر اور ہم، ص ۶۷۔ ۷۷

"میں مجبور ہوں جناب، مجھے بخشی صاحب نے مشورہ دیا کہ ایگزیکٹیو آفیسر کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے" ۷۰۔

صراف صاحب سے استعفیٰ طلب کرتے وقت بخشی صاحب کے چہرے پر سیاہی رونما ہوئی۔ شاید وہ تاڑ گئے تھے کہ صراف کے بعد اُن کی باری آنے والی ہے۔ چنانچہ صراف نے بخشی، صادق اور ڈی پی در کی خفیہ حکمت عملی کے تحت استعفیٰ پیش کرنے کے لئے کچھ وقت مانگا۔ تاہم صراف نے صدر ریاست کے اشارے پر مستعفی ہونے سے گریز کیا۔ دلچسپ اور حیران کن بات یہ تھی کہ بخشی، صادق، در اور ڈوگرہ خاموشی سے ہی صحیح، صراف کی حمایت کر رہے تھے۔ صراف نے ۸/اگست تک اپنا استعفیٰ پیش نہیں کیا تو کشمیر کے وزیر اعظم اور صدر ریاست نے ۱۰/اگست کو رشوت خور وزیروں خاص کر شیام لال صراف کے معاملہ کو کابینہ اجلاس میں زیر غور لانے پر اتفاق کیا" ۷۱۔

لیکن پس پردہ واقعات بہت آگے نکل چکے تھے۔ ساتھ ہی شیخ عبداللہ نے ۲۴ اور ۲۵/اگست کو نیشنل کانفرنس کے جنرل کونسل کا اجلاس بھی طلب کیا تا کہ مجموعی صورتحال کا جائزہ لیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ آنے والی عید جو ۲۱/اگست کو منائی جا رہی ہے، پر لوگوں کے سامنے آئندہ پروگرام کا خاکہ پیش کیا جائے گا ۷۲۔

شیخ مخالف کابینہ وزراء نے مندرجہ بالا اعلان کو دلی سرکار تک یوں پہنچا دیا کہ شیخ محمد عبداللہ تمام وزیروں کو گرفتار کر کے عید کے روز کشمیر کی آزادی کا اعلان کرنے والے ہیں۔ اس طرح بھارت سرکار کو شیخ محمد عبداللہ برطرف کرنے کا سنہری موقعہ میسر کیا گیا۔ یہ الگ بات ہے جسے بدقسمتی ہی کہا جائے گا کہ کشمیر اور شیخ محمد عبداللہ کے دشمنوں نے زیادہ سے زیادہ آٹونامی مانگنے کو آزادی کا نام دیا ۷۳۔ چنانچہ مرکزی سرکار نے ایک

۷۰۔ مرزا محمد افضل بیگ، ۱۹۹۷ء، خاک ارجمند، سرینگر، ۸۷۔
۷۱۔ وزیر اعظم کو موقوف کرنے کے متعلق، بحث از مرزا محمد افضل بیگ، کشمیر سازش کیس، رپورٹ نمبر ۹، قسط ۲، ص ۲۰۔
۷۲۔ صوفی محی الدین کی کشمیر ۱۹۳۱ء.....۱۹۷۷ء تک، ص ۱۲۹۔
73. Narinder Singh, 1992, Political Awakening in Kashmir, Chandigarh, P. 146.

کیمونسٹ نواز سیاستدان اور مرکزی وزیر رفیع احمد قدوائی کی سربراہی میں ایک ٹیم پہلے ہی تشکیل دے رکھی تھی جس نے شیخ عبداللہ کو گدی سے ہٹانے کے لئے انتہائی رازداری سے اپنا کام شروع کیا تھا۔ ٹیم میں اور لوگوں کے علاوہ سُراغ رسانی کے ڈائریکٹر بی این ملک، بریگیڈئیر بی ایم کول، فوج کے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل ہیرالال اٹل، چیف سیکریٹری مدحت کمال قدوائی (رفیع احمد قدوائی کے قریبی رشتہ دار)، وزیر داخلہ ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹھجو، اجیت پرشاد جین، پنڈت نہرو کے پرائیویٹ سیکریٹری ڈی این کاچرو، امرتسر میں مقیم سراغ رسانی کے ڈپٹی ڈائریکٹر ڈی ڈبلیو مہرہ، جواہر لال نہرو، ابوالکلام آزاد، بخشی غلام محمد، غلام محمد صادق، دُرگا پرشاد در، کرن سنگھ، شیام لال صراف اور گرھاری لال ڈوگرہ بھی شامل تھے۔

اس بیچ ۸/اگست ۱۹۵۳ء کی شام کو وزیراعظم کشمیر شیخ محمد عبداللہ دو دن کے لئے گلمرگ روانہ ہوئے۔ جہاں انہوں نے گلمرگ سڑک کی توسیع کے سلسلے میں چند افسروں کی ایک میٹنگ ۹/اگست کو بلائی تھی۔ موقعہ تلاش میں بیٹھے مرکزی معاونت کار بخشی غلام محمد اور درگا پرشاد در نے شیخ محمد عبداللہ کو برطرف کرنے کے لئے تشکیل دی کی گئی ٹیم تک یہ جھوٹی اطلاع پہنچائی کہ کشمیر کے وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ پیر مقبول گیلانی کی معاونت سے پاکستان کے ایلچیوں کے ساتھ ہندوستان کے خلاف سازش رچانے کے لئے گلمرگ روانہ ہوگئے جہاں وہ مسئلہ کشمیر پر بات چیت کرنے کے بعد کشمیر کی آزادی کا اعلان کریں گے ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی "شیخ برطرفی ٹیم" نے دلی اور سرینگر میں پہلے سے شروع ہوئی تیاریوں کو آخری شکل دی۔ پنڈت جی نے پوری ٹیم کو ہدایت دے رکھی کہ امن وامان قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ رازداری کسی بھی صورت میں قائم رہنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر شیخ صاحب کو کسی بھی طرح سے اس پلان کی بھنک آئی تو نتائج بہت ہی بھیانک ہونگے۔ وزراتی تغیر کو پُرامن طریقہ سے انجام دینے کے لئے ڈی ڈبلیو مہرہ کو کشمیر پولیس کے تمام اختیارات سونپ دئے گئے۔ بریگیڈئیر بی ایم کول کو کشمیر ملیشیاء سے شیخ محمد عبداللہ اور کشمیر حامی افراد نکال باہر کرنے کا کام تفویض کیا گیا۔ ہیرالال اٹل کو

---

74. B. M. Kaul. 1967. THe Untold Story, New York, P. 143.

ہدایت دی گئی کہ وہ فوجی یونٹوں کو تیاری کی حالت میں رکھے۔ اجیت پرشاد جین کو سرینگر اور قدوائی صاحب کو دلی میں تمام حالات پر نظر رکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ تمام ذمہ داریاں تفویض ہونے کے بعد مہورہ پاور ہاؤس، سرکاری عمارتوں، پُلوں، ہسپتالوں، اہم تنصیبات، تعلیمی اداروں، سرکاری دفتروں اور سیاسی لیڈروں کی رہائش گاہوں کو فوج اور پولیس کی تحویل میں دیا گیا۔ ساتھ ہی پوری ریاست میں مارشل لاء نافذ کیا گیا۔ جب دفاعی معاملات طے ہوئے تو کاغذی کاروائی شروع ہوئی۔ مرکزی معاونت کار خاص کر ڈی این کاچرو اور اجیت پرشاد جین نے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف مسودہ عدم اعتماد تیار کیا جس پر شیام لال صراف، بخشی غلام محمد اور گردھاری لال ڈوگرہ نے دستخط کئے۔ اس مسودہ کی بنیاد پر صدر ریاست کرن سنگھ نے غیر آئینی طور شیخ محمد عبداللہ کو برطرف کرنے کا حکم جاری کیا ۵ے۔ جس کی نقل جموں و کشمیر کے فوجی سربراہ لیفٹیننٹ کرنل بلدیو سنگھ کے ہاتھ میں تھما دی گئی۔ ٹھیک گیارہ بجے رات بخشی غلام محمد کو حکومت بنانے کی دعوت دی گئی۔ لیکن بخشی صاحب نے تب تک حلف برداری سے انکار کیا جب تک شیخ عبداللہ کو گرفتار نہ کیا جائے ۶ے۔ چنانچہ ڈھائی بجے رات ڈی آئی جی پولیس ایل ڈی ٹھاکر کی سربراہی میں پولیس اور فوج کی ایک کمک شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کرنے کے لئے گلمرگ روانہ ہوئے۔ تب جا کے بخشی غلام محمد نے صبح کے چار بجے راج بھون میں حلف اٹھایا ۷ے۔

ادھر شیخ صاحب گلمرگ کے ریسٹ ہاؤس نمبر ۵۷ میں قیام پذیر تھے۔ ان کے پرائیویٹ سیکریٹری آر سی رینا، ڈائریکٹر وزیٹرس بیورو شیام لال کول، اُن کی بیوی اور اُن کے اہل خانہ بھی وہاں موجود تھے۔ پولیس کی ایک جمعیت نے دور سے ہی ریسٹ ہاؤس کو گھیر کے رکھا تھا۔ گرد و نواح کے تمام ریسٹ ہاؤس خالی کرائے گئے تھے۔ رات کے چار بجے وزیر اعظم کے پرائیویٹ سیکریٹری نے شیخ صاحب کے دروازہ پر دستک دی۔ دروازہ کھولنے پر شیخ صاحب کو بتایا گیا کہ پولیس نے ریسٹ ہاؤس کو گھیر لیا ہے۔ اتنے

۵ے سید میر قاسم۔ ص، ۱۸۵

76. B.N. Mullik, P. 44-45.

77. Ibid, P. 45.

میں پولیس سپرانٹیڈنٹ ایل ڈی ٹھاکر اور اُس کے ڈپٹی شیخ غلام قادر گاندربلی ریسٹ ہاؤس کے نزدیک آئے۔ شیخ صاحب نے آنے کی وجہ پوچھی ۔ جواب میں وارنٹ گرفتاری پیش کیا گیا۔ اور پھر ان مشین گنوں کی طرف اشارہ کیا گیا جو فوجی اپنے ہاتھوں میں لئے اُن کی طرف رُخ کئے کھڑے تھے۔ ساتھ ہی صدر ریاست کے اے ڈی سی نے شیخ محمد عبداللہ کو ایک خط بھی پیش کیا۔ شیخ عبداللہ آتش چنار میں لکھتے ہیں:

''......خط میں میری برطرفی اور گرفتاری پر افسوس کا اظہار کیا گیا تھا۔ خط کے ساتھ بخشی غلام محمد، شیام لال صراف اور گردھاری لال ڈوگرہ کی دستخطوں سے ایک بیان بھی منسلک تھا جس میں لکھا تھا کہ ان لوگوں کو شیخ عبداللہ کی قیادت پر کوئی بھروسہ اور اعتماد نہیں رہا ہے۔ یہ خط پڑھ کر میں نے کہا'' مہاراجہ کرن سنگھ کو میری حکومت کی برطرفی کا کوئی حق نہیں ہے'' ۸ ے۔

اس پریشان کُن صورتِ حال کے باوجود شیخ صاحب اطمینان کے ساتھ ریسٹ ہاؤس کے اندر چلے گئے۔ نماز ادا کرنے کے بعد ناشتہ کرنے لگے کہ آکاش وانی سے یہ خبر نشر ہوئی کہ بخشی غلام محمد کو کشمیر کا نیا وزیر اعظم بنایا گیا ہے ۹ ے۔ اس کے بعد شیخ عبداللہ نے اپنے اہل وعیال کو الوداع کہہ کر فوج کی حراست میں ادھمپور کا راستہ لیا۔ جہاں انہیں تارا نواس محل میں قید کیا گیا۔

شیخ صاحب کی گرفتاری کی خبر پھیلتے ہی پوری ریاست میں تشدد بھڑک اُٹھا۔ لوگ دیوانہ وار سڑکوں پر نکل کر مظاہرہ کرنے لگے۔ اگر چہ سرکار نے پہلے ہی مارشل لاء نافذ کیا تھا لیکن لوگوں کے بڑے بڑے جلسے اور جلوس برآمد ہوئے۔ جگہ جگہ تشدد پر اُتر آئی بھیڑ کو تتر بتر کرنے کے لئے پولیس نے گولی چلائی جسے سینکڑوں افراد لقمہ اجل بن گئے۔ ایک مشتعل ہجوم نے بخشی غلام محمد کے گھر پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ وہ وزارتِ اعظمٰی کا عہدہ چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اسی دوران شوپیان میں غلام محمد صادق اور سید میر قاسم پر

---

۸ ے شیخ عبداللہ، دوست یا دشمن، ص ۶۸۔

۹ ے محاذ......شیر کشمیر نمبر، ص ۱۷۲۔ بحوالہ شیخ عبداللہ، کشمیر اور ہم، ص ۸۱۔

ایک مشتعل ہجوم نے قاتلانہ حملہ کیا۔ جس میں وہ بال بال بچ گئے ۸۰۔ جموں کے ڈوڑہ اور بھدرواہ علاقوں میں امن وقانون برقرار رکھنا تقریباً ناممکن ہوگیا۔ احتجاج کا یہ سلسلہ کئی مہینوں تک چلتا رہا۔ زندگی کی تمام سرگرمیاں مفلوج ہوکر رہ گئیں۔ شیخ صاحب کے وفادار ممبران اسمبلی سمیت ہزاروں نیشنل کانفرنس کارکنوں کوراتوں رات گرفتار کیا گیا جس میں شیخ محمد عبداللہ کے قریبی ساتھی مرزا محمد افضل بیگ بھی شامل تھے۔



کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
(ڈاکٹر علامہ اقبال)

80. Ajit BhattacharJea, 1994, The wounded Valley, New Delhi, P. 207.

سن ۱۹۵۳ء کا واقعہ: اینگلو امریکی سازش

ہندوستان کے تقریباً سبھی قائدین چاہے وہ اقتدار میں تھے یا اپوزیشن میں، کے خیال میں شیخ محمد عبداللہ کشمیر کی آزادی کے لئے زبردست سنجیدہ تھے۔ جس کا مظاہرہ شیخ عبداللہ نے جنوری ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ میں امریکی نمائندہ سینٹر وارین اسٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران کیا تھا جب شیخ صاحب ہندوستانی وفد کے ساتھ نیویارک گئے ہوئے تھے[1]۔ بے شک امریکی خود بھی اس تلاش میں تھے کہ انہیں کب اور کس وقت کشمیر میں مداخلت کرنے کا موقع ہاتھ آئے۔ تاہم وہ اپنے مقصد میں بہت جلد کامیاب ہوئے جب پنڈت جواہر لال نہرو نے مسئلہ کشمیر کو امریکہ کے تیار کردہ جال (اقوام متحدہ) میں پھنسایا۔ اس دوران نیویارک میں شیخ محمد عبداللہ نے پاکستانی وفد کے ممبران محمد الدین تاثیر اور چودھری محمد علی سے ملاقات کی۔ جنہوں نے اول الذکر سے کشمیر مسئلہ کے بارے میں سوال پوچھا تو شیخ صاحب نے صاف کہہ دیا تھا کہ خودمختار کشمیر سب سے بہتر حل ہوگا۔ جو پاکستان کے لئے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے۔ اول اس لئے کہ دلی کے مقابلے میں لاہور بہت نزدیک ہے اور دوسرا مذہبی رشتے کی وجہ سے[2]۔ اس کے ردِ عمل میں چودھری محمد علی نے خدشہ ظاہر کیا کہ کشمیر کو آزاد رکھنے کی صورت میں کشمیریوں کو پاکستان کے خلاف استعمال کئے جانے کا قوی امکان ہے۔ اس لئے پاکستان کو خودمختار کشمیر قابل قبول نہیں ہوسکتا ہے[3]۔ شیخ صاحب نے اس آراء کو مُسترد کرتے ہوئے پاکستانی وفد کو وارننگ دی کہ ایک وقت آئے گا جب آپ کشمیر کو آزاد رکھنے کی حمایت کریں گے لیکن اُس وقت ایسا ممکن نہیں ہوگا۔ اگر اس مسئلہ کو آپ نے لٹکائے رکھا تو

---

1. Ajit Bhattacharjea, 1994, The wounded Valley, New Delhi, P. 181.
2. C. Bilqees Taseer, P. 51.
3. Ibid. P. 51.

پاکستان نقصان میں رہے گا۴۔

یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو بدیشی نامہ نگار میخائل ڈیوڑسن اور وورڑ پرائس کے ساتھ شیخ عبداللہ نے کشمیر کی آزادی پر بات چیت کی تھی ۵۔ بعض ذرائع کے مطابق امریکیوں نے ۱۹۴۹ء ہی سے وزیراعظم کشمیر کو اپنے جال میں پھسانے کی شروعات کی تھی جس کا تار وارین اسٹین ملاقات سے جڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور جس کے نتائج ۱۹۵۰ء کے اوائل سے سامنے آنے لگے تھے ۶۔ جب ہندوستان میں تعینات امریکی سفیر لوئی ہنڈرسن نے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ خفیہ مذاکرات شروع کئے تھے۔ ملاقات کے دوران مؤخرالذکر نے کشمیر کی آزادی کے لئے کسی بھی امریکی امداد کا خیر مقدم کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی ۷۔ ۳؍مئی ۱۹۵۳ء کی شام کو امریکی ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈر ایڈلائی سٹیونسن اور ہنڈرسن نے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ طویل ملاقات کی جو کافی نتیجہ خیز ثابت ہوئی تھی۔ باور کیا جاتا ہے کہ سٹیونسن نے شیخ صاحب کو امریکہ کے قریب لانے میں زبردست پیش رفت کی تھی ۸۔ اگلے دن جب سٹیونسن اور ہنڈرسن دلی روانہ ہونے والے تھے کہ زبردست بارش کی وجہ سے ان کا ڈکوٹہ اُڑان نہ بھر سکا۔ وزیراعظم کشمیر نے مہمانوں کو چائے کے لئے بلایا۔ اتنے میں کشمیر سے کنیا کماری تک یہ افواہ پھیل گئی کہ شیخ صاحب امریکی امداد سے کشمیر کی آزادی کا منصوبہ بنا رہے ہیں ۹۔ قریب پانچ سال بعد اس واقع کے بارے میں شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹۵۸ء میں اخباری نمائندوں کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ:

"......ایڈلائی سٹیولسن سے میں اکیلا نہیں ملا تھا۔ تین چار افسر میرے

4. Ibid, P. 51.

5. B. N. Mullik, 1971, My years with Nehru, New Delhi, P. 9.

6. N. N . Raina , 1988, Kashmir politics and imperialist, New Delhi, P. 168.

7. Pyarelal Koul, 1991, Crisis in Kashmir, Srinagar, P. 70.

8. Ibid. P. 70.

9. http:// www.kashmiri.info.

ساتھ تھے۔ اور پھر ملا بھی تھا پنڈت جی کی ہدایت کے مطابق۔ ایڈلائی ابھی زندہ ہے۔ ان سے حقیقت حال معلوم کی جا سکتی ہے''۔ ۱۰

شیخ محمد عبداللہ کے فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے بھی ستی سہانی کی کتاب ''نہروز کشمیر'' کی رسمِ رونمائی کے موقع پر ایسا ہی کچھ کہا:

"It was Nehru who suggested Sheikh Abdullah to host Stevenson". ۱۱

درایں اثناء ایڈلائی سٹیونسن نے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ملاقات کرنے کے چار ماہ اور دس دن بعد ایک بیان جاری کیا جس میں اُس نے قطعیت کے ساتھ اس الزام کی تردید کی کہ وہ کشمیر کی آزادی کے لئے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ کوئی منصوبہ بنا رہا تھا ۱۲۔ تاہم سٹیونسن کا تردیدی بیان شیخ محمد عبداللہ کے کانوں تک جنوری ۱۹۵۸ء تک بھی نہیں پہنچا تھا جب انہیں اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں عارضی طور رہا کیا گیا۔ ورنہ وہ ایسا مطالبہ نہیں کرتے کہ ''سٹیونسن سے حقیقت حال معلوم کی جا سکتی ہے''۔ ادھر شیخ محمد عبداللہ ۱۹۵۳ء کی ابتدا سے کھل کر کہنے لگے تھے کہ کشمیر کو آزاد رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے ۱۳۔ کیونکہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ جڑیں انتہائی مضبوط ہیں۔ جس میں کشمیریوں کا مستقبل محفوظ رہنے کی کوئی ضمانت نہیں ہے ۱۴۔ ۵/جولائی ۱۹۵۳ء کو شیخ محمد عبداللہ نے مجاہد منزل میں کارکنان نیشنل کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اپنا دورن عوام کے سامنے یوں رکھا:

" A time will therefore come when i will bid them goodbye". ۱۵

---

10. Keesings Contemporary Archives 1953, P. 13127, cited in Ateeq Sidiqee, 1966, Sheikh Abdullah, Kashmir and we, New Delhi, P. 106.
11. K. Files 1953, Rising Kashmir, Jan 28, 2011.
12. Keesing's Contemporary Archives 1953, P. 13127, cited in Ateeq Sidiqee's book, P. 106.
13. B. M. Koul, 1967, The Untold Story, New Delhi, P. 138
14. Pyarelal Koul, 1991,Crisis in Kashmir, Srinagar, PP. 69-70.
15. Jagmohan, A failure in leadership, August 3, 1997. The Hindustan Times, KVK Archives, internet.

اس بیچ ایک مقامی قلمکار پیارے لال کول شیخ محمد عبداللہ کے منصوبہ خودمختار کشمیر پر یوں رائے زنی کرتے ہیں:

" Sheikh Mohammad Abdullah was serious about achieving independence of Kashmir". ۱۶؎

ایک اور مورخ بڑے اعتماد کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی زندگی بارہا کشمیر کی آزادی کے لئے آواز بلند کی تھی ۱۷؎۔

اُدھر امریکی سرکار کے کئی نمائندے وقفہ وقفہ سے ہندوستان وارد ہوتے رہے۔ اور کشمیر کے تئیں کافی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اِن میں ہارولڈ سیٹن اور جان فوسٹر بھی شامل تھے۔ امریکہ کی دلچسپی اس وقت سے زیادہ بڑھ گئی جب ۲۲ر مارچ ۱۹۴۹ء میں اقوام متحدہ نے امریکہ کے ایڈمرل چسٹر ڈبلیو نمٹز کو رائے شماری کا منتظم اعلیٰ مقرر کیا۔ اس تقرری کا واحد مقصد ہندوستان اور پاکستانی فوج کے انخلاء کے بعد کشمیر مین امریکی سپاہیوں کو تعینات کرنے کے سنہری موقع سے فائدہ اُٹھانا تھا۔ لیکن پاکستان کی سرپرستی والے ''آزاد کشمیر فورس'' کو غیر مؤثر بنانے پر پاکستان نے اعتراض کیا۔ نتیجہ کے طور یہ منصوبہ ناکام ہوا۔ لیکن امریکی مداخلت میں کوئی کمی نہیں آئی۔

سرد جنگ شروع ہونے کے فوراً بعد اس طرح کی کوششوں میں برطانوی حکام بھی مصروف ہو گئے تھے۔ جن کا مدعا و مقصد یہی تھا کہ کشمیر میں برطانوی فوج داخل کرانے کی راہ ہموار ہو جائے ۱۸؎۔ اگر چہ امریکہ اور برطانیہ کی کشمیر پالیسی بظاہر یکساں تھی لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد یہ دونوں ممالک درحقیقت کشمیر کو اپنے تسلط میں رکھنے کے خواہشمند تھے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دونوں کی اپنی جداگانہ کشمیر پالیسی تھی۔ پانی گریہی لکھتے ہیں:

---

16. Pyarelal Koul, 1991, Crisis in Kashmir, Srinagar, P. 70.
17. Sumantra Bose, 2003, Kashmir: Roots of Confl:ct, Paths to Peace, Harvard, PP. 59-60.
18. D.N. Panigrahi, 2009, Jammu and Kashmir, the cold war and the west, London , P. 36.

"امریکہ اور برطانیہ مسئلہ کشمیر کو حل کرانے کے لئے منصوبہ پر منصوبہ پیش کرتے ہیں۔ جن کا مقصد مسئلہ کشمیر کا حل نہیں بلکہ اقوام متحدہ کی ڈھال میں کشمیر پر اپنی بالادستی قائم کرنا ہے۔ اُن کا بنیادی پلان یہ ہے کہ اینگلو امریکی فوج اُتار کر کشمیر کو اینگلو امریکن کالونی میں تبدیل کیا جائے اور اس اہم جغرافیائی علاقے میں امریکہ اور برطانوی بالادستی کی راہ ہموار ہو جائے"۔ ۱۹

۱۹۵۰ء کے آخری دنوں میں امریکی فوجی ماہرین نے صدر امریکہ ٹرومین کو کشمیر میں ائیر بیس قائم کرانے کی ایک خفیہ تجویز پیش کی تھی تاکہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ٹرسٹی شپ میں "خود مختار کشمیر" قائم کیا جائے ۲۰۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ مذاکرات کرنے کے بعد امریکہ نے ہندوستان اور پاکستان کی ضمانت سے کشمیر کو آزاد رکھنا زیادہ بہتر قرار دیا ۲۱۔ بعض مورخین شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ یہ بھی منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے جموں اور لداخ کو ہندوستان کے حوالہ کرنے اور کشمیر کو امریکی امداد سے آزاد رکھنے کا بہت پہلے من بنالیا تھا ۲۲۔ جس کا انکشاف ایک موقعہ پرست نیشنل کانفرنسی لوک سبھا ممبر شیو نرائن فوطیدار نے ۱۹۵۳ء کے اوائل میں کیا۔ فوطیدار کے ایک قریبی ہم خیال سوشلسٹ پارٹی کے سیکریٹری شری پیارے لال کول کے مطابق:

"Sheikh had told Fotedar that all the parties concerned should be happy over the plan as Pakistan had already got a chunk of the state territory and Jammu and Ladakh would go to India, the Valley would remain independent with the support of America". ۲۳

---

19. Ibid, P. 98-99.
20. Vijay Kumar, 1955, Anglo-American Plot against Kashmir, Bombay, PP. 17.
21. Pyarelal Kaul, P. 71-72.
22. Ibid, P. 72.
23. Ibid, P. 72.

اس طرح کی ایک تجویز سب سے پہلے ۶ر نومبر ۱۹۴۷ء میں کامن ویلتھ رشتوں کے سیکریٹری مسٹر نول بکر نے خفیہ طور پاکستان میں تعینات برطانیہ کے ہائی کمشنر کے ذریعہ محمد علی جناح اور لیاقت علی خان کے سامنے رکھوائی تھی ۲۴۔ اسی طرح برطانیہ کے لارڈ بورڑ وڑ نے کامن ویلتھ ٹرسٹی شپ کے تحت کشمیر کو خودمختار رکھنے کی تجویز پیش کی تھی ۲۵۔

اگر شیخ صاحب سے منسوب کیا گیا فوطیدار کا بیان غلط مانا جائے تو وہ تواریخی شہادتوں سے منہ موڑنے اور مسخ کرنے کے مترادف ہوگا۔ لیکن فوطیدار کا یہ دعویٰ شک کے دائرہ سے باہر نہیں ہوسکتا ہے کہ شیخ صاحب نے متذکرہ منصوبے کی افشائی فوطیدار جی سے کی ہو۔ اول الذکر ایسا قدم کبھی نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ کیونکہ ایک تو فوطیدار جی نیشنل کانفرنس میں نووارد تھے اور دوسرا یہ کہ وہ ڈی پی در اور بخشی صاحب کی طرح مرکزی سرکار کے قرابت داروں میں شمار ہوتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں بار بار کی مرکزی دباؤ اور اصرار پر شیخ صاحب نے ۱۹۵۳ء میں لوک سبھا ممبر بنایا تھا۔ اس لئے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ شیخ محمد عبداللہ اپنا اہم راز فوطیدار صاحب کے کانوں تک پہنچاتے۔ یہ وہی فوطیدار ہیں جس نے بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں سرینگر کے پائین علاقوں میں ہندو مسلم فسادات کروائے تھے اور شیخ محمد عبداللہ کو پہلے برطانیہ اور اس کے بعد کشمیر کے وزیر اعظم گوپالاسوامی آئینگر کا ایجنٹ قرار دیا تھا ۲۶۔ تاریخی ورق گردانی سے ایسی کئی شہادتیں سامنے آرہی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کے ذہن میں خودمختار کشمیر پنپ رہا تھا۔ جس میں جواہر لال نہرو، سردار ولبھائی پٹیل اور باقی ہندوستانی قائدین کی کشمیر پالیسی کے سبب شدت آ گئی تھی۔ بے شک شیخ محمد عبداللہ ہندوستان اور پاکستان کے بیچ خودمختار کشمیر کا خواب دیکھ رہے تھے ۲۷۔ لیکن ایک پریشانی ان کے تمام ارادوں پر پانی

24. IoR: LIP&S/13/18456.P.186BL, London, cited in D.N. Panigrahi's books, P. 35.
25. Lord Birdwood. P. 194.
26. Syed Taffazul Hussain, 2009, Sheikh Abdullah- A Biography, USA, PP. 111-135.
27. Jammu and Kashmir Constituent Assembly, Official report's, Assembly Depates 1951-1953, Part I, Vol. I, P. 81.

پھیر رہی تھی کہ پانچ بڑے ملکوں چین، روس، ہندوستان، پاکستان اور افغانستان کے بیچ کشمیر کی آزادی کی ضمانت کوئی نہ دے سکتا تھا۔ اس کا برملا اظہار انہوں نے اسمبلی کے پہلے اجلاس میں کیا تھا:

''کشمیر کو آزاد رکھنے میں کئی مشکلات کا سامنا ہے جن سے منہ موڑنا کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہے۔ اول ایک طویل سرحد جو کئی ملکوں سے ملتی ہے، کی حفاظت کرنا ممکن نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ آزادی کی ضمانت دینے والا کوئی نہیں ہے'' ۲۸۔

خودمختار کشمیر کے بارے میں شیخ صاحب نے ایک بار نہیں بارہا کہا تھا:

''......یہ ناممکن العمل ہے اور اگر وجود میں آئے بھی تو کشمیر بین الاقوامی سیاست کا کم زور مہرہ بن جائے گا۔ جو کبھی اس کی گود میں ہوگا اور کبھی اُس کی'' ۲۹۔

یقیناً اس بات کو قطعی طور رد نہیں کیا جا سکتا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ خودمختار کشمیر کے قائل نہیں تھے۔ سچ یہ ہے کہ وہ ۱۹۳۱ء سے ہی مادر وطن کی آزادی کے خواہاں تھے۔ جس کا نقشہ انہوں نے کچھ اس طرح کھینچا تھا:

"My highest desire is that peoples of this country should fight for the liberation of their motherland.......". ۳۰

مادر وطن کی آزادی کا عملی مظاہرہ شیخ محمد عبداللہ نے مئی ۱۹۴۶ء میں کشمیر چھوڑ دو تحریک کا آغاز کرتے ہوئے کیا جب شہر و دیہات میں ایک ہی نعرہ گونج رہا تھا:

بیعہ نامہ امرتسر کو توڑ دو — کشمیر کو چھوڑ دو

شیخ محمد عبداللہ نے ایمرجنسی منتظم بننے کے فوراً بعد مہاراجہ ہری سنگھ کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان کی ضمانت سے سویٹزرلینڈ کی طرح

28. Ibid, P. 81-wp%2033%20-%20 Khalid.pdf.

۲۹ عتیق صدیقی، ۱۹۶۷ء، شیخ عبداللہ، کشمیر اور ہم، ص، ۶۳

30. The Tribune, 5th feb. 1934, Lahore.

آزاد رکھا جائے ۔ یہ تجویز مہاراجہ کے لئے قابلِ قبول تھی ۔ مگر وزیر اعظم مہر چند مہاجن نے اس کی شدید مخالفت کی ۳۱۔ حقیقتاً شیخ صاحب کو جب بھی موافق ماحول اور موقع ملتا تھا، کشمیر کی آزادی کا رونا روتے تھے ۔ آسٹریلیائی ہائی کمشنر کے مندرجہ ذیل بیان میں ایسی ہی بھنک آتی ہے:

> "Walter Crocker, High Commissioner for Australia at the time, recalls Abdullah suggesting independence when he met him in Kashmir in 1952 " ۳۲

۲۴ ردسمبر ۱۹۴۷ء میں شیخ محمد عبداللہ نے مہاراجہ ہری سنگھ کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ وہ جموں میں ہندو ریاست قائم کریں اور بقیہ علاقے ایک مسلم ریاست کے لئے چھوڑ دیں ۔ پربھا چوپڑا کے مطابق:

> ".... Sheikh Abdullah made an offer to the Maharaja that he could have the districts of Jammu, Kathua and Udhampur, and leave the rest of the ferritory to be a muslim republic like Pakistan". ۳۳

بہر حال مندرجہ بالا آراؤں سے ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ شیخ محمد عبداللہ روز اول سے ہی کشمیر کی آزادی کا خواب دیکھتے رہے جس سے خطے کی جغرافیائی حالات اور پاور پالیٹکس کے ہتھے چڑھنا پڑا ۔ جب کشمیر کی آزادی ناممکن دکھائی دینے لگی تبھی شیخ صاحب نے کٹھوعہ، ادھمپور اور جموں کو مہاراجہ ہری سنگھ کی تحویل میں دینے اور باقی ریاست کو خود مختار بنانے کی تجویز رکھی تھی ۔ جب اس منصوبے میں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو ریاست کو ایسا خصوصی درجہ دینے کی مانگ کی جو تقریباً آزادی کے برابر ہو ۔ گرچہ یہ

---

31. W.R. Crocker. 1966, Nehru: A Contemporary's Estimate, London, P. 96.

32. Meharchand Mahajan P. 162-163.

33. Prabha Chopra (et.) 2002, Sardar Patel: Kashmir and Hyderabad, New Delhi , P. 11

مطالبہ ہندوستان نے بظاہر قبول کیا لیکن درونی طور وہ اس ڈگر پر چل پڑے جس سے خصوصی درجہ روز بہ روز کمزور ہوتا گیا۔ پھر شیخ محمد عبداللہ نے دفعہ ۳۷۰ کو عملا نے کو استعمال کرنے کے لئے دلی معاہدہ طے کیا۔ جب اس معاہدے کو عملانے کی نوبت آئی تو شیخ محمد عبداللہ اور بھارت سرکار کے درمیان تضاد اور تنازعات نے سر اُٹھایا۔ جس سے شیخ صاحب حد درجہ دل برداشتہ ہوئے۔ نتیجہ کے طور موخر الذکر نے ہندوستان کو راستے پر لانے کے لئے کبھی تقسیم کشمیر، کبھی آزادی، کبھی خصوصی درجہ اور کبھی رائے شماری کا سہارا لیا۔ لیکن حالات نے انہیں ہر محاذ پر گھیر لیا جسمیں زیادہ رول اپنوں نے ادا کیا۔ یہ بھی سچ ہے کہ بین الاقوامی طاقتیں خاصکر برطانیہ اور امریکہ کبھی بھی اس حق نہ تھے اور نہ ہونگے کہ مسئلہ کشمیر کا کوئی پُر امن حل نکل آئے۔

جتنا افسوس کیا جائے کم ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ تاہم وہ کشمیری قوم کی غلامانہ ذہنیت اور زوال کی روداد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال کا یہ شعر ہمیشہ دہراتے تھے



اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
(علامہ اقبال)

سانحہ ۵۳ء اور تجزیہ نگار

۹/اگست ۱۹۵۳ء کے بعد واقعہ کی حقیقت جاننے کے لئے پرجا سوشلسٹ پارٹی نے صادق علی اور مادھو لمائی کو سرینگر بھیج دیا۔ بخشی صاحب نے انہیں ہر ممکن باور کرانے کی کوشش کی کہ شیخ محمد عبداللہ امریکی امداد سے کشمیر کی آزادی کا منصوبہ بنا رہے تھے لیکن یہ الزام اس وقت سراب ثابت ہوا جب سوشلسٹوں نے اس الزام کا ثبوت مانگا۔ لیکن بخشی صاحب نے معذرت کے ساتھ کہہ دیا کہ ان کے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے[۱]۔

تجزیہ نگاروں کی رائے ہے کہ شیخ محمد عبداللہ معاہدہ دلی کو من وعن عملانے میں پس وپیش کررہے تھے۔ کیونکہ بھارت سرکار نے معاہدہ دلی میں جان بوجھ کر کچھ دفعات کے شق مبہم رکھے تھے۔ ابہام کو دور کرنے کے لئے شیخ صاحب نے کئی کوششیں کیں لیکن دلی والے ہمیشہ روڑے اٹکاتے رہے۔ اگر دلی معاہدہ جوں کا توں لاگو کیا بھی جاتا تو بھی دلی والے اس سے چار دن کی چاندنی سے تعبیر کررہے تھے۔ کیونکہ یہ معاہدہ طے ہونے کے فوراً بعد ہندوستانی سرکار کے ایک ذمہ دار نے واشگاف طور کہہ دیا تھا کہ مناسب وقت پر کشمیر ہندوستان میں ضم ہوجائے گا[۲]۔ صدر ریاست کے بقول شیخ عبداللہ دہلی معاہدہ کو عملانے سے اس لئے گریزاں تھے کہ انہیں توقع تھی کہ کشمیر کو خودمختار رکھنے کے لئے آج یا کل ہندوستان پر بین الاقوامی دباؤ ضرور بڑے گا[۳]۔ ۱۹۶۸ء میں مشہور اُردو ڈائجسٹ ''شبستان'' کو انٹرویو دیتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:

''......ہندوستان کی حکومت ان تمام وعدوں اور معاہدوں سے مکرنا چاہتی تھی جو اُس نے مجھ سے اور کشمیری عوام سے کئے تھے......میرا فیصلہ تھا کہ اگر ہم اپنے وعدوں سے ہٹ گئے تو ہماری ساکھ ختم ہوجائے گی۔ ہماری

۱۔ کشمیر رپورٹ، مرتب۔ صادق علی اور مادھو لمائی، ص، 4۔ بحوالہ کشمیر، شیخ عبداللہ اور ہم ص، 86۔

2. A.G. Noorani, Brought to hell, Frontline, Vol.25, No. 18, 2008

۳۔ ڈاکٹر کرن سنگھ، 1984ء، دولِ عہد، سرینگر، ص 343۔

ساری قربانیاں رائیگاں چلی جائیں گی۔ میں پورے غور وفکر کے بعد فیصلہ کر چکا تھا کہ ہمیں اپنے وعدوں سے انکار نہ کرنا چاہئے۔ میں نے اپنے فیصلہ سے ہندوستان کو آگاہ کیا لیکن میرا نظریہ قبول نہیں کیا گیا اور میرے مخالفین یعنی میرے نظریہ کے مخالفین کھل کر سامنے آگئے''۔[۴]

۱۹۵۳ء کا پس منظر بیان کرتے ہوئے برصغیر کے ممتاز تجزیہ نگار اے۔جی نورانی کا کہنا ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان دوریاں اس وقت حد سے بڑھ گئیں جب اول الذکر نے الحاق کو حتمی قرار دینے کے لئے موخر الذکر پر زبردست دباؤ ڈالنا شروع کیا تھا[۵]۔ جس میں کانگریسی قائدین اور اپوزیشن کے علاوہ مرکزی وُزراء بھی ایڈی چوٹی کا زور ڈال رہے تھے۔ اس انتہائی دباؤ کے چلتے شیخ محمد عبداللہ نے ۱۰/اپریل ۱۹۵۲ء کو رنبیر سنگھ پورہ میں ایک زوردار تقریر کی تھی جس پر پنڈت نہرو نے آسمان سر پر اُٹھایا تھا۔ حالات وواقعات سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی قائدین خاص کر پنڈت جی شیخ محمد عبداللہ کو کشمیر کی آئین سازی کے حوالہ سے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جس کا نچوڑ یوں بیان کیا گیا ہے:

''ہمارے رشتوں میں آخری دراڑ اس وقت پڑھ گئی جب جواہر لال نہرو نے الحاق کو کشمیر اسمبلی میں توثیق کرانے کی تجویز پیش کی۔ نہرو کے اس ذہنی بدلاؤ نے مجھے نہ صرف سکتے میں ڈال دیا بلکہ حیرانی میں بھی۔ کیونکہ اکثر وبیشتر وہ ایسے اقدام کی مخالفت کرتا آیا تھا۔ میں نے نہرو کی یہ تجویز نامنظور کی جو میری برطرفی اور طویل اسیری کی بنیاد بنی''[۶]۔

شیخ عبداللہ نے الحاق پر اسمبلی میں بحث کرانے کی تجویز ۱۹۵۱ء میں ہی پیش کی تھی

---

[۴] ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ ''شبستان'' شیخ عبداللہ دوست یا دشمن (خصوصی نمبر)، 1968ء، نئی دہلی، ص 67۔

5. A.G.Noorani, How and why Nehru and Abdullah fellout, "Economic and Political Weekly", Vol.34, No 5. Jan. 30 to Feb 5, 1999.PP.268-272.

6. A.G.Noorani, Kashmir has Still not forgiven New Delhi for what it did on August 9, 1953. "Frontline", vol.25, No18, 2008.

مگر پنڈت نہرو نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا:

"We have made it perfectly clear that the constituent assembly of Kashmir was not meant and is not meant to come in the way of any decision which might flow ultimately from the security council's decision".ے

اس بیان کے پیچھے پنڈت نہرو کے کیا اغراض و مقاصد تھے اس سے قطع نظر یہ اخذ کرنا کہ اقوام متحدہ مسئلہ کشمیر کے تئیں کوئی حل نکالے گا، بالکل عبث تھا کیونکہ مذکورہ ادارہ برطانیہ اور امریکہ کے زیر نگیں تھا جو کشمیر کو اینگلو امریکن تحویل میں دینے کے لئے سخت کوشاں تھا۸۔ ۵۳ء کے متعلق ایک اور دلچسپ رائے یہ ہے کہ شیخ عبداللہ کو برطرف کرانے میں برطانوی حکومت نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ برطانیہ کو کشمیر میں امریکی مداخلت بالکل پسند نہیں تھی۔ ادھر ہندوستان بھر میں امریکی مداخلت کے خلاف لاوا پک رہا تھا۔ اس لئے وہ شیخ صاحب کے خلاف ہر کاروائی کو جائیز ٹھہراتے تھے۔ تاہم لندن والے کھلم کھلا امریکی پالیسیوں کی مخالفت نہیں کرتے تھے بلکہ امریکہ کو یہ تاثر دیا تھا کہ شیخ عبداللہ روسیوں کے قریب ہوتے جارہے ہیں یہاں تک کہ اُن کی کابینہ کے تین وُزراءٔ ریاست میں کیمونسٹ نوازی کی آبیاری کررہے ہیں جس سے کشمیر اور روس کے تعلقات میں اضافہ ہونے کا خدشہ تھا۔ اس لئے تجزیہ نگاروں کو شیخ عبداللہ کی برطرفی میں لندن کا ہاتھ بھی نظر آتا رہا ہے۹۔



7. Dr. Abdul Majid Siraj, 2006, Kashmir Case Law, U.K. P.294.
8. J.K. Banerji, 1948, A Report on Kashmir, Calcutta, P.2
9. Afzal Tahir, The Kashmir Conflict. Internet.

بخشی غلام محمد سے شیخ محمد عبداللہ تک

شیخ محمد عبداللہ کی غیر جمہوری اور غیر آئینی برطرفی کے بعد جب بخشی صاحب کو کشمیر کا وزیر اعظم بنایا گیا تو سب سے پہلے جو کام ان سے کروایا گیا وہ یہ تھا کہ قانون ساز اسمبلی میں ایک قرارداد کی منظور کروائی گئی۔ جو ہندوستان کے ساتھ ریاست کے الحاق کی ضامن بنی۔ جس کے حق میں ۵ کے مقابلے میں ۶۴ ممبران اسمبلی نے اپنے ووٹ کا استعمال کیا[1]۔ قرارداد پاس ہونے کے بعد بخشی غلام محمد نے اعلان کیا کہ کشمیر اب ہندوستان کا اٹوٹ انگ بن گیا ہے۔ اس طرح کشمیر کی خصوصی پوزیشن بالکل مسخ ہو کے رہ گئی۔ اس کے فوراً بعد صدر جمہوریہ ہند نے یہ انکشاف کیا کہ اب ہندوستانی آئین کے بیشتر شقوں کا اطلاق ریاست جموں وکشمیر پر بہ آسانی ہوگا[2]۔ ریاستی ممبران قانون ساز یہ پر مشتمل ''بنیادی اصولوں'' کی کمیٹی کے ذریعہ یہ سفارش منظور کروائی گئی کہ ہندوستانی آئین کے سارے شقوں کو ریاست پر لاگو کیا جائے۔ تاکہ مرکزی سرکار کو اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں کوئی رکاوٹ نہ آنے پائے۔ اس سفارش پر پہلی کاروائی اس وقت عمل میں لائی گئی جب ریاست اور ہندوستان کے درمیان محصولاتی نظام ختم کردیا گیا۔ اور ریاست معیشی طور ہندوستان کے ساتھ مدغم ہوئی۔ جس کے لئے شیخ محمد عبداللہ کی برطرفی وگرفتاری اور بخشی غلام محمد کی عزت افزائی کا ڈرامہ کھیلا گیا[3]۔ ایک آئینی ترمیم کے ذریعہ ''خط متارکہ جنگ'' کو عبور کرنا قانونی جرم قرار دیا گیا[4]۔ جبکہ شیخ محمد عبداللہ کے دورِ حکومت میں عام لوگ آسان پرمٹوں کے ذریعہ سرحد کے آر پار جایا کرتے تھے۔ اسی طرح اس قانون کو کلعدم قرار دیا گیا جس کے تحت ریاست میں داخل ہونے کیلئے ہر غیر ریاستی باشندے کو پرمٹ کی ضرورت پڑتی تھی۔ ان اقدامات کے بعد چند مرکزی وزراء

۱۔ زاہد چوھدری، ص، ۳۳۲۔ پرویز دیوان، ص، ۱۰۳۔

2. Josap Korbel, P. 247.

۳۔ زاہد چودھری، ۲۳۳۔

۴۔ غلام احمد میر، ص، ۱۱۰

کھل کر کہنے لگے تھے کہ کشمیر میں ''رائے شماری'' کرانے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایسا پہلا بیان ولبھ پنت سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ۲۹/مارچ ۱۹۵۶ء میں اسی طرح کے خیالات کا اظہار پنڈت جواہر لال نہرو نے کیا تھا:

''(۱۹۴۷ء سے) آج تک ساڑھے آٹھ سال کا عرصہ بیت جانے کے بعد بھی مسلح افواج ابھی تک وہیں پر موجود ہیں۔ ان حالات میں یہ رائے شماری اور اس سے وابستہ دوسری تمام باتیں مکمل طور پر غیر متعلقہ بن چکی ہیں''۔۵

اصل میں پنڈت نہرو اور سردار پٹیل ۱۹۵۰ء میں ہی رائے شماری سے منحرف ہو گئے تھے۔ چنانچہ سردار پٹیل ۳/جولائی ۱۹۵۰ء میں پنڈت جی کے نام لکھتے ہیں:

I agree with you that a plebicite is unreal. Not only that, it would be positively dangerous because my own feeling is that once the talk starts, the non-muslims in Jammu and Kashmir would start feeling uneasy and we might be faced with an exodus to India."٦

اقتدار کی بھاگ ڈور سنبھالتے ہی بخشی صاحب نے عام لوگوں تک یہ پیغام پہنچایا کہ شیخ محمد عبداللہ کے آلو کھانے پر زور دینے کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اب ہر ایک آدمی دن میں دو بار کیا چار بار کھانا کھا سکتا ہے۔ بخشی صاحب نے وافر مقدار میں غذائی اجناس مہیا رکھنے کا اعلان کیا۔ راشن کے دام اس قدر کم کردئے گئے کہ بھوکے پیاسے بھی سیر ہونے لگے۔ جسے کشمیریوں کو نہ صرف مفت خوری کا چسکا لگا بلکہ کام چوری کی عادت بھی پڑ گئی۔ بخشی صاحب کو ایک ہی فکر لاحق تھی کہ کس طرح رشتہ داروں اور دوستوں کو اقتصادی فائدہ پہنچایا جائے ۷۔ جس کی وجہ سے ان کی حکومت کو BBC یعنی بخشی برادران کارپوریشن

---

۵ سید میر قاسم، ص، ۲۰۶

6. Sardar Patel's Correspondence, Vol. 1,P.317

7. Ajit Bhattacharjea, The Wounded Valley, P. 205.

کے نام سے مشہور ہوئی ۸۔ حالانکہ بھارت سرکار نے ۱۹۴۸ء کے اوائل سے ہی وزیراعظم کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے لئے مالی مشکلات پیدا کئے۔ ان سے ایک ایک روپیہ کا حساب مانگا جاتا تھا۔ امداد کا تقاضہ کرنے پر پہلے اس کی جوازیت طلب کی جاتی تھی لیکن پھر بھی لیت اُلال سے کام لیا جاتا تھا۔ برعکس اس کے مرکز نے بخشی صاحب کے لئے اپنے خزانوں کے دروازے یکمشت کھول دئے۔ مقبول ساحل رقمطراز ہے:

''اگر ایک نظر میں ۱۹۵۳ء سے ۷۵ء تک کی ریاستی حکومتوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ حکومتیں ایک لحاظ سے کافی ''عوام دوست'' ثابت ہوئیں، وجہ صاف تھی کہ ان حکومتوں کو مرکز کی آشیرواد حاصل تھی، دونوں ایک دوسرے کا کام انجام دے رہی تھیں، ریاستی سرکار مرکز کے منصوبوں میں رنگ بھر رہی تھیں اور بدلے میں مرکز نے ان کے لئے اپنے خزانوں کے در و دیوار کھول رکھے تھے۔ ریاستی عوام کی غربت، مفلوک الحالی، پسماندگی اور افلاس کا بھرپور فائدہ اُٹھاتے ہوئے کانگریس نے مرکز سے لے کر ریاست تک عوام کو مفت خوری اور مراعات کا ایسا غلام بنا ڈالا کہ وہ آج تک نہ سمجھ سکے ہیں کہ انہیں دھیرے دھیرے اثر کرنے والے ایک خطرناک مگر میٹھے زہر سے ختم کرنے کا ایک سست رفتار عمل جاری ہے''۹۔

مرکز کی طرف سے خزانوں کے منہ کھولنا، سستے چاول اور باقی ضروریات زندگی کی وافر فراہمی دراصل کشمیریوں کو اس سیاسی ماحول سے دور رکھ کر اپنے خفیہ منصوبوں کی تکمیل کرنا تھی جس کے لئے شیخ عبداللہ ۱۹۳۱ء سے برسرپیکار تھے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ۹راگست ۱۹۵۳ء کی شام تک، چاول فی خروار ۷۰ روپیہ میں بکتی تھی، ۱۰راگست کی صبح کو اس کی قیمت مرکزی سرکار نے ۲۲روپیہ مقرر کی تاکہ کشمیریوں کو انتہائی سستا اور پیٹ بھر کھانا کھلانے سے ہندوستان کے قریب لایا جاسکے۔ تاریخ سے پتہ چلتا

8. Ibid, P. 205.

۹ محمد مقبول ساحل، ص، ۲۰۸

ہے کہ مرکز کے کہنے پر بخشی صاحب نے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے راشن کی فراہمی پر ایک کروڑ روپیہ کی سبسیڈی شروع کی۔ ملازمین کی تنخواہ بڑھادی اور ملازمتوں کے دروازے کھول دئے۔ سیاسی غنڈوں کو اپنانے کے لئے طرح طرح کے مراعات سے نوازا گیا۔ کسی کو بدیشی لائسنس فراہم کیا گیا۔ کسی نے پرمٹ اور کئی لوگوں نے جنگلات کے ٹھیکے حاصل کئے۔ غرض ہر طرح سے سیاسی حریفوں کی وفاداریاں خریدنے کی کوشش کی گئیں۔ صوفی محی الدین لکھتے ہیں:

''جب رعایات کا جال بچھ گیا تو سارے کشمیر میں ایک نفسیاتی فضا پیدا ہوگئی۔ لوگوں کے دلوں میں ایک کشمکش جاگ اُٹھی۔ وہ سوچنے لگے کیا وہ اپنی زندگی بنانے کے لئے رعایات کی طرف دوڑ پڑیں یا ایک کاذ کے لئے جیلوں میں زندگی گذاریں۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد رعایات کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوگئی۔ بخشی صاحب ترغیب وتحریص کے ذریعہ بھی دباؤ اور دھمکیوں کے ذریعہ بھی اپنے سیاسی حریفوں کو پچھاڑنے کی کوشش کرتے رہے'' ۱۰

جب مفادات کو ترجیح دینے والے لوگوں میں اضافہ ہونے لگا تو بڑے بڑے جگادھر بھی اس جال میں پھنس گئے جسے ایک مفاد پرست طبقہ سامنے آگیا۔ اس طرح مرکزی سرکار نے ریاست میں اپنے پاؤں اچھی طرح سے جمائے۔ بدلے میں انہوں نے بخشی غلام محمد کے ذریعہ دفعہ ۳۷۰ کو کھوکھلا بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ حقیقت میں شیخ عبداللہ کی معزولی کے بعد آنے والے تمام حکمرانوں نے کشمیر کی خصوصی پوزیشن بالکل کھوکھلی بنادی۔ مرکزی حکومت نے پہلے بخشی غلام محمد، بعد میں غلام محمد صادق اور پھر میر قاسم کے ذریعہ کشمیر کی خصوصی پوزیشن پلید کرائی۔ اس مدت کے دوران بھارت سرکار نے کشمیر پر تقریباً ۹۲ قوانین نافذ کئے جس سے کشمیر کی آٹونامی برائے نام رہ گئی۱۱ کیونکہ

---

۱۰ صوفی محی الدین، ص، ۱۵۰۔

11.Pervez Majeed, Tragedy of Errors, Weekly "Sahara Times" Jan. 23, 2010, New Delhi

یہ تینوں سیاسی کھلاڑی ہمیشہ مرکزی حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے والوں میں آگے رہتے تھے۔ جب مرکز ایسے لوگوں سے بدظن ہوجاتی تھی تو ان کا تدارک میر قاسم کے لفظوں میں اس طرح کیا جاتا ہے:

"Whenever New Delhi feels a leader in Kashmir,is getting too big for his shoes, it employs Machiavellian methods to cut him to size."[۱۲]

ریاست جموں وکشمیر کے سابق گورنر بی کے نہرو کا کہنا ہے کہ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۵ء تک کشمیر کے سبھی حکمران دہلی سے نامزد ہوکر آتے تھے۔

بخشی صاحب نے اقتداء سنبھالتے ہی اپنے مخالفین پر بے حد مظالم ڈھائے۔ حالات اس قدر بگڑ گئے کہ امن وامان برقرار رکھنا ناممکن بن گیا۔ لوگوں کے خوف سے بخشی صاحب کے حامی سرِ عام گھومنے پھرنے سے گھبراتے۔ سرکار حامی کارکنان خوف کے مارے مقامی تھانوں میں روپوش رہتے تھے۔ انہیں کھانا کھانے کے لئے رات دیر گئے پولیس کی حفاظت میں گھر پہنچایا جاتا۔ سرکار قائم کرنے کے باوجود اپنے ورکروں اور حمایتوں سے رابطہ کرنا بخشی صاحب کیلئے خطرے سے خالی نہ تھا۔ اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے انہوں نے پیس بریگیڈ نام سے غنڈوں کی ایک فوج تیار کی جن کو لوگ خفتن فقیر کہا کرتے تھے۔ جنہوں نے شیخ عبداللہ کے حامی کارکنوں کے خلاف جھوٹے مقدمات درج کراکے انہیں نہ صرف گرفتار کروایا بلکہ انسانیت سوز تکالیف دینے سے بھی گریز نہ کیا۔ چنانچہ قاسم صاحب رقمطراز ہیں:

" The government agents forced hot patatoes into the mouths of their opponents, put heavy stones on their chests and branded them with red hot irons."[۱۳]

بخشی صاحب یا سرکار کے نکتہ چینی تو دور کی بات تھی، شیخ عبداللہ کا نام لینا خطرناک

---

12. Syed Mir Qasim, P. 119.

13. Syed Mir Qasim, P. 82.

جُرم تصور کیا جاتا تھا۔ ان کا نام لینے والوں کو پہلے مار پیٹ، پھر جرمانہ اور اس کے بعد قید کیا جاتا تھا۔ اسی طرح پریس پر بھی مکمل پابندی عاید کی گئی تھی۔ اخبار مشرق کے دفتر کو اس لئے تہس نہس کیا گیا اور عملہ کی مار پیٹ کی گئی کہ انہوں نے محض شیخ عبداللہ کی تصویر چھاپی تھی۔ اگر بخشی صاحب کے غنڈے صرف سیاسی مخالفین سے نمٹتے تو بات کی غیر جمہوری اور غیر آئینی جوازیت سمجھ آسکتی تھی لیکن یہ غنڈے شریف اور پرامن شہریوں کو نہ صرف خوف زدہ کرتے بلکہ ان کے مکانوں پر پتھراو بھی کرتے۔ ان کی بہو بیٹیوں کی عزت ہر وقت خطرے میں رہتی۔ سیاسی مخالفین، ذی عزت لوگوں اور عام انسانوں کو دبانے کے لئے بخشی صاحب نے پیس بریگیڈ کے لئے ۱۹۵۴-۱۹۵۵ء میں سوا دو لاکھ اور ۱۹۵۵-۱۹۵۶ء کے لئے ساڑھے پانچ لاکھ روپیہ مشخص کئے تھے[۱۴]۔ اس دور میں سیاسی مخالفین سے بدلہ لینے کے لئے "آتش زنی"، مار پیٹ اور جاسوسی کے الزامات وغیرہ جیسے چالان دائیر کئے جاتے تھے۔ بقول صادق صاحب "سیاسی مخالفین کو اس طرح سے دبانے اور ان سے انتقام لینے کا طریقہ مہاراجہ ہری سنگھ کے دور حکومت میں بھی نہیں تھا......"[۱۵] جب اس "ہُش مُش" اور غنڈہ راج نے لوگوں کے ذاتی معاملات میں داخل اندازی کی حد کردی تو سرکاری نظام کی طرح عام نظم و نسق بھی بگڑ گیا۔ تو اِس کا مقابلہ کرنے کے لئے دو محاذ معرض وجود میں آئے۔ ایک کھل کر کام کرنے لگا جو "وار کونسل" کے نام سے مشہور ہوا۔ جس نے شیخ محمد عبداللہ کی رہائی، بخشی صاحب کی برطرفی اور حق خود ارادیت کیلئے کام شروع کیا۔ اسی مورچہ کو آگے چل کر "محاذ رائے شماری" کا نام دیا گیا۔ جس کا سہرا ان اسمبلی ممبران کے سر تھا جنہوں نے بخشی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کیا تھا۔ یہ تنظیم ۹ راگست ۱۹۵۵ء میں تشکیل دی گئی۔ مرزا محمد افضل بیگ اس کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔ وکٹوریہ شوفیلڈ لکھتے ہیں کہ اس محاذ کو پاکستان سے کم و بیش مالی امداد مل رہی تھی[۱۶]۔ جدوجہد کا دوسرا مورچہ بخشی وزرات کے

۱۴۔ پیارے لال کول، ص، ۱۲۶۔

۱۵۔ مذکورہ، ص، ۱۲۶

16. Victoria Schafield, P. 94.

اندر تیار ہو چکا تھا جس کی سربراہی غلام محمد صادق کر رہے تھے جو اپنی سرگرمیاں خفیہ طور جاری رکھے ہوئے تھے۔ صادق صاحب اور بخشی صاحب کے درمیان اختلافات کی بنیادی وجہ کنبہ پروری، رشوت ستانی اور سیاسی انتقام گیری اور موخرالذکر کے طرفدارانہ رویہ میں مضمر تھی۔ ان دونوں کے درمیان دوریاں اس لئے بھی بڑھ گئیں کہ اول الذکر نے شیخ عبداللہ کو ۳۰/اپریل ۱۹۵۸ء میں گرفتار کر کے اس کے خلاف ''کشمیر سازش کیس'' کا مقدمہ درج کیا جو بقول قاسم صاحب نہ صرف رسوائے زمانہ مقدمہ تھا بلکہ ایک طے شدہ سازش ۱۷۔ ایک طویل کوشش کے بعد صادق صاحب کی جدوجہد اس وقت رنگ لائی جب کامراج پلان کے تحت بخشی صاحب نے اگست ۱۹۶۳ء میں استعفٰی دے دیا اور اقتدار کی گدی خواجہ شمس الدین کے ہاتھ آ گئی۔ اطلاع ہے کہ اقتدار چھوڑنے سے پہلے اول الذکر کے خلاف مرکزی سرکار کو ۷۷ شکایتیں موصول ہوئی تھیں جس میں تقریباً چار کروڑ روپیہ کا گھوٹالہ بھی شامل تھا۔ اگرچہ بخشی صاحب نے مستعفی ہونے سے پہلے تمام الزامات کا ازالہ کرنے، اپنا اقتدار بچانے اور مرکزی سرکار کو خوش کرنے کے لئے کشمیری آئین خاص کر آٹونامی کی مٹی مکمل طور پلید کی لیکن تب بھی وہ اپنے اقتدار کو نہ بچا سکے۔ سبکدوشی سے پہلے دئے گئے بخشی صاحب کے بیان کو ایک انگریز مورخ شوفیلڈ نے یوں قلمبند کیا ہے:

> "Shortly before his resignation, Bakshi Gulam Mohammad had announced that the head of the Kashmir state in future, be called Chief Minister rather than Prime Minister, which would conform with the other states of Indian union and that the Sadr-i-Riyasat would be known as the governer."۱۸

شمس الدین کی حکومت کو ابھی سوا دو مہینے ہوئے تھے کہ ۲۶/۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء کی درمیانی رات کو حضرت بل سے موئے شریف چرائے جانے کی خبر آئی۔ اس المناک

17. Syed MIr Qasim, P. 236
18. Victoria Schofield, P. 97.

حادثہ کی وجہ سے وادی کشمیر کی زندگی ہر لحاظ سے مفلوج ہوگئی۔ تمام قسم کا کاروبار ٹھپ ہو کے رہ گیا۔ لوگ سیلاب کی طرح سڑکوں پر اُمڈ آئے۔ جلسوں اور جلوسوں کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوا۔ گاؤں دیہات سے لاکھوں لوگ بلا لحاظ مذہب وملت روتے چلاتے اور نعرہ بازی کرتے ہوئے حضرت بل پہنچ جاتے۔ تشدد کے اُکے دُکے واقعات بھی پیش آئے۔ لوگوں کی قیادت کے لئے شیخ عبداللہ کے فرزند فاروق عبداللہ، مولانا محمد سعید مسعودی اور مولوی محمد فاروق سامنے آگئے۔ جنہوں نے آل پارٹی ایکشن کمیٹی تشکیل دی اور اس طرح موئے مقدس کی بازیافت اور شیخ محمد عبداللہ کی رہائی کے لئے باضابطہ ایک تحریک شروع ہوئی۔ تحریک کا اہم نعرہ ''اصلی ملزم کو پیش کرو'' تھا۔ شک کی سوئی بخشی صاحب کی طرف گھوم پھر رہی تھی [19]۔ اس لئے ایجی ٹیشن کا رُخ روز بہ روزان کے تئیں سخت ہورہا تھا۔ لوگ اس قدر مشتعل تھے کہ کوئی معمولی کاروائی حالات کو قابو سے باہر کرسکتی تھی۔ اِس دوران نیشنل کانفرنس (بخشی گروپ) کے جنرل سیکرٹری بخشی عبدالرشید لوگوں کے ایک ہجوم کے سامنے نمودار ہو کر کہنے لگے کہ ''کوئی فساد برپا کرنے کے بغیر چپ چاپ اپنے گھروں کو چلے جاؤ''۔ یہ باتیں جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کرگئیں۔ ہجوم تشدد پر اُتر آیا۔ بخشی رشید کی گاڑی نذرِ آتش کی گئی۔ پولیس کی بروقت مداخلت سے وہ بال بال بچ گئے۔ مشتعل ہجوم نے بخشی غلام محمد کے بھائی بخشی عبدالمجید کے مکان اور اس کے سینما گھر کو نذرِ آتش کردیا۔ مشتعل ہجوم نے کوٹھی باغ پولیس اسٹیشن میں آگ لگادی۔ پولیس نے گولی چلائی تو تین آدمیوں کی موت واقع ہوئی [20]۔ اس صورت حال کے پیش نظر بخشی صاحب چوری چھپے دلی چلے گئے اور وہیں روپوش ہوئے۔

موئے مقدس کی گمشدگی کے حوالہ سے لوگوں میں کئی خدشات پائے جارہے تھے۔ مثلاً یہ کہ یہ سب شمس الدین کا تختہ الٹنے کے لئے کیا گیا جس میں صادق اور قاسم کے ہاتھ ہونے کا قوی امکان تھا۔ بخشی کے بعد وزارت اعظمٰی کے دعویداروں میں یہ دونوں سرفہرست تھے لیکن بخشی صاحب نے آخری موقع پر ان کی امیدوں پر پانی پھیر

19. Syed Mir Qasim, P. 248
20. B.N. Mullik, PP. 120-121

دیا۔ ایک اور افواہ یہ تھی کہ اس نازیبا حرکت کے پیچھے پاکستان کا ہاتھ تھا۔ جس نے پیر مقبول گیلانی کے ذریعہ موئے شریف کو اپنی جگہ سے ذرا دور چھپا کے رکھوایا تھا تاکہ اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے کشمیر میں تشدد بھڑکا جائے ۲۱۔

اسی دوران بخشی صاحب دلی سے سرینگر آ گئے۔ جونہی لوگوں کو یہ اطلاع ملی تو ایک بڑے ہجوم نے ان کے گھر پر حملہ کر دیا۔ لوگوں کو تتر بتر کرنے کے لئے پولیس نے گولیاں چلائی جس میں کئی جانیں تلف ہوئیں۔ پُر تشدد مظاہرے جاری تھے کہ ۴ر فروری ۱۹۶۴ء کو اچانک ریڈیو سے اعلان ہوا کہ موئے مقدس مل گیا ہے۔ تاہم یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اسے کہاں سے برآمد کیا گیا۔ شیخ صاحب کے لفظوں میں اس ''سارے معاملے کو خاموشی کی ایک سازش کا کفن پہنا کر دفن کر دیا گیا'' ۲۲۔ تاہم ایک مضبوط دلیل یہ پیش کی گئی کہ ''بخشی صاحب کی ماں زبردست بیمار تھی جو موت و حیات کی جنگ لڑ رہی تھی۔ انہیں موئے شریف کے دیدار کی خواہش ہوئی۔ چونکہ موئے مقدس اپنی جگہ سے اُٹھانا کسی کے بس میں نہیں تھا۔ اس لئے بخشی صاحب نے یہ کام انتہائی رازداری سے انجام دیا اور پھر اُسے اپنی جگہ رکھا'' ۲۳۔ اس سانحہ کے تحقیقاتی افسر بھولے ناتھ مُلِک کا کہنا ہے کہ موئے شریف کس نے اور کیوں چُرایا تھا اور کہاں رکھا تھا، ایک اہم راز ہے جو وہ کبھی کسی کو نہیں بتائیں گے ۲۴۔ ایک اور اطلاع یہ ہے کہ سراغ رسانی کے ڈپٹی سُپر انٹنڈنٹ غلام حسن کاوسہ جو بخشی صاحب کے رازداروں میں شمار ہوتے تھے کو موئے شریف کی بازیابی کے بعد ۱۹۶۴ء میں پُراسرار طور مردہ پایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے خودکشی کی تھی لیکن بعض حلقے اسے قتل کی واردات قرار دے چکے ہیں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ کاوسہ کو موئے مبارک کی گمشدگی اور اس کے ملزموں کا پورا پورا علم تھا۔ اس لئے افشائے راز سے باز رکھنے کے لئے ان کو ابدی نیند سُلا دیا گیا ۲۵۔

---

21. Ibid, PP. 140-142

۲۲ شیخ محمد عبداللہ، ص، ۵۳۳۔

۲۳ محمد مقبول ساحل، ص، ۲۶۲۔

24. B.N. Mullik, P. 142

۲۵ پیارے لال کول، ص، ۱۱۸۔

موئے شریف کی بازیابی کے چند ہی دنوں بعد مرکز نے غلام محمد صادق کو کشمیر کا نیا وزیر اعظم نامزد کیا جس نے ۱۹۷۲ء تک حکومت کی۔ اقتدار سنبھالنے کے چند ماہ بعد اُس نے شیخ محمد عبداللہ کو ۸ر اپریل ۱۹۶۴ء میں رہا کر دیا۔ اس بیچ صادق صاحب اور میر قاسم وغیرہ نے جموں و کشمیر کانگریس پارٹی کی شاخ قائم کی جس کے خلاف شیخ محمد عبداللہ نے ترک موالات کی تحریک شروع کی۔ مذکورہ تحریک کچھ مدت تک انتہائی موثر رہی۔ لوگ کانگریس سے اس قدر متنفر تھے کہ ایک مرتبہ نوا کدل کے ایک کانگریسی علی محمد رنگریز کی ماں فوت ہوئی۔ لوگ میت کو سُپرد خاک کرنے کیلئے جارہے تھے کہ محلّہ والوں نے اس تابوت کو ہی نذر آتش کیا[۲۶]۔ یہ تحریک اُس وقت کمزور پڑگئی جب اِس کے روحِ رواں شیخ صاحب حج کے سلسلہ میں ملک سے باہر چلے گئے۔

دریں ایام عوام کو معلوم ہوا کہ شیخ محمد عبداللہ کو دلی آنے کے لئے پنڈت جواہر لال نہرو نے دعوت نامہ بھیجا ہے۔ سرینگر میں چند دن گذارنے کے بعد شیخ صاحب ۲۹ر اپریل کو دلی روانہ ہوئے جہاں آپ نے پنڈت جی سے طویل ملاقات کی جو سیاسی مُبصرین کے بقول کافی اہم تھی۔ کیونکہ ''دہلی میں پنڈت جواہر لال نہرو اور جموں و کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ دو غیر متنازعہ شخصیات تھیں جو فیصلہ لینے اور اس پر عمل درآمد کرنے کا منڈیٹ رکھتی تھیں''[۲۷]۔ بات چیت کے دوران کیا طے ہوا، صیغۂ راز میں رکھا گیا۔ لیکن ایک بات ضرور سامنے آگئی کہ شیخ محمد عبداللہ پاکستان جا کر وہاں کے حکمرانوں اور سیاسی رہنماؤں سے مِل کر مسئلہ کشمیر کا کوئی پائیدار حل نکالنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ چنانچہ ۲۴ر مئی ۱۹۶۴ء کو شیخ محمد عبداللہ بات چیت کی غرض سے مرزا محمد افضل بیگ، مولانا محمد سعید مسعودی اور بارہمولہ کے خواجہ میرک شاہ وغیرہ کے ہمراہ پاکستان روانہ ہوئے۔ جہاں اُن کا خلاف توقع شاندار استقبال کیا گیا۔ پنڈت نہرو کو یقین تھا کہ شیخ محمد عبداللہ کا پاکستان میں نہ کوئی استقبال ہوگا اور نہ ہی کوئی پذیرائی۔ چودھری غلام عباس جو ۱۹۵۳ء تک شیخ صاحب کو غدار کہتے تھے، اُن کو گلے لگانے والوں میں پیش پیش تھے۔ اتنا ہی

۲۶۔ سید میر قاسم، ص، ۲۷۴۔

۲۷۔ غلام احمد میر، ص، ۱۱۵۔

نہیں بلکہ پاکستان پہنچتے وقت چودھری صاحب نے اپنی تقریر میں شیخ محمد عبداللہ کو ''برصغیر کا سب سے قد آور، عظیم لیڈر اور مسلمانوں کا ہمدرد قرار دیا'' ۲۸۔ پاکستانی صدر ایوب خان، وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اور باقی رہنماؤں کے ساتھ نہایت خوشگوار ماحول میں شیخ صاحب کی بات چیت ہوئی۔ جسے تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ شیخ صاحب نے کئی وفود سے بھی ملاقات کی۔ اطلاع ہے کہ دورہ کے اختتام پر پاک مقبوضہ کشمیر کے مظفر آباد شہر میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا گیا۔ جہاں لوگوں کا اژدہام جمع ہوا تھا کیونکہ ایک طرف عام لوگ کوئی نئی بات سننے کے لئے بے تاب تھے اور دوسری طرف وہ کشمیر کے محبوب رہنما کو نزدیک سے دیکھنے کے لئے بے قرار۔ جب شیخ صاحب نے تقریر شروع کی تو پورا شہر نعروں سے گونج اُٹھا۔ تمہیدی اور تاریخی باتیں کہنے کے بعد جب شیخ صاحب پاکستان کے ساتھ ہوئی بات چیت کا خلاصہ یا بقول غلام احمد میر ''اہم معاہدے کا اعلان کرنے والے تھے تو ایک آدمی نے اسٹیج پر آکر شیخ صاحب کے کان میں سرگوشی کی کہ بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو چل بسے......!۔ یہ کشمیری عوام کی بدقسمتی تھی یا تقدیر کا فیصلہ کہ ان دو عظیم لیڈروں کے درمیان طے پانے والا معاہدہ دھرا کا دھرا رہ گیا'' ۲۹۔ دوسرے ہی سانس میں شیخ صاحب نے اس تاریخی جلسہ کو ماتمی جلسے میں تبدیل کیا اور پنڈت نہرو کو زبردست خراج عقیدت پیش کرنے کے بعد دلی روانہ ہوئے۔

جب شیخ صاحب، پنڈت نہرو اور پاکستانی حکام کے درمیان طے شدہ معاہدہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا تو پاکستان نے اس کا فائدہ اُٹھا کر ۲/اگست ۱۹۶۵ء میں ہندوستان پر جنگ مسلط کر دی جو پچاس دنوں تک جاری رہی۔ اس دوران پاکستان کا درّہ حاجی پیر اور چکن نیک علاقے ہندوستان کے قبضے میں آگئے۔

نہرو کی موت کے بعد شیخ صاحب پھر ایک بار الجھنوں میں پڑ گئے۔ اسے چارسو کانٹے ہی کانٹے نظر آنے لگے۔ اس بیچ اُنہوں نے سفر محمود پر جانے کے لئے بھارت سے اجازت نامہ طلب کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے کئی مغربی ملکوں کا دورہ کرنے کا پروگرام

---

۲۸ مقبول ساحل، ص، ۲۱۴۔

۲۹ مذکورہ، ص، ۱۱۶۔

بھی بنایا۔ کافی غور و فکر کرنے کے بعد بھارت سرکار نے انہیں مُلک سے باہر جانے کے تمام کاغذات تھما دئے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۶۵ء کے اوائل میں شیخ صاحب ہندوستان سے روانہ ہوکر پہلے مصر جا پہنچے جہاں آپ صدر کرنل ناصر کے مہمان ہوئے اور مسئلہ کشمیر پر تبادلۂ خیال کیا۔ جہاں شیخ صاحب نے کشمیر کے دونوں حصوں کو ملانے کی تجویز پیش کی۔ یہاں سے شیخ محمد عبداللہ لندن پہنچے اور برطانوی لیڈروں کے ساتھ مسئلہ کشمیر پر بات کی۔ اسکے بعد شیخ صاحب الجیریا روانہ ہوئے جہاں اُن دنوں ایشیاء افریقہ کانفرنس چل رہی تھی جس میں چین کے وزیراعظم چواین لائی بھی شریک تھے۔ الجیریا پہنچنے پر اگرچہ حکومت ہند سے وابستہ سفارت کاروں نے شیخ محمد عبداللہ سے بے رخی برتی لیکن اینگلو امریکی سازش کے تحت پاکستانی سفارت کاروں نے ''شیخ چواین لائی ملاقات'' کے لئے کافی کوشش کی تاکہ اول الذکر اور ہندوستان کے درمیان اختلاف کی خلیج اور بھی وسیع ہوجائے۔ افضل طاہر لکھتے ہیں:

"Sheikh Abdullah's meeting with China's leader organised by Pakistan, was a calculated move for a continuity of London and Washington approval towards Delhi and Islamabad's Kashmir policy that was to consider a bilateral territorial question."[30]

''شیخ چواین لائی ملاقات'' میں کون سی باتیں ہوئیں، اُس بارے میں شیخ محمد عبداللہ کہتے ہیں کہ ''میں اُن سے گلگت کے ان علاقوں کے بارے میں ان کے نظریات خود ان کی زبان سے سُننا چاہتا تھا جو پاکستان نے ایک معاہدے کے ذریعہ چین کو دے دئے ہیں۔ بہر حال میری اور ان کی ملاقات کوئی خفیہ ملاقات نہیں تھی۔ پھر بھی میں نے اُس کی پوری تفصیل ہندوستانی سفیر برائے الجیریا کے ذریعہ حکومت ہند کی وزارات خارجہ کو بھجوادی تھی''[۳۱]۔ اس ملاقات کی اطلاع جب حکومت ہند کو ملی تو آسمان سر پر اُٹھایا گیا کہ شیخ صاحب کو بیرون ملک جانے کی اجازت ہی کیوں دی گئی تھی اور انہیں بھارت کے روایتی دشمنوں کے ساتھ ساز باز کرنے کا موقعہ کیونکر فراہم کیا گیا۔ الجیریا سے شیخ

30. Kashmir Conflict, Internet.

۳۱۔ شبستان، شیخ عبداللہ دوست یا دشمن، ص، ۲۵۔

صاحب سیدھے سعودی عرب چلے گئے جہاں وہ رابطہ عالم الاسلامی کانفرنس میں شریک ہوئے لیکن یہاں بھی شیخ صاحب نے حسب معمول پاکستان کے مقابلے میں ہندوستانی نقطۂ نگاہ کی تائید کی۔ اس بیچ ہندوستانی سفیر نے شیخ عبداللہ کو بھارت سرکار کا یہ پیغام پہنچایا کہ اگر فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد وہ ہندوستان واپس نہیں لوٹے تو پاسپورٹ منسوخ کیا جائے گا۔ اُن دنوں شیخ صاحب کوئی مسلمان ممالک نے سیاسی پناہ دینے کی پیشکش کی تھی تاہم وہ تنازعہ کشمیر کا حل نکالنے کے لئے کسی یورپی ملک میں پناہ گزین ہونا چاہتے تھے۔ مولانا سیّد ابوالحسن ندوی اپنی آپ بیتی ''کاروانِ زندگی'' میں لکھتے ہیں کہ ان کی کوششوں سے ہی شیخ محمد عبداللہ ہندوستان واپس آنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ جبکہ شیخ محمد عبداللہ یورپ جا کر مسئلہ کشمیر کا حل ڈھونڈ نکالنے کے حق میں تھے۳۲۔ تاہم جب ۷ رمئی ۱۹۶۵ء کو شیخ محمد عبداللہ پونے تین مہینے ملک سے باہر رہنے کے بعد مکہ مکرمہ سے نئی دہلی پہنچے تو حکومت ہند نے انہیں گرفتار کر کے اوٹاکمنڈ میں قید کیا۔ ان کی گرفتاری کی کئی وجوہات بتائی جاتی ہیں۔ ایک چواین لائی سے اُن کی ملاقات اور دوسرا وزیر داخلہ شری گلزاری لال نندہ سے اُن کی دشمنی۔ جس کی خاص وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ پاکستان جانے سے پہلے شیخ عبداللہ نے پنڈت جواہر لال نہرو کو مشورہ دیا تھا کہ نندہ کو وزیر داخلہ نہ بنایا جائے۔ پنڈت نہرو نے شیخ محمد عبداللہ کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان سے واپسی پر اِس تجویز پر غور کیا جا سکتا ہے۔ قاسم صاحب لکھتے ہیں:

> ''پنڈت جی زندہ رہتے تو شاید شیخ صاحب کی واپسی کے بعد گلزاری لال نندہ ہوم منسٹر نہ رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ پنڈت جی کی وفات کے بعد گلزاری لال نندہ شیخ صاحب سے انتقام لینے کے لئے بے چین تھے اور الجزائر میں چواین لائی کے ساتھ شیخ صاحب کی ملاقات نے انہیں یہ موقعہ فراہم کیا۔ کیونکہ اس وقت پورے ملک میں شیخ صاحب کے خلاف ناراضگی کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا تھا''۳۳۔

۳۲۔ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، کاروانِ زندگی، جلد، اول، ص، ۵۱۱ بحوالہ سید میر قاسم، ص، ۲۸۸۔
۳۳۔ سید میر قاسم، ص، ۲۸۷

بہر حال اوٹا کمنڈ جیل میں کچھ عرصہ گذارنے کے بعد شیخ عبداللہ کو جنوبی ہند کے ایک اور قید خانہ کوڈائی کنال منتقل کیا گیا۔ ۱۹۶۷ء میں اس کو دہلی لاکر کوٹلہ لین کے بنگلہ نمبر ۳ میں نظر بند رکھا گیا۔ آخر حکومت ہند نے انہیں تین سالہ قید کے بعد ۱۹۶۸ء میں رہا کر دیا لیکن کشمیر میں ان کا داخلہ ۱۹۷۱ء تک ممنوع قرار دیا گیا۔

۱۹۷۱ء کے اوائل میں ہاشم قریشی نے بھارت کا ہوائی جہاز اغواء کر کے پاکستان پہنچایا۔ جہاں اُسے نذرِ آتش کر دیا گیا جس سے بھارتی ایوانوں میں زبردست ہل چل مچ گئی۔ اس بیچ ذوالفقار علی بھٹو نے کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے یہ دھماکہ خیز اعلان کیا کہ وہ ملک ہند کے ساتھ ایک ہزار سال تک جنگ کر سکتا ہے۔ ردِعمل کے طور ہندوستان کی آہنی عورت وزیر اعظم شری متی اندرا گاندھی نے پاکستان کو شدید وارننگ دی۔ بدلہ لینے کا موقعہ پاکستانی حکام نے ازخود فراہم کیا جب ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی کے مقابلہ میں عوامی لیگ کے صدر شیخ مجیب الرحمٰن کو مشرقی پاکستان میں الیکشن کے دوران بھاری اکثریت ملی۔ لیکن بھٹو نے شیخ مجیب کو اکثریت کے باوجود ملک کی حکومت نہ بنانے دی۔ جس کی وجہ سے مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان میں بغاوت اور سول نافرمانی کا آغاز کیا[۳۴۳]۔ اس تنازعہ کا فائدہ اُٹھا کر اندرا گاندھی نے پاکستان پر حملہ کر کے مشرقی پاکستان کو الگ کر دیا اور بنگلہ دیش کے نام سے ایک نئے ملک کی بنیاد ڈالی۔ جنگ کے دوران پاکستان کے ۹۵ ہزار فوجیوں نے ڈھاکہ کے مقام پر ہندوستانی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالدئے۔ ان کی رہائی اور امن و آشتی کی بھینک مانگنے کے لئے وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو، خاتونِ جزیرہ شری بندھارا نائیکے کے برآمدے پر اپنا ماتھا اس لئے خوب رگڑتے رہے کہ ان کی آشیرواد سے وزیر اعظم ہند کو بات چیت کے میز پر لایا جاسکے۔ شری لنکا کی وزیر اعظم بندھارا نائیکے نے دل شکستہ بھٹو کی پُر درد عرض فوراً قبول کرتے ہوئے محترمہ اندرا گاندھی کے ساتھ مفصل بات چیت کی۔ جس کے بعد ہندو پاک کے درمیان ۲ اور ۳ جولائی ۱۹۷۲ء کی درمیان رات میں حسب سابقہ ایک اور ناجنگ سمجھوتہ طے ہوا جو شملہ معاہدے کے نام سے جانا جاتا ہے۔

۳۴۳؎ غلام احمد میر، ص، ۱۲۶

کشمیر اور ہندو پاک معاہدے

مسئلہ کشمیر پر جب بھی ہندوستان اور پاکستان کے حالات کشیدہ ہو گئے تو جنگ چھڑ گئی۔ زبردست مالی و جانی نقصان سے دوچار ہونے کے بعد فریقین ناجنگ معاہدہ کے لئے بھی آمادہ ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء سے آج تک برابر جاری ہے۔ پہلا ناجنگ معاہدہ اُس وقت ہوا جب قبائیل اور ہندوستانی فوج کشمیر میں یکے بعد دیگرے داخل ہو کر زائد از ایک سال تک ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ تاریخ میں درج ہے کہ پاکستانی بیوروکریٹ اور بعد کے گورنر جنرل غلام محمد نے ۱۹۴۸ء میں ہندوستانی نمائندوں کے ساتھ ''معاہدہ کلکتہ'' پر دستخط کئے جس میں طے پایا کہ ایک دوسر کے معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی ۳۵۔ لیکن اس معاہدے پر کبھی عمل نہیں ہوا۔ اگر ''معاہدہ کلکتہ'' روبعمل لایا گیا ہوتا تو ۱۹۶۵ء کی جنگ نہیں ہوگئی ہوتی۔ اس جنگ ۳۶ میں شکست کھانے کے بعد پاکستانی صدر ایوب خان اور ہندوستان کے وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے روسی صدر کوسی جن کے کہنے پر ۱۰ر جنوری ۱۹۶۶ء کو ازبکستان کے دارالحکومت میں ''معاہدہ تاشقند'' پر دستخط کئے جس میں بھارت کا یہ موقف تسلیم کیا گیا کہ تمام مسائل بین الاقوامی پلیٹ فارم کے بجائے آپس میں مل بیٹھ کر حل کئے جائیں گے۔ ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا نہ کرنے کا فیصلہ بھی ہوا۔ اس معاہدہ میں کشمیر کے حق خود ارادیت کی کوئی ذکر نہیں ہے ۳۷۔ معاہدہ کی نکتہ چینی کرتے ہوئے بھٹو صاحب نے ایوب خان کو نہ صرف غدار ٹھہرایا بلکہ مسئلہ کشمیر کو سرد خانے میں ڈالنے کا الزام بھی عاید کیا۔ اس طرح یہ معاہدہ الزام اور جوابی الزام کے بھینٹ چڑھ گیا۔ دو ہمسایہ ممالک جوں توں کر کے کچھ وقت کے لئے خاموش ضرور ہوئے لیکن تناؤ اور تضاد نے ان کا پیچھا تادم تحریر

۳۵ مسئلہ کشمیر کل، آج اور کل، 1989، ایڈیٹر سلیم منصور خالد، لاہور، ص، 225۔

۳۶ اس جنگ میں ہندوستان کے تین ہزار اور پاکستان کے تین ہزار آٹھ سو فوجی ہلاک ہو گئے۔ ٹائم میگزین کے مطابق پاکستان کو 690 جبکہ ہندوستان کو 250 میل کے رقبہ سے ہاتھ دھونا پڑا۔

۳۷ ممتاز احمد، 1970ء مسئلہ کشمیر تاریخی، سیاسی اور قانونی مطالعہ، کراچی، ص 121

نہیں چھوڑا۔ بہرحال شملہ معاہدے میں کیا باتیں طے ہوئیں۔ان کی تفصیل یوں ہیں:

۱۔ ہندوستان اور پاکستان کسی تیسرے فریق کے بغیر تمام مسائل ازخود حل کریں گے۔

۲۔ پاکستان کبھی بھی مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ یا اور کسی دوسرے فورم میں نہیں اُٹھائے گا۔

۳۔ کشمیر کی جنگ بندی لائین کو لائین آف کنٹرول قرار دیا گیا۔[۳۸]

اس کے علاوہ کشمیر کے معاملے پر ہندوستان کے ساتھ ہزار سال تک جنگ لڑنے کا خیالی پُلاو پکانے والے پاکستانی رستم ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے مفادات کے خاطر نہ صرف ''خط متارکہ جنگ'' کو لائین آف کنٹرول میں تبدیل کرنے کی تجویز قبول کی بلکہ آر پار تجارت کرنے اور آوا جائی کی غرض سے سیماریکھا کو بین الاقوامی سرحد ماننے کے لئے بھی تیار ہو گئے[۳۹]۔اس معاہدے کی بدولت ذوالفقار علی بھٹو نے پاک مقبوضہ کشمیر میں اپنی سیاسی جماعت پیوپلز پارٹی کا یونٹ قائم کرنے کا راستہ ہموار کر دیا۔جس کے پس پردہ نہ صرف مقبوضہ علاقوں کا اقتدار سنبھالنا تھا بلکہ معاہدہ کے مطابق مذکورہ علاقے کو پاکستان کے ساتھ ضم کرنا بھی۔ایسا فیصلہ لیتے وقت نکتہ چینیوں سے بچنے کے لئے طرفین نے معاہدہ میں یہ اضافی جملہ بھی درج کیا:

> "India would make proforma protest a low key."[۴۰]

اطلاع ہے کہ شملہ بات چیت کے دوران اندرا گاندھی نے مسئلہ کشمیر کو حتمی طور حل کرنے کی کافی کوشش کی لیکن ذوالفقار علی بھٹو آمادہ نہ ہوئے اس لئے کہ ایسا کرنے سے بقول ان کے انہیں اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑتا۔چنانچہ ایک سفارت کار لکھتے ہیں:

> "She tried hard but Bhutto said if he agreed to a final settlement at Shimla he would be overthrown and the military would take over power and

---

38. P.N.Dhar, 2000, Indira Ganhdhi, Emergency and Indian Democracy, New Delhi, PP. 194-196, CF, The Times London,4 July, 1972.
39. Ibid, P 196.
40. Ibid, PP.139-197

increase tension with india." ۴۱

تجزیہ نگاروں کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ اندرا گاندھی نے مسئلہ کشمیر کا دائمی حل نکالنے کا ایک سنہری موقع گنواں دیا۔ اس اہم موقعے کا فائدہ وزیر اعظم ہند کیوں کر نہ اُٹھا سکی، ابھی تک ایک معمہ ہے۔ جیمز سٹر بار قمطراز ہے:

"There is possibility of a secret agreement behind the progress report of Shimla accord." ۴۲

جہاں تک بھٹو صاحب کا تعلق ہے معاہدہ کے دوران انہوں نے اپنے ملک کے بیشتر کام نمٹائے۔ رہی بات مسئلہ کشمیر کی۔ اس بارے میں انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اسے فلحال کسی سرد خانے میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ان کے الفاظ اجیت کماریوں پیش کرتے ہیں:

"..... Kashmir issue be frozen and tackled at a more propitious time." ۴۳

شملہ معاہدے پرعمل کرتے ہوئے بھٹو صاحب نے ۱۹۷۴ء میں پاکستان کے زیر انتظام کشمیر کو ایک صوبہ کی حیثیت سے پاکستان میں ضم کرنے کا اعلان کیا۔ اس فیصلہ کے متعلق ہندوستان نے حسب معاہدہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے معمولی احتجاج کیا۔ اس معاہدے کا نچوڑ ذوالفقار علی بھٹو کے سیکریٹری محمد یوسف بڑھ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے ساتھ ایک ملاقات کے دوران یوں بیان کرتے ہیں:

"What they are holding is their's, and what we are holding is ours." ۴۴

---

41. A Diplomat's Diary of Triloki Nath Koul, Cited in an article entitled "Secret of Shimla Agreement", Presented in Sanathana Dharma College, Alappuzha, by M.P.Ajith Kumar, On 12, 19, 2006-Internet.
42. New York Times, 3 July 1972, cited in Secet of Shimla agreement.
43. Secret of Shimla agreement by P. Ajith Kumar.
44. Aditya Sinha, 1996, Farooq Abdullah-Kashmirs Prodigal son, London, P.85.

حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں پاکستان پر ہندوستان کی فتح، قیام بنگلا دیش اور شُملہ معاہدہ نے تحریک کشمیر کی بنیاد ہلا کے رکھدی۔ صوبہ سرحد کے سابقہ وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان کا کہنا ہے کہ ''معاہدہ شُملہ کے ذریعہ مسٹر بھٹو نے کشمیر کے مسئلے کو تاشقند کے سردخانے سے نکال کر شملہ کے عالی شان مقبرے میں دفن کر دیا ۴۵۔ امان اللہ خان اس معاہدہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''معاہدہ شُملہ میں نہ تو کشمیریوں کو مسئلہ کشمیر کا فریق تسلیم کیا گیا............ نہ اس میں ایک کروڑ کشمیریوں کے پیدائشی، نا قابل تنسیخ موعودہ اور بین الاقوامی طور تسلیم شدہ حق خود ارادیت کا کوئی ذکر ہے۔ معاہدہ کے تحت کشمیریوں کی بجائے ان کے مادرِ وطن کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق بھارت اور پاکستان کے حکام اور آخر میں اِن دو ملکوں کے سربراہان حکومت کو دیا گیا ہے۔ کشمیریوں پر اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوسکتا ہے کہ ان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق نئی دہلی اور اسلام آباد کی افسر شاہی اور وزرائے اعظم کو دیا جائے۔ معاہدہ کے مطابق ہندوستان اور پاکستان کے ذرائع ابلاغ ایک دوسرے کے خلاف کسی بھی قسم کا پروپیگنڈا نہیں کریں گے۔ آزاد کشمیر ریڈیو سے انتہائی ولولہ انگیز ملی نغمے، ترانے، تبصرے اور تقریریں جس سے کشمیریوں کے دلوں میں جذبہ آزادی موجزن رہتا تھا، نشر کرنے پر پابندی لگائی گئی۔ حد متارکہ جنگ کا نام بدل کر ''لائین آف کنٹرول'' رکھا گیا۔ تنازعات بشمول کشمیر کو دوطرفہ مذاکرات کے ذریعہ حل کریں۔ اور انہیں فریق دوم کی مرضی کے خلاف کسی بین الاقوامی تنظیم یا ادارے میں لے جانے سے گریز کریں'' ۴۶۔

جہاں تک کشمیری عوام کا تعلق ہے اُنہوں نے ان تمام معاہدوں کو رد کیا ہے۔ کیونکہ

---

۴۵ مسئلہ کشمیر، کل، آج اور کل، ص، 227۔

۴۶ ماخوذ، نوائے وقت، لاہور، 30 جنوری، 1989، بحوالہ سلیم منصور خالد، ص، 225-230۔

یہ معاہدے مسئلہ کشمیر کے لئے سم قاتل ثابت ہوئے۔ ایک بین الاقوامی مسئلے کو بین مُلکی معاملہ بنا دیا گیا جس کو ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں باہمی بات چیت کے ذریعہ طے کرنے کے مجاز بن گئے۔ حقیقت میں سقوط ڈھاکہ کے بعد سیاست کشمیر پر گہری مایوسی چھا گئی۔ مایوسی کے ان کالے بادلوں نے کشمیر کے سب سے قدآور رہنما شیخ محمد عبداللہ کو بھی اپنی گھیرے میں لے لیا۔ جس کی خامہ فرسائی پاکستانی سُکالر ڈاکٹر احمد علی نے یوں کی ہے:

> ''...........اب پاکستان کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے اور مایوسی کی لہر نے کشمیری مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا...........اس عہد میں یعنی ۱۹۷۴ء میں خود شیخ عبداللہ شدید مایوسی کا شکار ہوئے''۔ ۴۷

حقیقتاً پاکستان ٹوٹنے کے فوراً بعد شیخ محمد عبداللہ کا یہ بھرم بھی ٹوٹ گیا کہ پاکستان کے بل بوتے پر تحریک کشمیر کو منطقی انجام تک پہنچایا جا سکے۔ ایک قلمکار کے بقول:

> "After the war, he realised that Pakistan would never have the capability to grab Kashmir by military means."۴۸

اگر چہ شیخ صاحب نے معاہدہ شملہ کو بھٹو کی خود غرضانہ سیاست اور سقوط ڈھاکہ کو تاریخی المیہ قرار دیا لیکن ان حالات سے زبردست دل برداشتہ ہوئے۔ اس لئے نئے زاویوں سے سوچنا ناگزیر بن چکا تھا۔ نتیجتاً شیخ صاحب نے ٹکراؤ کا راستہ ترک کر کے بات چیت کا وطیرہ اپنایا۔ انتہائی افسردہ سیاسی حالات اور پیرانہ عمری کے باوجود شیخ صاحب مسئلہ کشمیر سے کسی بھی صورت میں دست بردار نہیں ہونا چاہتے تھے لیکن بعض افرادِ خانہ، سیاسی قرابت داروں اور موقعہ پرستوں نے اُنہیں کشمیر ایکارڈ کے لئے مجبور کیا۔ واقف کار رقمطراز ہے:

> "...... it is widely believed that he was rather

۴۷ مسئلہ کشمیر، کل، آج اور کل، ص، 128۔

48. Aditya Sinha, 1996, P.80.

forced, by political opportunists and greedy people closely related to him, to accept anything that was offord smearing him name and consigning his glourious to history." ۴۹

کہا جاتا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کے کچھ قریبی رشتہ دار اندرا عبداللہ ایکارڈ کی خبر سُننے کے لئے مہینوں سے دہلی میں ڈیرہ لگائے بیٹھے تھے ۵۰۔ یہ بھی اطلاع ہے کہ شیخ محمد عبداللہ کا ایک پُرانا ساتھی مرکز کے اشاروں پر ۹ راگست ۱۹۵۳ء جیسا واقعہ پھر دہرانے کے درپے تھا جس سے مرکزی سرکار نے کشمیر کا حکمران بنانے کا وچن دیا تھا۔ مرزا محمد افضل بیگ اور اندرا گاندھی کے نمائندے جی پارتھا سارتھی کے درمیان جو معاہدہ طے ہوا۔ ''اُس میں ایک خاص نقطہ یہ بھی تھا کہ شیخ محمد عبداللہ ۱۹۵۳ء کی پوزشن کے مطابق بحیثیت وزیر اعظم حلف لیں گے۔ لیکن رسم حلف برداری سے صرف چند منٹ پہلے دلی والے اپنے وعدے سے مکر گئے۔ اور انہیں جو حلف نامہ پڑھ کر سنایا گیا اس میں وزیر اعظم کی جگہ وزیر اعلیٰ لکھا گیا تھا، ساتھ ہی نہ تو ۱۹۵۳ء کی پوزیشن بحال ہوئی اور نہ اس معاہدے کی کوئی اور شق یا شرط پوری ہوگئی'' ۵۱۔

ایسا ڈرامہ ایک سوچی سمجھی چال کے تحت کھیلا گیا جس سے شیخ محمد عبداللہ کی پوزیشن مضحکہ خیز بن گئی۔ اس موقع پر اگر چہ شیخ صاحب نے حلف اُٹھانے سے انکار کیا تھا لیکن وزیر اعظم ہند شری متی اندرا گاندھی نے اُنہیں فون کر کے یقین دیا کہ حلف برداری کی رسم ختم ہونے کے بعد فوراً بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا لیکن وہ گڑھی پھر کبھی نہیں آئی۔ ان حالات میں شیخ محمد عبداللہ کے لئے نا پائے رفتند اور نہ پائے ماندن تھی۔ اس لئے انہوں نے حالات سے سمجھوتہ کرنا ہی بہتر سمجھا جو شیخ محمد عبداللہ جیسے قدآور لیڈر کے شایان شان نہیں تھا۔ اُن کے لئے بہتر راستہ یہی ہوتا کہ وہ حلف برداری سے الگ

---

49. Sheikh Abdullah. Internet.

50. Gh. Ahmad, 2008, My Years with Sheikh Abdullah, Srinagar, P. 42.

۵۱۔ محمد مقبول ساحل، 2011، تنازعہ کشمیر۔ تاریخ کے آئینے میں، سرینگر، ص، 276.

ہو جاتے۔ بہر حال یہ بھی سچ ہے کہ قریبی ساتھیوں اور عوام نے شیخ صاحب کا ساتھ چھوڑ دیا تھا جو مایوس کن علامت تھی جس کے سوا اس پیرانہ عمری میں اُن کے پاس خاموش رہنے کے سوا اور کوئی راستہ بچا ہی نہیں تھا۔ ایک کالم نویس لکھتا ہے:

''............دراصل شیخ صاحب نے محسوس کیا کہ ان سے کم ساکھ والے لیڈران حضرات مفاد خصوصی کے لئے نہتے اور غریب عوام کو قربانی کا بکرا بنا کر اُن کے لئے اور بھی تکلیف اور مصیبت کھڑی کر دینگے۔ اس لئے انہوں نے بذاتِ خود بھارت کے ساتھ سمجھوتہ کرنے میں ہی عافیت سمجھ لی۔ ویسے بھی ہر ایک لیڈر اپنے ہی جال میں پھنسا ہوتا ہے جس کو بنانے میں اردگرد کے وفادار اور مکار دوست واحباب شامل ہوتے ہیں جو وقتاً فوقتاً اپنے لیڈر کی آنکھوں میں جھوٹ سے بنائی ہوئی پٹی باندھتے ہیں۔ اس جال میں شیخ صاحب بھی پھنس گئے ....شیخ صاحب کو لگا ہوگا کہ بہتری اسی میں ہے کہ اقتدار سے ہی عوام کا بھلا بھی کر سکتے ہیں اور خود کا بھی اور ساتھ ہی مکار وفادار اور دیگر دوست واحباب کا بھی'' ۵۲؎

اندرا عبداللہ ایکارڈ کے بارے میں ڈاکٹر مصطفےٰ کمال لکھتے ہیں:

''۱۹۷۵ء کا اندرا عبداللہ ایکارڈ الحاق کے شرائط کو بتدریج کمزور کرنے کی پالیسی پر روک لگانا تھا اور ۹۲ قوانین جو ان شرائط کو توڑتے ہوئے یہاں ۱۹۵۳ء کے بعد لاگو کئے گئے تھے، کو از سر نو جائزہ لینا تھا اور وہ قوانین ریاست کی خودمختاری کے منافی تھے۔ اُن کو واپس کرنا مطلوب تھا'' ۵۳؎

معاہدہ شملہ کے بعد اور بھی کئی معاہدے طے ہوئے جو ابھی تک صیغۂ راز میں ہیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان سے بھی پردہ اُٹھ سکتا ہے۔ لیکن اِن معاہدوں کے باوجود کشمیر کا تب تک کوئی حل نکلنے والا نہیں ہے جب تک کہ دونوں ممالک اپنی انا

۵۲؎ ایم جی حسن مختار، کشمیر......شیخ محمد عبداللہ سے موجودہ لیڈرشپ تک ہفت روز چٹان سرینگر، 10 ستمبر 2001ء

۵۳؎ روزنامہ انڈین ٹائمز، 5 دسمبر 2000ء، جموں

کو چھوڑ کر کشمیر کو ایک انسانی اور سیاسی مسئلہ تسلیم کریں گے۔

بہر حال جب سقوط ڈھا کہ ہوا تو غلام محمد صادق جو جموں و کشمیر کے وزیر اعلیٰ تھے، اچانک فوت ہوئے اور ان کی جگہ سید میر قاسم کو وزیر اعلیٰ بنایا گیا۔ اس بیچ اندرا عبداللہ ایکارڈ طے ہوا تو مرکزی سرکار کے کہنے پر قاسم صاحب نے ۲۴ فروری ۱۹۷۵ء میں استعفیٰ دے دیا۔ اور شیخ محمد عبداللہ کے لئے کرسی خالی کر دی۔ تاہم حسب سابقہ مرکز نے اس حکمت عملی کو زیادہ دیر تک ٹکنے نہ دیا بلکہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۷ء میں کانگریس لیڈر سید میر قاسم نے اپنی دو سالہ پرانی حمایت واپس لے لی۔ اس طرح بھارت سرکار نے شیخ محمد عبداللہ کو پیرانہ عمری میں ایک بار پھر سیاسی شکست سے ہمکنار کیا۔ نتیجتاً شیخ محمد عبداللہ کی سفارش پر ریاست میں گورنر راج نافذ کیا گیا جو ڈھائی مہینے جاری رہا۔ بعد از آن الیکشن ہوئے جس میں نیشنل کانفرنس بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی اور شیخ محمد عبداللہ کو وزیر اعلیٰ چنا گیا۔ اس دوران اُنہوں نے کون سے اہم کام انجام دئے۔ اُس حوالے سے ساحل صاحب لکھتے ہیں:

> ''شیخ صاحب نے جب یہ دیکھا کہ مرکز کی جانب سے سبسیڈی پر فراہم کئے جانے والی غذائی اجناس کو کشمیر کے غیرت مند صارفین ''بھیک'' سمجھنے لگے ہیں تو انہوں نے ڈرامائی انداز میں راشن پر ملنے والی سبسڈی کو ختم کر دیا اور مسلم اوقاف ٹرسٹ کی رقومات کا استعمال کر کے یہ خسارہ پورا کیا۔ دوسری طرف اُنہوں نے غریب کاشتکاروں کی حالت زار دیکھ کر زمیندار اور مزارع کے رشتے کی ہمیشہ کے لئے سہ طلاق کر ڈالی اور زرعی اصلاحات کو نافذ کر کے زمین کو ان کاشتکاروں کو سونپ دیا، جو برس ہا برس سے اس میں اپنا خون پسینہ ملا رہے تھے۔ یہ ایک اچھا قدم تھا، اس کی وجہ سے اگر چہ ایک امیر طبقہ اُن کے خلاف ہو گیا اور اُنہوں نے اُن کے خلاف سازشوں کا سلسلہ جاری رکھا لیکن ان کو اپنی دعاؤں میں شامل کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ شیخ عبداللہ کے کھاتے میں جو سب سے اہم بات جاتی ہے وہ ہے سال ۱۹۷۸ء کا ''زرعی اصلاحات ایکٹ'' اس اقدام نے

شیخ محمد عبداللہ کو تقسیم ریاست سے اس وقت تک کے سبھی ریاستی حکمرانوں میں قد آور اور ممتاز بنا دیا اور وہ عوام کی پہلی پسند بن کر اُبھرے‘‘ ۵۴؎

نصف صدی تک کشمیریوں کے دلوں پر حکومت کرنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ آخر ۸ ستمبر ۱۹۸۲ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کئی روز تک تمام کاروبار ٹھپ ہو کے رہ گیا۔ شہر و دیہات سے لوگ جوق در جوق اپنے قائد کے جنازہ میں شرکت کی غرض سے سرینگر وارد ہوئے۔ بھارت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی صدر جمہوریہ ہند، درجنوں مرکزی وُزراء، ممبران پارلیمینٹ، کئی ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ اور سیاسی و دینی تنظیموں کے درجنوں سربراہان نے بھی شرکت کی۔ اس قد آور سیاسی شخصیت کے بارے میں اطلاع ہے کہ اس کو کبھی بھی چین وسکون سے بیٹھنے نہیں دیا گیا۔ کبھی پراجیہ پریشد کے ہنگاموں کا سامنا کرنا پڑا اور کبھی پاکستانی عناصر کا جنہیں آئی بی اور آئی ایس آئی سے رقومات فراہم کئے جاتے تھے ۵۵؎۔ مختصر یہ کہ شیخ محمد عبداللہ کی موت ایک قائد کی موت نہیں تھی بلکہ ایک دور کا خاتمہ تھا۔ جس نے کشمیری قوم کو سات سو سالہ جاگیر شاہی سے آزاد کیا۔ اُن کی وفات پر کئی جیوتشیوں اور نجومیوں نے پیشنگوئی کی کہ شیخ صاحب کے مرنے کے فوراً بعد ریاست خاص کر وادیٔ کشمیر کے حالات انتہائی خراب ہو جائیں گے جو اُس وقت بالکل درست ثابت ہوئی جب اُن کی موت کے فوراً بعد کشمیر میں ملٹنسی کی شروعات ہو گئی۔ شیخ محمد عبداللہ کی موت واقع ہونے کے دو گھنٹے بعد ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو وزیر اعلیٰ کا عہدہ سونپ دیا گیا۔ چھ مہینے کے بعد ریاست میں الیکشن ہوئے۔ جس میں نیشنل کانفرنس نے سب سے زیادہ سیٹیں حاصل کیں ۵۶؎۔ فاروق عبداللہ کو وزیر اعلیٰ چُنا گیا۔ لیکن بہت جلد دلی سرکار نے اُنہیں مُشکلات میں ڈال دیا۔ پرویز دیوان رقمطراز ہے:

’’سال ۱۹۸۴ء کے اوائل سے اخبارات میں اس قسم کی رپورٹیں آنا شروع

۵۴؎ محمد مقبول ساحل، ص، ۲۷۸

55. Ghulam Ahmad, 2008, My years with Sheikh Abdullah, Srinagar, P. 133

۵۶؎ غلام احمد میر، ص، ۱۶۲

ہوگئی تھیں کہ دلی والے ڈاکٹر فاروق عبداللہ سے خوش نہیں ہیں اور وہ اُس کے کابینہ ممبران کو خریدنے اور کوئی متبادل سرکار قائم کرنے کی تیاریاں کررہے ہیں۔ ۲ جولائی ۱۹۸۴ء اتوار کے دن، ڈاکٹر فاروق عبداللہ اپنے اہل خانہ اور فلم ایکٹرس شبانہ اعظمی کے ہمراہ چند گھنٹوں کی تفریح کے لئے گلمرگ چلا گیا اور اِنہی چند گھنٹوں میں ان کے بہنوئی خواجہ غلام محمد شاہ کو ریاست کا نیا وزیر اعلیٰ بنایا گیا۔ مسٹر شاہ این سی کے چند ساتھیوں کے ہمراہ انڈین نیشنل کانگریس کے ریاستی یونٹ کے ساتھ جاملے اور اس طرح ایک ''گٹھ بندھن'' سرکار بنا کر ڈاکٹر فاروق کو باہر کر دیا گیا''۔ ۵۷

غلام محمد شاہ نے تقریباً دو سال تک حکومت کی۔ مارچ ۱۹۸۶ء میں کانگریس نے اُسکا بھی تختہ اُلٹ دیا اور ریاست میں صدر راج نافذ کیا۔ ۱۹۸۷ء میں پھر انتخابات ہوئے۔ نیشنل کانفرنس اور کانگریس نے مشترکہ طور الیکشن میں حصہ لیا۔ اور حکومت بنانے کے لئے ضرورت کی سیٹیں حاصل کیں۔ ان انتخابات میں ایک نئی پارٹی ''مسلم متحدہ محاذ'' بھی شامل ہوگئی تھی جس نے چار سیٹیں حاصل کیں۔ الیکشن کے نتائج سامنے آتے ہی اپوزیشن پارٹیوں اور میڈیا نے نیشنل کانگریس اتحاد پر دھاندلیوں کے الزمات عاید کئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''مسلم متحدہ محاذ'' کے بیشتر عہد داران ہندوستانی جمہوریت سے انتہائی بدظن ہوگئے جنہوں نے نیشنل کانفرنس اور کانگریس سے بدلہ لینے کے لئے موثر راستہ اپنانے کا صلح ومشورہ شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست میں مسلح جدو جہد شروع کی گئی۔ اگرچہ اس حوالہ سے کئی تھیوریز سامنے آئی ہیں لیکن ایک مضبوط دلیل یہ ہے کہ جن لوگوں نے ۱۹۸۷ء کے الیکشن میں شکست کھائی اُن سبھوں نے مسلح تحریک کی شروعات کے لئے کسی نہ کسی طریقہ سے میدان ہموار کرلیا۔ جس میں نوجوانوں سمیت سینکڑوں نام شامل ہیں۔ جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ انشاءاللہ



---

۵۷ بحوالہ محمد مقبول ساحل، ص، ۲۸۱

چند جاگیرداروں کے نام

۱۳ر جولائی (یوم شہدائے کشمیر) ۱۹۵۰ء میں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، بلدیو سنگھ، مولانا ابوالکلام آزاد، رفیع احمد قدوائی، مہاراجہ ہری سنگھ، مہر چند مہاجن اور گوپالہ سوامی آئینگر کی زبردست مخالفت کے باوجود مندرجہ ذیل جاگیرداروں کی زمین بغیر کسی معاوضہ کے ضبط کرنے کے احکامات صادر کئے۔

نمبر شمار	نام جاگیردار	تعداد رقبہ (کنال)	نمبر شمار	نام جاگیردار	تعداد رقبہ (کنال)
1	رام دتا	7751	16	چودھری رسیلا	7197
2	شری متی وِدیاوتی	106240	17	ٹھاکر فقیرو	6907
3	وزیر سرن داس	32847	18	موتی رام	6447
4	تیج رام	15975	19	ٹھاکر بہلوہ	5386
5	سردار کشن سنگھ	14293	20	پنڈت بل کاک دھر	5144
6	دیوان دنپت رائے	14112	21	راجہ ستوک	5071
7	ٹھاکر کرتار سنگھ	7850	22	خدابخش	4277
8	پنڈت شیام سندر دھر	10412	23	احمد میر	4202
9	اننت رام	9944	24	محترمہ اشرف بیگم	3915
10	کشن سنگھ	9611	25	راجہ چنہانی	300061
11	چنا سنگھ	9602	26	ہیمس گمپا (لداخ)	16768
12	غلام مصطفیٰ	9018	27	رگدم گمپا	8141
13	پنڈت اوپندر کشن کول	8162	28	ستکنا گمپا	5606
14	سنت رم	7463	29	خانقاہِ بابا ریشیؒ	5856
15	شری متی پرسنا	7248	30	زیارت پیر دستگیرؒ	4483

کتابیات

اردو

۱۔ اکبر ایس احمد، ۱۹۸۸ء، پاکستان معاشرہ، انجمنِ ترقی اُردو کراچی پاکستان۔

۲۔ الیکزنڈر براون، ۲۰۰۹ء، بغاوت گلگت، مترجم۔ظفر حیات پال، نارتھ پبلی کیشنز، گلگت

۳۔ ایس این ڈوگرہ، ۲۰۰۱ء، اجالوں کا سفر، ڈوگرہ بھون، پُرانا جانی پور، جموں۔

۴۔ بشیر احمد قریشی، ۱۹۸۵ء، قائد کشمیر، راولاکوٹ، آزاد کشمیر۔

۵۔ پیارے لال کول، ۱۹۷۲ء، کشمیر کے شب و روز، سُمن پبلیکیشنز، سہہ یار سرینگر کشمیر۔

۶۔ جی ایم میر، ۱۹۹۹ء، کشمیر شناسی، مکتبہ رضوان، میر پور، ''آزاد کشمیر''

۷۔ جی ایم میر، ۲۰۰۱ء، جموں و کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں، مکتبہ رضواں، میر پور ''آزاد کشمیر''

۸۔ جی ایم صادق، ۱۹۴۶ء، کشمیر چھوڑ دو، انجمن ثقافت لاہور۔

۹۔ جگموہن ۱۹۹۳ء، برفیلے شعلے اور وادیٔ کشمیر، بسیمانت پرکاش، دریا گنج، نئی دہلی۔

۱۰۔ جان باز مرزا، ۱۹۷۵ء، کارواں احرار، جلد اول، احرار منزل، لاہور۔

۱۱۔ جسونت سنگھ، ۲۰۰۹ء، جناح۔اتحاد سے تقسیم تک، مترجم۔فرحت احساس، روپا اینڈ کو، نئی دہلی۔

۱۲۔ چوھدری محمد علی ۱۹۶۷ء ظہور پاکستان، نیویارک۔

۱۳۔ چوھدری غلام عباس خان، ۲۰۰۱ء، کشمکش سرینگر۔

۱۴۔ رشید تاثیر، ۱۹۶۸ء، تحریکِ حریت کشمیر، جلد اول، محافظ پبلی کیشنز، مخدوم منڈو سرینگر۔

۱۵۔ زاھد چوھدری ۱۹۹۹ء پاکستان کی سیاسی تاریخ، جلد ۳، ادارہ مُطالعہ تاریخ، لاہور۔

۱۶۔ سردار محمد ابراہیم خان، ۱۹۶۶ء، کشمیر کی جنگ آزادی، دین محمدی پریس لاہور۔

۱۷۔ سر والٹر لارنس، ۱۹۹۹ء، وادیٔ کشمیر، مترجم۔جیوتیشور پیتھک، جموں۔

۱۸۔ سلیم منصور خالد (مرتب)، ۱۹۸۹ء، مسلہ کشمیر، کل، آج اور کل، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد، پاکستان۔

۱۹۔ سنتوش کمار، ۲۰۰۲ء، لاہور نامہ، وبہا پبلی کیشنز دہلی۔

۲۰۔ سید محمود آزاد، ۱۹۷۰ء، تاریخ کشمیر: زمانہ قدیم سے ۱۹۴۷ء تک، تعمیر پرنٹنگ پریس لاہور۔

۲۱۔سید میر قاسم، ۱۹۸۵ء، داستان حیات، مرتب۔عبدالرحمٰن کوندو، ادارۂ ادبیات، دلی۔
۲۲۔شیخ محمد عبداللہ، ۱۹۸۴ء آتش چنار، علی محمد اینڈ سنز سرینگر۔
۲۳۔صوفی محی الدین، ۱۹۹۴ء، کشمیر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۷۷ء تک، شاہین بکسٹال، بڈشاہ چوک سرینگر۔
۲۴۔صوفی محی الدین، ۲۰۰۰ء شعلے اور سبزہ زار، صنوبر پبلی کیشنز سرینگر۔
۲۵۔صوفی محی الدین، ۲۰۰۷ء، کشمیر کی ثقافت کے بدلتے نقوش، زہرا پبلی کیشن ہاوس، بڈشاہ نگر نٹی پورہ سرینگر۔
۲۶۔طارق فیض پراچہ، ۲۰۰۵ء، کشمیر...... ان کہی کہانی، مارشل پرنٹنگ پریس صدر، راولپنڈی پاکستان۔
۲۷۔ظہور احمد، ۱۹۴۹ء، کشمیر کی کہانی، شباب پریس، لاہور۔
۲۸۔عبدالقیوم خان ۱۹۸۸ء، مقدمہ کشمیر، کتب خانہ اشاعت دینیات، دہلی۔
۲۹۔عتیق صدیقی، ۱۹۶۷ء شیخ عبداللہ، کشمیر اور ہم، مکتبہ شاہراہ، اُردو بازار، دہلی۔
۳۰۔عنصر صابری، ۱۹۹۱ء، تاریخ کشمیر، پروگریسو بکس، لاہور۔
۳۱۔عبدالواحد، ۱۹۴۷ء، کشمیر چھوڑ دو۔مقدمہ بغاوت، لاہور۔
۳۲۔عباس آزاد، ۲۰۰۹ء، میرا پیام اور ہے، راولپنڈی۔
۳۳۔غلام احمد میر، ۲۰۰۷ء، میں نے کشمیر جلتے دیکھا، آرزو پبلشنگ ہاوس، تھنہ منڈی، راجوری، جموں۔
۳۴۔پنڈت کلہن، ۱۹۹۳ء، راج ترنگنی، مترجم و مرتب۔ٹھاکر اچھر چند شاہور، سرینگر
۳۵۔کانجی دوارکا داس، ۱۹۷۰ء، محمد علی جناح، مترجم۔سید شہاب الدین دِسنوی، کوہ نور پرنٹنگ پریس، دہلی ۶۔
۳۶۔کلیم اختر ۱۹۶۳ء، شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ۔تاریخِ حُریت کشمیر کے آئینے میں، سندھ ساگر اکادمی لاہور۔
۳۷۔کرن سنگھ، ۱۹۸۴ء، ولی عہد (مترجم۔غلام نبی شیدا)، شیخ عثمان سرینگر۔
۳۸۔محمد امین خان، ۲۰۰۲ء، آئینہ تاریخ کشمیر، گلشن پبلشرز، سرینگر۔
۳۹۔مرزا شفیق حسین، ۱۹۹۱ء، کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد، سرینگر۔

۴۰۔ میاں افتخار الدین، ۱۹۸۳ء، یادایام، حمایت اِسلام پرنٹنگ پریس، لاہور۔
۴۱۔ محمد حنیف شاہد، ۱۹۸۷ء، سوانح راجہ سرور، روہتاس بکس، لاہور۔
۴۲۔ ملک فضل حسین، ۱۹۳۱ء، کشمیر اور ڈوگرہ راج، گلوب آفسیٹ پریس دہلی۔
۴۳۔ محمد فاروق قریشی، ۱۹۸۷ ولی خان اور قراردادِ پاکستان، روہتاس بکس، لاہور۔
۴۴۔ مقبول ساحل، ۲۰۰۹ء ''شبستان وجود'' میزان پبلشرز، بٹہ مالو سرینگر۔
۴۵۔ لیری کونس و دامنگ لیپیر ۱۹۸۸ء، آدھی رات کی آزادی، (مترجم۔سید سہروردی) علی محمد اینڈ سنز سرینگر۔
۴۶۔ نائیلا علی خان، ۲۰۱۰ء، ہند پاک رقابت کی بنیاد، کشمیر میں اسلام، خواتین اور تشدُد، ترجمہ (علی محمد گلکار) سرینگر۔

رسالے

۱۔ اُردو ڈائجسٹ ''شبستان'' کا خصوصی نمبر۔ شیخ عبداللہ دوست یا دُشمن، ۱۹۶۸ء نئی دہلی۔
۲۔ شیرازہ۔ شیر کشمیر نمبر، جلد ۲۲، اگست۔اکتوبر، ۱۹۸۳ء، کلچرل اکیڈیمی سرینگر۔
۳۔ شیرازہ۔ مغل اور کشمیر نمبر، جلد ۲۸، جنوری۔مارچ ۱۹۸۹ء، کلچرل اکیڈیمی سرینگر۔
۴۔ عوامی دور۔ شیخ عبداللہ نمبر، ۱۹۷۸ء، جموں۔
۵۔ نور محمد کی لکھی ہوئی تاریخ کشمیر کی روزانہ ڈائیری۔
۶۔ مجاہد منزل میں ۱۰/اپریل ۱۹۷۳ء میں جموں و کشمیر محاذ رائے شماری کے کارکنوں سے حضرت شیر کشمیر کا خطاب۔
۷۔ مرزا محمد افضل بیگ ۱۹۴۱ء، وزیر اعظم کو موقوف کرنے کے متعلق، کشمیر سازش کیس، رپورٹ نمبر (۲)
۸۔ کشمیر میڈیا نیٹ ورک۔ سرینگر۔
۹۔ انڈین ٹائمز، ۵، دسمبر ۲۰۰۰ء، جموں۔
۱۰۔ ''ینبر زل''۔ شیر کشمیر نمبر۔ ۱۹۸۳ء، گورنمنٹ ڈگری کالج بمنہ سرینگر۔
۱۱۔ اُردو اخبارات (بیک فائلز آف کشمیر، ہندوستان و پاکستان ۱۹۳۱۔۱۹۶۰)

کشمیری

۱۔ محمد سُبحانِ بھگت، ۱۹۸۴ء، باند جشن، دہلی۔

۲۔ کلیات غلام نبی عارض، ۱۹۷۲ء، دہلی۔
۳۔ دیوان وہاب پرے حاجنی، ۱۹۷۱ء، سرینگر۔
۴۔ کلیات عبدالاحد آزاد، ۱۹۸۷ء، مرتب-ڈاکٹر پدم ناتھ گنجو، کلچرل اکیڈمی سرینگر۔
۵۔ سون ادب تاریخ نویسی نمبر-۲، ۱۹۸۲ء۔
۶۔ غلام نبی آتش، ۱۹۸۸ء، کأشری لُکہٕ بأتھ جلد ۸، کلچرل اکیڈیمی، سرینگر۔
۷۔ منور شاہ، ۱۹۷۲ء، مرتب-منظور فاضلی، بنڈہ پورہ کشمیر۔
۸۔ امین کامل، ۱۹۵۸ء، گٹہٕ منز گاش، سرینگر۔
۹۔ کلیات مہجور، ۱۹۸۳ء مرتب-محمد یوسف ٹینگ، کلچرل اکیڈیمی سرینگر۔

مضامین

۱۔ ایم حسن مختار، ''کشمیر......شیخ عبداللہ سے موجودہ لیڈر شپ تک'' ہفتہ وار چٹان، 10 تا 16 ستمبر 2007ء سرینگر۔
۲۔ رحمت اللہ رونیال، ''4 نومبر کی دلدوز کہانی، چشم دیدہ گواہ کی زبانی''، 4 نومبر 2007ء سرینگر
۳۔ میر شاہد سلیم، ''جب آر ایس پورہ کے تحصیلدار نے مسلمانوں کا قتل عام کیا''، اطلاعات، 7 نومبر، 2007ء، سرینگر۔
۴۔ میر شاہد سلیم، ''جب نگروٹہ میں مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا، اطلاعات، 8 نومبر، 2007 سرینگر
۵۔ ایسٹرلاسن، تقسیم کی حقیقت سے آشنا، اطلاعات، 2 فروری، 2008ء، سرینگر۔
۶۔ سیّدین وقار، ''جب جموں زخم زخم ہوا، کشمیر اعظمیٰ، 5 نومبر، 2007ء سرینگر۔
۷۔ قیوم نظامی، ''امرتسر سے لاہور تک (1947ء)، ہفتہ روزہ احتساب، 10 تا 17 نومبر، 2008ء سرینگر۔
۸۔ راجہ نذر بونیاری، لبریشن فرنٹ کے چیئرمین امان اللہ خان سے ایک ملاقات''، ''چٹان'' 12 تا 18 نومبر 2007ء سرینگر۔
۹۔ مقبول ساحل، ''کشمیر ــــ تاریخ کے آئینے میں''، قسط 17، ہفتہ روزہ ''پُکار'' 26 نومبر تا 2 دسمبر 2009ء سرینگر۔
۱۰۔ کرشن دیو سیٹھی، ''تقسیم ہند ــــ اس حمام میں سب ننگے''، کشمیر اعظمیٰ، 10 ستمبر، 2009ء سرینگر

انٹرویوز

۱۔ علی محمد صوفی ساکنہ رام باغ سرینگر، 30 ستمبر 1995ء

۲۔ غلام احمد راتھر ساکنہ کرالہ پورہ چاڈورہ۔

۳۔ ڈاکٹر محمد افضل میر ولد علی محمد میر ساکنہ ہائی گام، سوپور، یکم اگست، 2007ء سرینگر۔

۴۔ ڈاکٹر مشتاق احمد حلوائی ولد غلام احمد حلوائی ساکنہ سوپور، 8 جولائی 2008ء۔

۵۔ عبدالرزاق ڈار ولد عبدالخالق ڈار ساکنہ لدوپانپور ۲۸ راگست، 2008ء۔

۶۔ علی محمد ڈار ولد غلام قادر ڈار ساکنہ لدوپانپور 25 جون 2010ء

۷۔ مرحوم عبدالرحیم مراد ساکنہ حیات پورہ چاڈورہ، 21 نومبر 2008ء

۸۔ مرحوم غلام احمد یتو والد نورہ یتو ساکنہ حیات پورہ چاڈورہ، 21 نومبر 1996ء

۹۔ مکھن لال کنول ساکنہ سنگرام پورہ، حال پُرکھو کیمپ جموں (حال ہی میں کنول نگر وٹہ میں شفٹ ہوا)، 12 فروری 2009ء۔

۱۰۔ پروفیسر ایس ایل بھٹ ولد رادھا کرشن بھٹ، ساکنہ خارہ پورہ، بانڈی پورہ، حال نئی دہلی، 2 فروری، 2009ء۔

۱۱۔ غلام احمد ڈار ساکنہ ہردہ اوبر ٹنگمرگ، 23 جون، 2008ء

۱۲۔ غلام احمد راتھر ساکنہ پچھ گام، 12 اکتوبر، 2009ء

۱۳۔ عبدالرحمان یتو ساکنہ ناگام چاڈورہ، 31 جنوری 2010ء

۱۴۔ چودھری گل محمد، ساکنہ اکھنور جموں، 12 فروری، 2008ء

۱۵۔ مرحوم غلام احمد یتو ولد عبدالصمد یتو (راقم کے والد) ساکنہ حیات پورہ چاڈورہ، 28 اکتوبر 1997ء۔

۱۶۔ ایڈوکیٹ شیخ نذیر احمد، جنرل سیکرٹری نیشنل کانفرنس، 9 دسمبر 2010ء

۱۷۔ ڈاکٹر مصطفےٰ کمال، ممبر اسمبلی حضرت بل، 14 جولائی 2011ء سرینگر۔

۱۸۔ پریم ناتھ شاد ولد سدھرشن بھٹ ساکنہ قاضی باغ، بڈگام، حال بن تالاب جموں، 22 فروری 2010ء۔

۱۹۔ جواہر لال سرور ساکنہ مہنور چاڈورہ، حال ونایت نگر مٹھی جموں۔



انگریزی

- Abdullah, Sheikh Mohammad, 1974, Testament of Sheikh Abudllah with a Monograph by Y.D. Gundevia, Palit and Palit, Dehra Dun.
- Atal, Hiralal, 1992, Nehru's Emissary to Kashmir, Army Ducatinal Stores, New Delhi.
- Akbar. M.J. 1991, Kashmir: Behind the vale, viking, London.
- Amin, Agha Hamayun, 1999. The Pakistan Army till 1965 Lahore.
- Anand Bhaskar, 1956. The Kashmir Cauldron, Simla
- Ataov, Turkkaya, 2001, Kashmir and Neighbours, Ashgate, Sydney.
- Ayub Khan, Mohammad, 1967, Friends Not Masters, Oxford University Press, London.
- Azad, Abdul Kalam, 1967, India Wins Freedom, Orient Longman, New Delhi.
- Bamzai, P.N.K, 1994, Culture and Political History of Kahsmir, M.D Publications, New Delhi.
- Bazaz, Prem Nath, 1967, Kashmir in crucible, Pamposh Publications, New Delhi.
- Bazaz, Prem Nath, 1954, The History of the Struggle for Freedom in Kashmir, Pamposh Publications, New Delhi.
- Beg Aziz, 1957, Captive Kashmir, Alied Business Corporation, Lahore.
- Beg, Mohammad Afzal Sheikh Abdullah Defended, Report No.ix(iv), Jammu and Kashmir Legal Defence Committee Srinagar.
- Benerji, J and K, 1948, A Report on Kashmir, The Republic Publication, Calcutta.
- Bhattacharjea, Ajit, 2008, Shaikh Mohd Abdullah : Tragic Hero of Kashmir, New Delhi.
- Birdwood, Lord, 1956, Two Nations and Kashmir, Robert Hale, London.
- Bolitho Hector, 1954, Jinnah: Creater of Pakistan, Green wood Press, USA.
- Bourke-White, Margaret, 1949, Half way to freedom, Simon and Sehuster, New York.
- Brecher M. 1953, The Struggle for Kashmir, Oxford University Press, New York.
- Chander Jag Parvesh, 1947, The Story of The Cabnet Mission in India; in words and pictures, The Indian Printing Works, Lahore.

- Chopra, P.N (ed.), 2002, Sardar Vallabhbhai Patel, Kashmir and Hydrabad, Konark Publishers Delhi.
- Collins, Larry and Dominique Lapierre, 1976, Freedom at Midnight, Vikas, New Delhi.
- Dasgupta, C, 2002, War and Dplomacy in Kashmir 1947-48, New Delhi.
- Das Gupta, Jyati Bhushan, 1965, Jammu and Kashmir, Hague.
- Dewan Parvez, 2004, Kashmir, Manas Publications. New Delhi.
- Dewan, Parvez, 2007, Jammu, Manas Pbulications. New Delhi.
- D.N.Panigrahi, D.N. 2009, Jammu and Kashmir, The Cold War and The West, Routlege, London.
- Guha, Ramachandra, 2007, Seikh Abdullah and Kashmir 1947-48, New Delhi
- Gauba, K.L. 1930, His Highness, The Lion Press, Lahore.
- Gill Sadiq, 1990, Anglo-American Diplomacy and the Emergence of Pakistan 1940-1947, Research Society of Pakistan, Lahore.
- Gupta, Sisir, 1967, Kashmir; A study in India-Pakistan Relations, Bombay.
- Hodson, H.V, 1969, The Great Divide; Britain-India-Pakistan. Hutchinson. London.
- Hussain Syed Taffazul, 2009, Sheik Abdullah - A Biography, USA.
- Hussain, Dr. Sheikh Showkat, 2008, Facts of Resurgent Kashmir, Kashmir Institute, Abi Guzar, Srinagar.
- Jhonson, Campbell, 1951, Mission with Mountbatten, Robert Hale Ltd. London.
- Kalhana, Rajatarangini, 1961, M.A.Stein(tn) (2vols), Archibald Constable, London.
- Kaul, B.M, 1972 Confrontation with Pakistan, Barnes and Noble, New York.
- Kaul, R.N, 1985, Sheikh Mohammad Abdullah; A Political Pheonix, Sterling, New Delhi.
- Kaul, B.M. 1967. The Untold Story, Allied Publishers, London.
- Kaul, Pyarelal, 1991, Crisis in Kashmir, Suman Publications, Srinagar.
- Khan, Amanullaha, 1970, free Kashmir, Central Printing Press, Karachi.
- Khan, Akbar, 1970, Radiers in Kashmir; Karachi.

- Khan, G.H, 1980, Freedom Movement in Kashmir 1931-40 Light and phonix Sterling New Delhi.
- Khan. Shaukat Hyat, 1995, The Nation that lost its soul, Lahore.
- Khan, Mohd. Ibrahim, 1965, The Kashmir Saga, Lahore.
- Korbel, Josef, 1992, Danger in Kahsmir, Princeton University Press, Princetan.
- Koul, Mohan Lal, 1994, Kashmir Past and Present, Manav Publishers, New Delhi.
- Kazimi, Muhammad Reza, 2003, Liaquet Ali Khan: His Life and Work, Oxford University Press, Karachi.
- Lamb Alasar, 1994, Birth of a Tragedy; Kashmir1947, Oxford.
- Lamb Alasar, 1966, Crisis in Kashmir 1947-1966, London.
- Lamb, Alastair, 1991, Kashmir A Disputed Legacy 1846-1999, Oxford University Press, Lahore.
- Lakhanpal.P.L, 1965, Essential Documents and Notes on Kashmir Dispute, International Books, Delhi.
- Lawrence, Walter, 1995, The Valley of Kashmir, Oxford University Press, London.
- Mahajan, Mehr Chand, 1963, Looking Back: An Autobiography, Asia Publishing House, New Delhi.
- Mehta, Krishna, 1954, Chaos in Kasmir, New Delhi.
- Merriam, Allen Hayes, 1980, Gandhi VS Jinnah, Miherva, Associates Calcutta.
- Menon, V.P, 1956, The story of integration of the Indian states, Culcutta.
- Moon, Penderel, 1964, Divide and Quit, Chatto and Windus. London.
- Mosley, Leonard, 1962, The last days of the British Raj, Weidenfeld and Nicolson, London.
- Mullik, B.N. 1971, My Years with Nehru: Kahsmir, Allied Publishers, New Delhi.
- Musa Mohammad, 1983, My Vession: India-Pakistan war 1965. ABC Publishing House, New Delhi.
- Mushtaqur Rehman, 1996, Divided Kashmir, New Delhi.
- Mhaffe, A De, 1948, Road to Kashmir, Ripon Printing Press, Lahore.
- Nehru, Jawaharlal, 1947, Introduction to State Verses Sheikh Abdullah, Kashmir on Trial, The Lion Press, Lahore.

- Noorani, A.G. 2011, Ariticle 370: A Constitutional History of Jammu and Kashmir, Oxford University Press, New Delhi.
- Noorani, A.G, 1964, The Kashmir Question, P.C Manektalas, Bombay.
- Patel, Vallabhbhai, Sardar Patel's Correspondence (10 vols) ed. Durga Das, Navajivan Trust, Ahmadabad.
- Quraishi, Humra 2004, Kashmir; The Untold Story, Penguin, Delhi.
- Rai, Mridu, 2004, Hindu Rulors, Muslim Subjects, Permanent Black, Delhi.
- Raina, Dina Nath, 1990, Unhappy Kashmir; The inside story, Reliance Publishing House, New Delhi.
- Reddy, G.K, 1948, The Great Conspiracy, " Blitz" Publication, Bombay.
- Saraf, M.Y, 1979, Kashmir Fight for Fredom, Lahore.
- Singh Bawa Satinder, 1988, The Jammu fox, New Delhi.
- Sing Narinder, 1982, Political Awakening, New Delhi.
- Suharwardy, A.H, 1983, Tragedy in Kashmir, Lahore.
- Sing, K.Brahma, 1990, History of J&K, Rifles 1820-1956, New Delhi.
- Saxena, H.L, 1975, The Tragedy of Kashmir, Nationalist Publishers, New Delhi.
- Sorila, Narandra Singh 2005, The Shadow of the Great Game, The Untold story of India's Partition, Harpercollions Publishers India, New Delhi.
- Sen. L.P. 1969, Slender was the thread: Kashmir Confrontation 1947-48, orient Longman, New Delhi.
- Schofield, Victoria; 2004, Kashmir in Conflict, Viva Books, New Delhi.
- Sharma, M.S. 1954, Peeps into Pakistan, Pustak Bhandar, Patna.
- Sherwani, Latif Ahmad, 1986, The partition of India and Mountbatten, Council for Pakistan Studies, Karachi-18.
- Siddiqui, Kalim, 1972, Conflict, Crisis and war in Pakistan, Macmillon Press, London.
- Singh, Karan, 1982, Heir Apparent, Oxford University Press. New Delhi.
- Sinha, Aditya, 1996, Farooq Abdullah; Kashmiris Prodigal son, UBSPD, New Delhi.

- Sinha. S.K, 1977, Operation Rescue; Mililtary Operatins in Jammu and Kashmir 1947–49, vision Books, New Delhi.
- Sodhi. S, Anoop Singh, 2007, Kashmir and the Sikhs; An insight, Gulshan Books, Srinagar.
- Stephens, Ian, 1953, Horned Moon, Chatto and Windus, London.
- Ian Stephens, 1963, Pakistan, London.
- Taseer, C. Bliqees, 2005, The Kashmir of Sheikh Abdullah, Gulshan, Srinagar.
- Teng, Mohan Krishan, 1990 Article 370, New Delhi
- Vashist, S. 1968, Sheikh Abdullah: Then and Now, Maulik Satya Prekashan, Delhi.
- Wilox, W. A. 1963, Pakistan: The Consolidation of a Nation, New York.
- Wolpert, S. 1984, Jinnah of Pakistan, Oxford University Press, New York.
- Whitehead, Andrew, 2007, A Mission in Kashmir Penguin Book. New Delhi.
- Yunus, Mohammad, 1942, Frontier Pathans and Freedom Strunggle, Delhi.
- Zutshi, Chitralekha 1972, Languages of Belonging, New York.
- Back Files of New Papers (English / Urdu) Pbulished from England, present Pakistan, India, Kashmir during 1912 to 2011.



ISBN-978-81-923718-0-1



Printed By
R.M OFFSET ART PRESS
Cell:- 09796994269-09717903884
Email:-rmoffsetpress@live.com